U519 . P 25'-110

Title – DEEN-O-AAIN.
Author – Sayyed Mehmood Ali.
Publisher – Kutb Khana Ansariya (Jalandhar).
Dehli – 1933.
Pages – 356
Subject –

[illegible]

إِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ
الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ کتاب

دین و آئین

مُصَنّفہ
مولٰنا سید محمود علی صاحب پروفیسر کالج کپورتھلہ

حسب الارشاد
مولٰنا الحاج محمد عماد الدین صاحب انصاری عم فیضہ
ناظم شعبہ دینیات اسلامیہ ہائی سکول جالندھر
کتب خانہ انصاریہ شہر جالندھر سے شائع ہوئی

BKA

مختصر فہرست کتب خانہ انصاریہ

عورت کی دنیا

یہ کتاب ایک قابل عورت کی تصنیف ہے۔ اس میں لڑکیوں کو گھر کے تمام انتظامات بتائے ہیں۔ زندگی کی ہر ایک منزل میں رہبری کی گئی ہے میکے اور سسرال میں معاشرتی طریقے۔ اولاد کی پرورش کے طریقے۔ بچوں کی بیماریوں کے چھوٹے چھوٹے تیر بہدف علاج بتائے ہیں۔ اگر لڑکی یا عورت کے پاس یہ کتاب موجود ہے تو اس کو معاشرت کے تمام طریقے آجائینگے اور انشاء اللہ زندگی کی تمام منزلوں میں وہ خوش رہیگی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی لڑکی آرام سے رہے تو یہ کتاب اس کو ضرور پڑھا دیں اور اسکے جہیز میں منجملہ دیگر چیزوں کے ایک یہ ضرور ہو قیمت ۵؍

معالجات روحانی

نظر لگنے کے تیر بہدف علاج۔ نظر لگنے کی حقیقت تعویذ اور گنڈوں اور عملیات کی تاثیر کا سبب اس میں عقل کی روشنی میں بتایا گیا ہے۔ اس کو پڑھکر وہ لوگ بھی معتقد ہو جاتے ہیں۔ جو انکار کرتے رہے ہوں۔ قیمت دو آنے (۲؍)

دلچسپ سیر

عربی اور انگریزی کے طالب علموں کا اس مسئلہ پر مناظرہ کہ قرآن مجید صرف کافی ہے۔ یا حدیث بھی ضروری ہے۔ قیمت اڑھائی آنے (۲؍)

پہلی اور چودھویں صدی کا اسلام

نہایت دلآویز پیرایہ میں موجودہ رسوم کی اصلاح اور بہت سی تاریخی معلومات۔ قیمت ڈیڑھ آنہ ۱؍۔

ہمارے اخلاق

نہایت دلچسپ فسانہ ہے۔ ہمارے اخلاق کا عبرتناک فوٹو ہے۔ قیمت ڈیڑھ آنہ ۱؍

یتیم لڑکا

جسکی ذہانت حد کو پہنچی ہوئی تھی وہ اہل دولت کے بچوں کو دیکھکر کیا کیا منصوبے گانٹھتا ہے قیمت ڈیڑھ آنہ۔

النفح الشذی

تقریر شرح ترمذی شریف بزبان اردو جو حضرت قطب العالم مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تحقیقات حدیث کا نایاب ذخیرہ ہے۔ قیمت مجلد ۱۲؍ -

حسن وفا اس کتاب میں اُن تمام عہد ناموں کا ذکر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حریفوں اور حلیفوں سے کئے تھے اور یہ بھی کہ کس خوبی کے ساتھ انکو نباہا تھا۔ انداز بیان دلکش عبارت سادہ خط عمدہ قیمت ۲؍

مقتول بیچاری ایک دل ہلا دینے والا قصہ۔ کوئی جنٹلمین اس رسالہ کو پڑھنے کے بعد پردہ کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا قیمت ۱؍

فیشن اور پردہ فیشن اور پردہ کا دلچسپ مکالمہ بطور ناول قیمت ؍

ملنے کا پتہ:۔ ناظم کتبخانہ انصاریہ جالندھر شہر۔ بازار شیخاں

جملہ حقوق طبع و اشاعت محفوظ

أَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

یہ رستہ سیدھا اس کا اتباع کرو، اور رستوں پہ نہ چلو وہ تم کو خدا کے رستے سے دور کر دیں گے

دین و آئین

AZAD

تصنیف

مولانا سید محمود علی صاحب پروفیسر نذیر کالج کپورتھلہ عم فیضہ

مصنف دین و دانش، و دین و دولت وغیرہ

بارشاد

مولانا الحاج محمد عماد الدین صاحب انصاری ناظم شعبہ دینیات

اسلامیہ ہائی سکول شہر جالندھر

کتب خانہ انصاریہ جالندھر شہر
نے شائع کیا

URDU STACKS
M.A.LIBRARY, A.M.U.
U519
۲۹۴۴۱
۱۹۸ ادی
م۹۲
۵۱۷

کلامِ ناشر

ذکرِ محسنین

کتاب دین و آئین کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے میں جن حضرات نے صحت و طبع اور اشاعت میں میری مدد کی، میرا دل اُنکا رہینِ منّت ہے، بالخصوص دو ہستی ایسی ہیں جنکا ذکر زبانِ قلم پر نہ لانا ناشکری کے مرادف ہے۔

(۱) مولنا سید محمود علی صاحب مصنّف کتاب ہذا کہ آپ نے اپنی اس نادر و بیش بہا تصنیف سے مسلمانوں پر احسان فرمانیکے ساتھ اُسکی طبع و اشاعت کیلئے میرا انتخاب فرمایا۔

(۲) خان بہادر مولنا فتح الدین صاحب بی۔ اے۔ آئی۔ ایس ڈائرکٹر محکمۂ زراعت پنجاب کہ آپکی ہمدردی و اخلاص اس کتاب کی اشاعت میں میری ہیرا ور ایسے طبقے میں رہنما ہوئی جس میں اس کا پہنچنا لازمی تھا۔

قارئین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دو محسنین کے اس عمل کو صدقۂ جاریہ رکھے اور اُن کے خلوصِ عمل کے ثمرات سے اُنکو دین اور دنیا میں متمتع کرے۔ آمین ؛

دعا کا طالب

عماد الدین انصاری شیرکوٹی

ضروری گذارش متعلقہ صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰

مذکورہ بالا صفحات میں دو طلاق رجعی کو طلاق بائن قرار دیکر نکاح کی ضرورت بتائی ہے، ایسا نہیں ہے، بلکہ دو طلاق رجعی کے بعد بھی رجعت کافی ہے۔ نکاح کی ضرورت نہیں ۱۲ محمود علی۔

فہرست مضامین کتاب دین و آئین

CHECKED

دیباچہ ۱-۹- انتساب ۱۰-۱۴

باب اول ۱۵-۲۲

انقلاب حالات اور اصول کار

اعتراض اور جواب کے دو پہلو۔ ایک پہلو پر انحصار۔ انحصار کی ہر دلعزیزی۔ تبدیل روش کی ضرورت۔ جواب دینے والوں کی بے بسی۔ ضرورتوں میں امتیاز کرنیکی ضرورت۔ خواہشوں کا حسن و قبح۔ ترقی کی نوعیت اور رفتار علم و تہذیب کا مفہوم۔ مدعائے امروزہ۔ زمانہ قدیم کا خیال۔ دیدۂ دوربین سب یہیں کے واسطے۔

باب دوم ۲۳-۳۵

ستم آرائیاں

انکار وجود باری۔ اسلام کا جواب۔ محاذ جنگ کی ہلاکت آفرینی۔ سیہ کاریوں کا اہتمام۔ ہوسرانیوں کی اجازت۔ قطع نسل کی کوشش۔ ہوسرانیوں کا انجام۔ مذہبی فسادوں کی کشور کشائی جبر اور فریب۔ سیاسی چالیں۔ مفروضہ ضرریں امن و آسائش۔ تاجرانہ چال تعلیم کی برکت اور نحوست۔ حصول علم کا نتیجہ۔ فیضان علم کی دورنگی۔ دو رنگی کی وجہ۔ اسلامی فیصلہ

باب سوئم ۳۵-۷۶

معذرتہائے بیجا

مجبوری۔ عدیم الفرصتی کی وجہ۔ عیش پسندی۔ وقت کا مصرف۔ طماعی۔ ناانصافی۔ مجبور پر جبر۔ بدی میں اضافہ۔ ثروت کا حسن و قبح۔ اعتدال کا رستہ۔ روزہ پر اعتراض۔ عبادت کی غرض۔ روزہ کی مصلحت۔ روحانیت کی ترقی۔ حج پر اعتراض۔ نبوت اور نبوت کا حقدار۔ آنحضرت کی نبوت پر اتہام۔ واقعات قبل نبوت۔ سفر کا نتیجہ۔ کامیابی کا یقین۔ مدعیان سے انکار۔ تمام زندگی کی شہادت۔ انبیاء عیب و صواب۔ اختلاف مراتب نبوت۔ کلام الٰہی اور کلام رسول کا تفاوت۔ معمولی اور برگزیدہ کلام۔ روایت بالمعنی۔ توہم پرستی۔ توہم پرستی کی حقیقت۔ حج کا نفس نہیں۔ طواف و تقبیل۔ جنتی پتھر۔ تعظیم اور بت پرستی۔ بجا و بیجا

استعمال حجر اسود کی آنکھ اور زبان۔ سعی کا ماخذ۔ رمی جمار کا ماخذ۔ سعی اور رمی جمار کی حکمت۔ اشمال اور رمل۔ اخروی فائدہ پہلے اور دنیوی مفاد پیچھے۔ ایک زمانہ کے بعد دوسرا۔

باب چہارم ۷۷-۱۳۶

تجارتی نظام

تجارت کا موجودہ اہتمام۔ بینک کی ضرورت۔ تجارتی ذخیروں کیلئے سود کی ضرورت۔ تجارت سے اجتناب کرنے کی قباحت۔ ملک رانی کے لئے سودی کاروبار کی ضرورت۔ پست اقوام کی تباہی۔ سود کا مفاد۔ خالص سود کا مفاد۔ سود کی ہوس خام۔ پیشہ سود خواری کی اخلاقی قباحت۔ تجارتی سود میں کیا قباحت ہے۔ آرام طلبی۔ سرمایہ پر قابض ہونیکے فوائد۔ سرمایہ پر غیر کے قابض ہونیکی قباحت۔ بعض افراد کے قاصر ہونیکا نتیجہ۔ مقابلہ کا اعتراض۔ مقابلہ ناقص ہے۔ قانون منفعت کا اثر مقابلہ کے خلاف۔ مقابلے میں داناؤں کی جیت اور نادانوں کی ہار۔ یمحق اللہ الربوا۔ سیاسی نقائص۔ عقلی غور و فکر کے نتائج۔ مذہب کیا فیصلہ کرسکتا ہے۔ قانون بنانے کا قاعدہ۔ شرعی حکم دریافت کرنیکا قاعدہ۔ سود کے بارے میں شرعی احکام۔ زیادہ مقدار کا سود۔ سود اور جہل۔ سود اور مظلومیت۔ سود اور قومی امداد۔ اضطراری حالت اور مجبوری۔ تجارتی دشواریوں کا ناقص حل۔ سوال کی شکل۔ جواب کی تفصیل۔ تفسیر قدما۔ ضرورت حاضرہ کا حل۔ تجارت کا وسیع مفہوم۔ مسلمانوں کا طرز عمل۔ ودیعت اور خیرات۔ سود کو خیرات کرنے کا شرعی جواز۔ بیوگان و یتامیٰ کا سرمایہ۔ پنشن خوار اور سود۔ تجارت کے سوا دیگر ضرورتوں کا سود۔

باب پنجم ۱۳۷-۱۵۵

زنانہ اور مردانہ خصوصیتیں

افراط و تفریط۔ عورتوں کی ہمت مردانہ اور اس کی وجہ۔ زنانہ فرائض کی گرانباری۔ نشہ کی چستی خمار کی سستی۔ عورت کا روشن اور تاریک پہلو۔ تاریک پہلو۔ تاریک پہلو کی تنقید۔ روشن پہلو۔ مفصل بیان۔ اختلاف فرائض۔ انفعالی حیثیت اور حیاداری۔ حیاداری کا ثبوت۔ جذبات کا

مقابلہ۔ تکلیف کی برداشت۔ صبر و تحمل۔ دماغی کمزوری۔ مادرانہ فطرت۔ بچہ کی پرورش شیر خورانی اور اس کا نتیجہ۔ شفقت اور فکرمندی۔ سخت جذبات کی کمی۔ انتظار کی قوت۔

باب ششم ۱۵۵-۱۶۸

تعلقات زناشوئی

عورت اور مرد کی مشارکت۔ مشارکت کی خوبصورتی۔ نباہ کی شکل۔ عورت کا تجربہ اور اس کا نقص۔ مصارف کا اندازہ۔ صرف کا بار اور مصرف کا انتخاب۔ قرآنی فیصلہ۔ خانگی انتظامات اور عورت کی فطری کمزوری۔ کشمکش اور سہل گیری۔ حکم خداوندی۔ مشورہ کی ضرورت۔ فطری اختلاف پر اضافہ۔ یورپ اور ہندوستان۔ بین الاقوامی ازدواج۔ توحید و شرک کا اختلاف۔ عقائد کا اختلاف۔ ہم کفو کی ضرورت۔

باب ہفتم ۱۶۸-۱۸۴

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کی بنیاد۔ تعدد ازدواج اور محبت کا فقدان۔ خانہ داری کا آرام۔ فانی اور غیر فانی محبت۔ تلاش راحت۔ تعدد ازدواج کی ایک خاص شکل۔ ازدواج کی غرض اسلامی نقطۂ نظر سے۔ تعداد کی حد بندی اور انصاف کی شرط۔ حسرت و افسوس کا انسداد اور راحت کا اہتمام۔ مساوات کا لحاظ اور مقدرت کا اندازہ۔ تعلقات زناشوئی اور محبت۔ ناگواری کا آخری علاج۔ علاج پیش از وقوع۔ تلاش راحت میں کامیابی۔ آزادی کی سہولت۔ انصاف ممکن ہے یا ناممکن۔ مساوی سلوک اور مساوی محبت کا فرق۔ تعدد ازدواج کی موجودہ قباحتیں۔

باب ہشتم ۱۸۴-۲۱۳۔ طلاق اور خلع

مواصلت کے مختلف انجام۔ متضاد نتائج کا سبب۔ نکاح کی ضرورت اور فراق کی مجبوری۔ مرد کی

مشکلیں اور مصارف کا بار۔ رنجش اور نفرت کے اسباب۔ اختیار مفارقت میں مرد اور عورت کا تفاوت۔ طلاق مسنون طلاق غیر مسنون ہندوستانی قانون کا نقص خلع۔ قانون خلع کی نظیریں۔ نزاع اور پنچایتی فیصلہ۔ خلع کا معاوضہ۔ تفصیل کا خلاصہ۔ اقوال ائمہ۔ زن وشوہر کی بے آرامی اور مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ۔ قرآن کریم اور معصیت سے محفوظ رکھنے کا اہتمام۔ اندیشہ معصیت اور تبدیل وصیت۔ تعدی کا اندیشہ اور صلح کی تاکید۔ فساد کا اندیشہ اور معاہدہ کی تنسیخ۔ دشمن کا اندیشہ اور نماز میں اختصار۔ طلاق کو ادنی سمجھنے کا فیصلہ بے محل ہے۔ آیت کا اختصار اور حکم طلاق کا استنباط۔ دربار نبوت کا فیصلہ اور طلاق کا جبری حکم حکم رسولؐ کی وقعت۔ فیصلہ بے رعایت ہونا چاہیئے۔ نفرت کا وجود اور طلاق وجوب۔ نکاح ثانی بھی طلاق کا سبب ہو سکتا ہے۔ قدیم مسلک کا تبدل۔ مفقود کے بارہ جدید فیصلہ نان ونفقہ میں کوتاہی اور طلاق کا حکم۔ دینی خدمت کا معاوضہ۔ مساجد کی آرائش۔ نابالغ کی امامت۔ خلع کے بارہ میں قدیم مسلک۔ عورتوں کے بارہ میں جدید روش بیوفائی کا الزام اور وفاداری کا ثبوت۔ آزادی کا موقع اور عورت کا اجتناب۔ انتخاب شوہر کا اختیار۔ حکم خدا اور فریضہ اطاعت۔

باب نہم ۲۱۳-۲۲۶

پردہ

شرافت و رذالت کا تفاوت۔ لڑکیوں کی تعلیم۔ پردہ بطور ایک رسم۔ ازواج مطہرات کا پردہ۔ باہر نکلنے کی ضرورت۔ غض بصر۔ برہنہ روئی محرم اور نامحرم۔ خانہ نشینی کا نتیجہ۔ چہرہ کو مستور رکھنے کا اثر۔ برہنہ روئی کا اثر۔ پردہ کی لازمی شرط۔ اسلام کی تقسیم اور قدرت کی حدبندی۔

باب دہم ۲۲۶-۲۳۷

قانون اور اسکی ایک شاخ

عام سوال کا خاص جواب۔ قانون اور مذہب۔ غلط اصول۔ جماعتی نفع ونقصان کا اصول۔ پابندی

کی مقدار۔ وسائل آمد۔ خراج۔ معدنیات اور مال تجارت۔ ایزاد کی ضرورت۔ محصول تجارت میں اضافہ آزاد تجارت۔ بائیکاٹ۔ حیلہ کی پردہ دری۔ جزیہ۔ عرب کا لگان۔ لگان کا تفاوت۔

باب یازدہم ۲۳۸-۲۴۷

قانون ربوا

حلت و حرمت کا قانون۔ قمار بازی۔ لاٹری۔ پھل کی بیع فاسد۔ زمین کا معاہدہ فاسد۔ نفع و نقصان کی مساوات۔ بددیانتی کے کرتب۔ فیاضانہ کاٹ یاد۔ فک رہن کا وقت۔ انتفاع بالمرہون

باب دوازدہم ۲۴۷-۲۶۳

قانون وراثت اور اہل قانون کی پریشانیاں

اغراض کا اختلاف۔ تدریجی ترقی۔ وصیت میں مزاحمت۔ کنبہ کے فوائد اور انکی مزاحمت۔ نادیدہ اشخاص اور اغراض کیلئے وصیت۔ محدود زمانہ کا اور تاحین حیات اختیار۔ حقوق میں کمی اور دشواری میں تخفیف۔ انگریزی آئین اور اسکی قباحت۔ تقسیم ترکہ کا اصول۔ تقسیم حسب دستور عام۔ بینتھم کی تقسیم۔ ہم قوم یا باپ کی اولاد۔ مساوی تقسیم کی مصلحت۔ بڑے بیٹے کا حق۔ مالک کی بے توجہی اور بے شعوری۔ مناسب ترتیب فطری اور اخلاقی اصول۔ سوسائٹی کا فائدہ۔ خزانہ کے شرعی مصارف۔ تلاش میں ناکامی۔

باب سیزدہم ۲۶۳-۲۸۹

قانون وراثت و وصیت اور اسلام کا فیصلہ

تلاش میں کامیابی۔ انتقال ملکیت کے اسباب۔ رشتہ داروں کا حق۔ مؤنث۔ خدمت اولاد۔ عورت اور مرد کا تفاوت۔ والدین اور زن و شوہر۔ قرآنی اصول۔ معاونت کا اصول و محرومی۔ برادرانہ تعلقات کی ضرورت۔ ذریعہ امن محبت ہے یا خوف۔ افراد کے پیوستہ ہونے کی ضرورت۔ وصیت۔ وصیت کا تقدم تقسیم پر۔ حاجتمندوں کا پاس و لحاظ۔ وصیت کا لزوم۔ وصیت ورثا کے حق میں۔ وصیت کی پابندی۔ غلط وصیت کی اصلاح۔ کفیل کی ذمہ داری۔ حقوق ورثا کی حفاظت۔ اغیار کیلئے وصیت کی مقدار۔ مشکلات کا حل۔ مورث کے کامل اختیارات۔ ورثا کی ضرورتوں کا لحاظ۔ انقلاب حالات کا علاج۔ کفیل کی ضرورت۔ اغیار کی امداد۔ محروم ورثا سے ہمدردی۔ بیٹے اور پوتے کا تفاوت۔ قباحتوں کا انسداد۔ نسخ وصیت کی دلیل۔ دوسری دلیل۔ صاحب کشاف کا خیال۔ تفسیر بیضاوی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر طبری۔ آیات میراث و

وصیت کا تفاوت۔ تناقض کوئی نہیں مسئلہ وصیت کا عملی پہلو۔ مسئلہ وصیت کی ضرورت۔

باب چہاردہم ۲۸۹-۳۳۱

قانون فوجداری

سزا کی قسمیں۔ جرائم نا مذکور الجزا۔ اصول سزا کی تلاش۔ سزائے قتل کی موجودہ شکل مقدمات کے مصارف۔ جبر نقصان سے محرومی۔ دیوانی عدالت اور اسکی دشواریاں۔ موجودہ قانون کا اصول۔ معاوضہ کی بے پناہ ہوس۔ مصارف حکومت کا اندازہ۔ مصارف کی بیجا کثرت۔ اسلامی حکومت کے مصارف۔ مرے کو مارنا۔ حق رسی اور حسرت۔ بڑے جرائم۔ قتل کی نوعیت۔ قتل اور اس کا نتیجہ عداوت۔ قتل کی قسمیں۔ برادری کی ذمہ واری۔ مورث کا قتل اور اُسکی رکاوٹ۔ تاوان کی صورت اور اُسکی حقیقت۔ سزائے قتل پر اعتراض۔ حبس دوام کی قباحت۔ چہاردہ سالہ قید کی قباحت۔ قباحتوں کا حل۔ مصلحت وقت کا خیال۔ مشورہ کی فرضیت۔ مختلف سلوک کی موجودہ صورت۔ عداوت کے مختلف اسباب۔ الصلح خیر۔ تجربہ کی شہادت۔ راہ زنی اور قتل قطع اعضا۔ تدبیر سہ گانہ۔ سرقہ کی سزا۔ موجودہ قانون کا اثر۔ سوسائٹی کا نقصان اور اس کا موازنہ زنا کاری کے عواقب و نتائج۔ قانون مروج کی دو رُخی۔ قانون و شریعت کا پہلا قدم۔ قانون و شریعت کا اختلاف۔ احکام دربارہ زنا۔ حد کا احتمال اور تعزیر کا موقع۔ حد کا خاص موقع۔ استنباط اصول +

باب پانزدہم ۳۳۱-۳۴۲

ارتداد

مارشل لا قتل کی مصلحت کشمکش کی طوالت۔ خود غرضی کا زمانہ۔ مذہبی ہمدردی اور اغیار کا اندیشہ۔ سزائے ارتداد کا صحیح مفہوم۔ ارتداد کے احکام۔ سزائے قتل کا عام قاعدہ۔ میلان قلب کا احترام۔

باب شانزدہم۔ حریت عمل ۳۴۲-۳۵۲

حریت عمل کا اصول۔ لوازم دنیا کی ترغیب۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ مناظر قدرت اور سامان عبرت اہل علم کی فضیلت۔ مناظرِ قدرت اور خشیت۔ مناظر قدرت اور محبت۔ مذہب سے بیگانگی اور بے سر و سامانی تفہیم مذہب اور سرگرمی عمل۔ خدائی مذہب اور تمیز حق و باطل +

لانڈہ الیکٹرک پریس جالندھر شہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ از مصنفِ علّام عمّ فیضہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِہٖ شُکْرُنَا فَلَمْ یَحْرِمْنَا، وَقَلَّ عِنْدَ بَلِیَّتِہٖ صَبْرُنَا فَلَمْ یَخْذُلْنَا، وَکَرَّرْنَا عَلَی الْخَطَایَا فَلَمْ یَفْضَحْنَا، مَعْرُوْفُہٗ لَا یَنْقَضِیْ، وَنَعْمَائُہٗ لَا تُحْصٰی، وَہُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ط وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ الْاٰیَاتِ الْمُعْجِزَاتِ وَالْعَلَامَاتِ الْبَاہِرَاتِ وَ الْمَقَامِ الْمَشْہُوْدِ وَالْحَوْضِ الْمَوْرُوْدِ ط وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَاَشْیَاعِہٖ وَعَلَیْنَا مَعَہُمْ اَجْمَعِیْنَ بِفَضْلِ مَنْ ہُوَ الرَّبُّ الْمَعْبُوْدُ وَرَبُّ الْمَحْمُوْدِ ط

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

انسان کچھ تخیلات لیکر آتا ہے اُن حالات سے جو اُس کی پیدائش سے پہلے اُس کے عناصر پر مؤثر ہوئے ہیں اور کچھ اپنے اندر پیدا کرتا رہتا ہے اُن حالات سے جو پیدائش کے بعد سے موت کے وقت تک اُس کے گرد وپیش محیط رہتے ہیں۔ ان سب حالات میں جو کشمکش جاری رہتی ہے اور جو انقلاب اُس کے اعضاو

جوارح اور اُس کے دل و دماغ کی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ اُس کا احساس کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا مگر دماغ ہر وقت مصروفِ عمل رہتا ہے۔ گویا وہ ایک سپاہی ہے۔ جو میدانِ جنگ میں بھیجا گیا ہے۔ کچھ ہمراہی اُس کے ساتھ ہیں۔ کچھ اغیار حملہ آور ہیں یعنے کچھ خیالات پہلے سے رکھتا ہے جو اُسے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کچھ ترغیبیں اُس کے سامنے پیش ہوتی ہیں اور اُس کے اپنے مسلک سے علیحدہ کرنا چاہتی ہیں۔ وہ پہلے خیالات میں سے بعض کو قائم رکھتا ہے اور ہمیشہ رکھتا ہے، بعض کو کچھ عرصہ تک قائم رکھتا ہے آخر چھوڑ دیتا ہے بعض کو ایک ہی مخالف ترغیب میں علیحدہ کر دیتا ہے اور جو حملے باہر سے ہوتے ہیں ان میں سے بھی بعض کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا اور کبھی نہیں کرتا بعض سے کم یا زیادہ عرصہ تک مقابلہ کرنے کے بعد شکست کھاتا ہے اور بعض سے دفعۃً متاثر ہو جاتا ہے پیش آنے والے حالات میں سے بچپن کی ترغیبیں بہت زبردست ہوتی ہیں۔ انسان میں ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ فطری میلان ان کے خلاف ہو جب بھی اثر کرتی ہیں اور فطرت کو کچھ نہ کچھ بدل دیتی ہیں۔ مجرمانہ طبیعت رکھنے والے بچپن کی اچھی تربیت سے پارسا نہیں بن سکتے تو بیباک مجرم بھی نہیں رہتے۔ پارسا طبیعت رکھنے والا مجرموں کی صحبت میں پرورش پائے تو بیباک نہ ہو جب بھی کسی نہ کسی قدر رند ضرور ہو جاتا ہے۔ بزدل یا جوانمرد بخیل یا فیاض۔ ذکی یا بلید طبیعت رکھنے والا بھی اپنی طبیعت کے خلاف تربیت پائے تو طبعی کیفیت کو کچھ نہ کچھ بدلنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن طفلی میں ایک قسم کی تربیت پانے کے بعد اگر وہ طبعی میلان کے موافق ہو تو عادت پختہ ہو جاتی ہے اور آئندہ خلاف ترغیبوں کا اثر بہت کم قبول کرتی ہے اور اگر تربیت طبعی میلان کے خلاف ہو جب بھی اس تربیت کے اثر کو دور کرنا آسان نہیں۔ البتہ طبعی میلان زبردست ہوا اور عہد طفلی گذرنے کے بعد ترغیبیں پیہم طبعی میلان کی موافقت کرتی رہیں تو بچپن کے مخالف اثر کو دور کرنا ممکن ہے۔

یہ سب قسم کے تغیرات ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں اور کبھی خلاف قاعدہ اور خلاف

قیاس بھی انسان ایک حالت میں پرورش پاکر اور پختہ ہو کر کسی نہ کسی وقت میں اپنے رُتبہ کو بدلتا اور نور سے ظلمت یا ظلمت سے نور ہو جاتا ہے یا نور و ظلمت کے مدارج میں نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے کی طرف ترقی یا تنزل کرتا رہتا ہے۔ اور خیالات کا جو تلاطم ہر شخص کے بحرِ طبیعت میں بپا رکھا گیا ہے۔ اس سے متاثر ہوتا ہوا انسان محسوس نہ کرے جب بھی ہدفِ انقلاب ہوتا رہتا ہے البتہ فطری میلان اور اُس کے شدت و ضعف کا اندازہ ناممکن ہے اِس لئے نہیں کہہ سکتے کہ حالاتِ گردوپیش اور مختلف ترغیبیں اس کو بدلنے کی کس قدر قوت رکھتی ہیں۔ تاہم میلان کو بدلتے ہمیشہ کے لئے چھوڑتے اور دیر کی چھوڑی ہوئی خواہشوں کی طرف واپس آتے۔ غرض ہر قسم کے انقلاب دنیا میں ہوتے نظر آتے ہیں۔ اس لئے نہ خیالات کی کسی بہتر رفتار پر جب تک آدمی زندہ ہے اطمینان ہو سکتا ہے کہ قائم رہیگی نہ کسی غلط روی پر جب تک انسان سلامت ہے بہتری کی جانب آنے سے مایوسی ہو سکتی ہے۔ اِنسان کو خوف و رجا کے مابین رہنے سے مفر نہیں +

میں اسی کشمکش میں مبتلا ہوں یقین سے نہیں کہہ سکتا ہوں کہ فطری میلان کیسا رکھتا ہوں بچپن سے جوانی کے عالم تک ایک ہی قسم کی فضا میں رہا ہوں بچپن کی تربیت اور نوجوانی کی تعلیم میں تفاوت تھا مگر بہت خفیف۔ بلکہ کہہ سکتا ہوں کہ تعلیمی زمانے میں مخالف ترغیبوں سے جو زبردست ہوں دوچار ہونیکا اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ آنکھیں کھلیں اور مطالعہ کا شوق ہوا تو مخالف اور موافق ہر قسم کی بہت بڑی بڑی پرزور تحریریں نظر سے گذرنے لگیں۔ وقت اکثر تنہائی میں گذرا اور صحبتوں میں بیٹھنے کا اتفاق کم ہوا۔ ملنے والوں نے نرم اور گرم منتر پھونکے مگر کم لکھنے والے بلا کے دیکھے اور بہت دیکھے کُشتیاں لڑتے رہے جھنجوڑتے رہے۔ اُٹھا اُٹھا کر پٹختے رہے۔ کسی کی گرفت نے حیران کر دیا کسی کی ضرب سے حواس اُڑ گئے کسی نے کمر میں ہاتھ ڈالا تو رگیدتا ہوا دور تک لے گیا کسی نے اس زور سے کلائی تھامی کہ اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ بیچ میں حمایتی بھی ملتے گئے۔ وہ مدد دیتے رہے۔ گرنے لگا تو تھام لیا

بے راہ چلا تو کھینچ لیا۔ ایک حامئی سب سے زبردست دیکھا۔ اس سے جب کبھی مدد نہیں مانگی اُسی وقت پریشانی یا مجبوری یا حواس باختگی اور مغلوبیت کا مزا چکھا ورنہ اُدھر دیکھا تو ہمیشہ ہر داؤ کا جواب پایا۔ ہر جوڑ کا توڑ دیکھا۔ ہر گرفت کو سست کرنے کا سامان ملا۔ ہر زبردست کو زیر کرنے کی قوت ملی۔ یعنے بچپن سے جوانی تک نگرانی کرنے والوں نے (خدا ان کی پاکیزہ روحوں کو اپنا قرب خاص مرحمت فرمائے) اِس مکدر اور غیر صافی آئینہ پر محبوب ازل کے جس قدر جلووں کا عکس ڈال دیا تھا۔ وہ اگرچہ ظرف کی آلودگی سے بہت نمایاں نہ ہو سکے۔ مگر دل پر قبضہ اُنہی کا رہا۔ اُس کے جمال جہاں آراء سے روگردانی کرنے اور خوبانِ جہاں کی رعنائی و زیبائش سے مسحور ہونے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کسی معشوقۂ طنّاز کی کسی ادا نے دل کو لُبھایا اور سر کو اُس کے آگے جُھکایا تو کمر تختہ ہو گئی اور پیشانی کو سجدہ ریز ہونے سے بچا لیا۔ آنکھیں اسی کے رُخسار پر جمیں، دِل نے وہیں سے تسکین کا سامان لیا اور کسی فرعونِ بے سامان کا جادو کارگر نہ نکلا ٭

مقابلہ ہر قدم پر تھا اور اعتراض ہر بات پر۔ عقیدہ کا ہر ایک جزو اور عمل کا ہر ایک پہلو سب دیکھنے والوں کو خار کی طرح کھٹکتا اور کہنے سننے والوں کو تیر و نشتر نظر آتا تھا۔ کوئی اپنے رستہ کو صحیح کہتا اور ہمارے عمل کی بد انجامی سے ڈراتا۔ کوئی تمام فکروں سے آزاد کرتا اور ہمارے اندیشوں کو فضول بتاتا۔ کوئی اپنی عقل و دانش کا سکّہ بٹھاتا اور ہماری توہم پرستی کا مذاق اُڑاتا۔ کوئی ہر تلخ و شیریں اور نوش و نیش کی ایک تاثیر بتاتا اور وہم کو بے لگام کرنا چاہتا۔ کوئی ایک دروازہ کی بجائے ہر در کی گدائی کرنے کا سبق دیتا۔ کوئی چمن کے خاروں سے بچنے اور ہر گل سے شہد چوسنے کا رستہ بتاتا کوئی ہماری کسی حرکت کو غلط کہتا۔ کوئی کسی کو بے کار۔ کوئی کسی بات پر خفا ہوتا۔ اور کوئی کسی پر خندہ زن ٭

خفا ہونے والوں سے نبٹنا آسان تھا کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی زلف گرہ گیر کا اسیر اور سب کو اسی زنجیر میں گرفتار کرنے کا خواہشمند تھا۔ محبوب کا چہرۂ تاباں دیکھنے کے بعد کسی زلف و کاکل کی ظلمت کیا فریفتہ کر سکتی تھی۔ ہنسنے والے البتہ

غضب ڈھاتے تھے۔ وہ ہر قید سے آزاد تھے۔ آزادی کی طرف بلاتے تھے۔ اُن کی ترغیب سے محفوظ رہنا سہل نہ تھا۔ وہ اپنے تمام کاروبار سے دانائی کا ثبوت دیتے تھے۔ اپنے تمام ساز و سامان سے سلیقہ مندی کا اظہار کرتے تھے۔ زمین پر تصرف رکھتے تھے۔ آسمانوں کے راز جانتے تھے۔ فضاؤں میں اُڑتے تھے۔ طبقات زمین میں در آتے تھے اور ان کی اس قسم کی کسی بات میں نقص ثابت نہ ہوتا تھا اور گمان نہیں گذرتا تھا کہ وہ کوئی حرکت نادانی سے کرینگے اور کوئی کلمہ بے وقوفی سے کہینگے۔ وہ جب زور سے کہتے تھے کہ ہم نے کائنات کا گوشہ گوشہ ٹٹول لیا ہے۔ تمہارا محبوب کہیں نظر نہیں آتا۔ اور ذرہ ذرہ سے پتہ لیا ہے تمہارے دعوے کا کہیں ثبوت نہیں ملتا تو آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا تھا اور پیروں سے سنسنی اُٹھ کر سر تک پہنچتی تھی۔ اپنی سعی رائگان پر افسوس ہوتا تھا اور اپنی بے مائگی پر حسرت۔ دل کہتا تھا کہ ان کے خیال کو غلط سمجھو اور ان کی بات پر کان نہ دھرو مگر اور سب کاموں میں ان کی بات کو ماننا اور سب ضرورتوں میں اُن کا دست نگر ہونا پڑتا تھا تو صرف ایک بات کو غلط کہنا اور ایک نکتہ میں ان کی اُستادی سے انکار کرنا سہل نہ تھا۔ ناچار یہ ٹھانی کہ آؤ ہم بھی اُن کے ساتھ چلیں اور جن دریاؤں اور بحیروں پر وہ عبور کرتے ہیں اور جن غاروں میں اُترتے اور گھاٹیوں پر چڑھتے ہیں اور جن بیابانوں کو طے کرتے ہیں ہم بھی ان ہی راہوں پر گامزن ہوں اور جس روشنی سے وہ کام لیتے ہیں ہم بھی اپنی آنکھوں کو اسی سے منور کریں +

یہ ارادہ ہوا تو قطع سفر کا ساز و سامان دیکھا عجیب عجیب چیزیں نظر آئیں۔ ہمارے عقائد کی چھان بین میں وہ چیزیں برتتے تھے جنکو مختصراً فلسفہ و سائنس کہتے تھے اور گنتی کرتے تھے تو فزکس کیمسٹری۔ بائی آلوجی۔ سائکالوجی اور نہ معلوم کیا کیا نام گنواتے تھے۔ اعمال کی تحقیق کرنا چاہتے تھے تو کبھی سیاسیات کی پناہ ڈھونڈتے تھے کبھی اقتصاد کی کبھی قانون کی اور سب سے بڑا آلہ جس سے کام لیتے تھے اسے کامن سینس یعنے کاروباری شعور کہتے تھے۔ ساتھ چلنے والا پیروی پر انحصار رکھے اور پوچھ پوچھ کر قدم اُٹھائے۔ جب بھی مسافروں کے مقصد و مدعا کا پتہ لگا لیتا ہے۔ تمام سامان کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔ ہر کیل کانٹے کو استعمال کرنے کی

دہارت آسان نہ تھی۔ مگر یہ دیکھنا بھی مشکل نہ تھا کہ مسافر رستہ کی کس کس چیز کو ٹٹولتے ہیں اور منزل پر پہنچ کر کس مدعا کو تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ سب پست چیزیں نظر آئیں جن کی وہ سیر کرتے تھے۔ اور سب مادی مقاصد تھے جن کی ہوس رکھتے تھے اور سفید جھوٹ تھا کہ ہمارے محبوب کی تلاش کرتے ہیں اس مدعا سے وہ کسی گرے ہوئے پتّے کو بھی اُلٹتے نظر نہ آئے نہ سفر کے کسی مرحلے پر اپنی ذلیل خواہشوں سے فرصت پا کر اُنہوں نے کسی بالاتر مقصد کا خیال کیا۔ وہ سفر میں شب و روز مصروف رہتے ہیں مگر دُرّ و گوہر تلاش کرنے کی بجائے مختلف چمکیلے سنگریزے جمع کرتے پھرتے ہیں اور ان ہی سے سر و گردن کو آراستہ کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے ہمارے مدعا کو تلاش کیا اور نہ پایا۔ وہ اپنی غرض کے لئے نکلے ہیں نہ اُس کی تلاش میں تو اُسے پا کیونکر سکتے۔ ہمارا بچہ بازار میں جاتا ہے اور دیر لگاتا ہے۔ ہم اُسے ڈھونڈنے جاتے ہیں اور صرف اُسی کی جُستجو میں مصروف ہوتے ہیں تو رستہ میں ہمارے جو دوست یا آشنا سامنے ملتے ہیں ہم اُن کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے اور واپس آ کر نہیں کہہ سکتے کہ بازار میں ہمارا کون کون دوست موجود تھا۔ اسی طرح جب وہ دنیا کو اپنے مدعا کیلئے تلاش کرتے ہیں تو ہمارا محبوب اُن کے سامنے ہو جب بھی کیونکر دیکھ سکتے ہیں اور دعوائے تلاش میں کیا صداقت رکھتے ہیں +

ان کا مدعا یہ تھا کہ جس طرح کہتے ہیں موسیٰ علیہ السّلام کو جنگل میں روشنی نظر آئی اور ایک درخت پر سے خدا ہمکلام ہوا اسی طرح صحرائے افریقہ کو عبور کرتے ہوئے اور ہوائی جہاز پر کوہِ ایورسٹ کا فوٹو لیتے ہوئے ان کو خدا کی آواز آتی اور اپنی طرف متوجہ کر لیتی حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا اور کیمسٹری کے تجربے کرنے والا گردش سیارگان کا قاعدہ معلوم نہیں کر سکتا۔ نہ درزی کا کام سیکھنے والا موٹر کار کے پرزوں سے واقف ہو سکتا ہے۔ ہر کام کا قاعدہ جُدا۔ ہر فن کا قانون علیٰحدہ ہے۔ خدا کی ہمکلامی کا جو شرف موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوا وہ اِن ہی لوگوں کا حصّہ ہے جو ہوش سنبھالتے ہی اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگی مظلوموں کی حمایت اور بیکسوں کی خدمت گزاری میں صرف کرتے ہیں اور اپنی ذات کو راحت دینے اور لذائذ سے لطف اندوز ہونے کو اپنا مدعا

نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں کا سالہا سال تک امتحان ہوتا ہے۔ مخاطر و مہالک میں ڈالے جاتے ہیں اور مصیبتوں پر مصیبتیں برداشت کرتے ہیں اور کسی حالت میں حق کی تلاش سے اور اس کی خوشنودی کی جستجو سے روگردان نہیں ہوتے تو اس بڑے انعام کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کے دل کو چشم بینا اور ان کی روح کو گوشِ شنوا عطا ہوتا ہے۔ ہر خشک و تر سے خدا کا کلام سُنتے اور ہر شجر و حجر میں اس کا جمال دیکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے کوہ و صحرا کی خاک چھانتے ہیں۔ ذاتِ ربانی کو بخل اُن سے بھی نہیں ہمکلامی کا شرف وہ بھی پا سکتے ہیں مگر پردہ کے پیچھے سے یعنی اگر طلبِ صادق ہو اور ظلم و بیجا ستانی سے مجتنب رہ کر انسان جائز طور پر اپنی ضرورتوں کے سرانجام میں مصروف رہے اور حق و ناحق کی تمیز میں سرِ مو کوتاہی نہ کرے تو جسمانیات میں مصروف رہنے کی وجہ سے ہر چند اس کی روح مجلّا اور روشن نہیں ہو سکتی مگر عقلِ سلیم زنگِ ہوس سے پاک ہو جاتی ہے اور اسے وہ فراست عطا ہوتی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (مومن کی فراست سے ڈرو۔ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ ایسے لوگ درختانِ سبز کے پتّوں سے معرفتِ کردگار کا دفتر مطالعہ کرتے ہیں اور ہر جاندار اور بے جان کے اندر اس کی قدرت و حکمت کا ثبوت دیکھتے ہیں۔ اس درجہ سے نیچے اُترنے والوں اور اپنی ہوس رانیوں میں مصروف رہ کر جائز و ناجائز کی قید سے آزاد رہنے والوں پر بھی خدا کی ہمکلامی کا دروازہ بند نہیں مگر اس کی شکل یہ ہے کہ وہ اپنے مقربانِ خاص کو وحی رسالت کے منصب پر سرفراز کرتا اور اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے اور اس کی وساطت سے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اور یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے عنوان سے اپنا کلامِ پاک ہر کس و ناکس تک پہنچاتا ہے اور ہر عالم و جاہل کو اپنی ہمکلامی کا اعزاز دیتا ہے۔ یہی قدرت کا قانون ہے اور یہی کلامِ الٰہی کا فیصلہ۔ ارشاد ہے:-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا	کسی انسان کا حق نہیں کہ اس سے خدا ہمکلام ہو مگر
اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ	وحی کی شکل میں یا پردہ کے پیچھے سے یا پیغامبر بھیج کر

رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ   جس پر خدا اپنی مرضی سے جو چاہے وحی کرتا ہے
عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ (پارہ ۲۵ شوریٰ ع ۵)   وہ بلند اور صاحب حکمت ہے +

محبوب ازل کو دیکھنے اور اس کا نشان ڈھونڈنے کا قانون یہ ہے۔ قانون کو توڑ کر اور سنت معینہ کے راہ سے الگ ہو کر دنیا کے کسی فن میں مہارت نہیں ہو سکتی اور غار میں گرنے والا پہاڑ کی چوٹی پر نہیں پہنچ سکتا تو پابندان ہوس مقدس بارگاہ ربانی میں کیونکر باریاب ہو سکتے ہیں +

مجھے ان رہ نوردان خارزار مادہ پرستی کی اس تلاش و تحقیق سے اطلاع ہوئی تو اُن کی لن ترانیوں پر تعجب کیا اور پھر جس جس پیرایہ میں اور جس جس علمی روشنی کے ساتھ وہ محبوب ازلی کی نسبت اور اُس کی خوشنودی و ناخوشنودی کے لوازم میں غور کرتے دکھائی دیئے اسی پیرایہ اور اسی روشنی کے ساتھ میں نے اُن کے پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تو الحمد للہ مجھے ہر کوشش میں کامیابی اور ہر مقصد تک رسائی ملی۔ میرے قلب نے اطمینان پایا اور جو تذبذب تمسخر اڑانے والوں نے پیدا کیا تھا دور ہوا +

کام طویل تھا جس میں میری عمر کا ایک حصہ صرف ہوا مگر خدا کا احسان ہے جو میرا مدعا تھا میرے ہاتھ سے جس طرح میں چاہتا تھا انجام کو پہنچا۔ میں نے عقائد، عبارات اور معاملات کے جس جس حصہ پر دعویداران دانش و بینش کی طرف سے اعتراض سنا اور اُس کی مدافعت کا تہیہ کیا ہے تو جن اصول و ضوابط کی بنا پر اعتراض کیا گیا ہے اُن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس عمل کے ساتھ جن علوم و فنون کا تعلق دیکھا ہے ان کی متعدد اور مبسوط تصنیفیں مطالعہ کی ہیں۔ دشواریوں کے اندر ماہرین فن سے مدد لی ہے اور مسلمان قوم کے تمام روشن اور تاریک پہلوؤں سے اطلاع پائی ہے تو اعتراض کی طرف دیکھا اور جواب تلاش کیا ہے۔ یہ تحقیق و تلاش عرصہ دراز تک جاری رہی ہے۔ پہلے توحید و رسالت، مبدأ و معاد اور جزا و سزا کے مسائل کو علوم جدیدہ کی روشنی میں دیکھا اور **دین و دانش** کے نام سے ایک تحریر شائع کی۔ پھر قومی ترقی اور تنزل کے قوانین اور ان سے اسلامیوں کے متاثر ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ تاریخی مواد جمع کیا

اور مسلمانوں کے عروج و زوال اور اُس کے اسباب و علامات پر دین و دولت کے نام سے دوسرا حصّہ تحریر کیا۔ یہ تیسرا حصّہ ہے جس میں اُن تعلّقات پر جو خدا میں اور بندہ میں یا بندہ میں اور مخلوق میں رونما ہوتے ہیں اپنے خیال کے مطابق روشنی ڈالی گئی ہے۔ مدعا اپنے قلب کو تسکین دینے اور آئندہ شکوک پیدا ہونے کے وقت مدافعت کا سامان مہیّا رکھنے سے ہے۔ جن لوگوں کی دماغی حالت اور تخیل کی رفتار میری حالت اور رفتار کے مطابق ہوگی ان میں سے بھی بعض کو ان تحریروں سے تسکین کا سامان میسّر آنا ممکن ہے۔ یہ فائدہ مرتب ہوا تو میری سعادت کا باعث اور نجات اخروی کا ذریعہ ہوگا اور کسی ایک فرد نے بھی میری تحریروں کو دیکھکر اپنے کسی طرزِ عمل میں کچھ تغیر پیدا کیا تو اپنی کوشش کو بارآور تصوّر کرونگا۔ نہیں تو میری مسرّت کے لئے یہ خیال کافی ہے کہ خدائے برتر نے توفیق دی اور جن حقائق پر میرا ایمان ہے ان کا ایک سلسلہ معرض تحریر میں آسکا اور میرے اطمینان قلب کا سامان اور میرے جیسے طالبانِ راہ کے لئے ضیافت طبع کا اہتمام ہوگیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ

محمود علی عفی اللہ عنہ

رندھیر کالج کپورتھلہ
۲۳؍ اگست ۱۹۳۳ء

اِنتساب

خندۂ گل دیکھنے کا شوق ہے   رونے والی بلبلوں کی بھی سنو
لہلہاتے پھول دیکھے ہیں بہت   آج پژمردہ گلوں کی بھی سنو

ایک زمانہ تھا جبکہ میں علمائے دہلی کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کرتا ہوا بیمار ہو کر اپنے مسقط الراس جالندھر میں آیا۔ مرض نے طول کھینچا اور ایسے اسباب جمع ہوگئے کہ طلب علم کا ارادہ فسخ کر دیا۔ کچھ تو اس لئے کہ بیماری نے دوران سر پیدا کر دیا تھا اور میں نے خیال قائم کر لیا تھا کہ دماغ کمزور ہے تعلیم کی محنت برداشت نہ ہوگی اور خاص وجہ یہ تھی کہ تاہّل کی زنجیر میں قید کر دیا گیا تھا۔ جوانی کا جنون تھا زنجیر سے انس ہو گیا اور دورانِ سر نے ظاہری بہانہ قائم رکھا۔ وقت محض بیکاری اور سستی میں گذرنے لگا۔ شدہ شدہ مختصر سی معاش کی صورت بھی پیدا ہو گئی جو اگرچہ دو کے لئے کافی نہ تھی مگر قدرت کے سامان عجیب ہیں۔ پہلے والد کا انتقال ہوا مصیبت بڑھ گئی۔ کچھ مدّت میں شریک حیات کی طلبی ہو گئی تنہا رہ گیا۔ زندگی سے بیزار ہوا تو زیست کو خوشگوار بنانے کی ہوس کیا رہتی۔ ایک جان کے لئے سبیل معاش کافی نظر آئی طبیعت تنہائی پسند پہلے سے تھی۔ کنجِ خلوت کا انیس نہ رہا۔ گوشۂ صحرا پسند آیا اور فرصت کا وقت ایسے ویرانوں میں بسر ہونے لگا جہاں کسی سے سلام و کلام کا موقع نہ ہو۔ یہ عادت ایسی راسخ ہوئی کہ اب تک نہیں چھوٹی۔ دوبارہ تاہّل ہوا بچّوں نے دل بھی بہلایا۔ مشغلے بھی کئی طرح کے پیدا ہو گئے۔ مگر ضرورت کے بغیر گھر میں یا صحبت میں مقید نہیں رہتا ہوں اور ویرانوں میں یکہ و تنہا پھرنے یا بیٹھنے کا موقع ملے تو خوش ہوتا ہوں اور دل سے کبابِ سوختہ کی جو خوشبو نکلتی ہے وہ اب بھی بیتاب کرنے کا اثر رکھتی ہے۔ خوشگوار زندگی آج تک نہیں دیکھی مگر دل میں اس کی بیجا ہوس بھی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ سب مشق چند روزہ کی مہارت ہے +

بالجملہ طلبائی زندگی چھوڑے ہوئے آٹھ سال گذرے تھے یعنے سنہ ۱۳۰۲ھ میں دہلی سے آیا اور سنہ ۱۳۱۱ھ کا واقعہ لکھتا ہوں کہ میں اپنی حالت پر قانع اور بغیر کسی نشیب و فراز کے زندگی بسر کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ میرے عزیز اور بزرگ میری حالت سے کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ ناگاہ میرے ایک بزرگ جن کا نام مولوی فتح الاسلام تھا دہلی سے تشریف لائے۔ یہ میرے والد کے خالہ زاد بھائی تھے۔ قدیمی اہل علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خود تعلیم یافتہ تھے اور رشتہ داری کے علاوہ اس خاندان سے میرے گھر والوں کو محبت کا خاص تعلق تھا۔ میں قیام دہلی کے اثنا میں ان ہی کے مکان پر رہا ہوں۔ ان کی والدہ محترمہ یعنے میرے والد کی خالہ مجھ پر مادرانہ شفقت مبذول فرماتی تھیں اور میری خورد و نوش کا خاص اہتمام کرتی تھیں مولوی فتح الاسلام کے برادر بزرگ مولوی بدر الاسلام اگرچہ میرے بزرگ تھے مگر دوستانہ برتاؤ رکھتے تھے اور اور خوردی و بزرگی کے رسمی تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے۔ مجھے ان بزرگوں کی خدمت میں گھر کے برابر راحت و مسرت حاصل تھی۔ مولوی فتح الاسلام محض تقاضائے محبت سے جالندھر تشریف لائے۔ دو دن قیام کیا اور تمام وقت مجھے ملامت کرنے میں صرف کیا کہ کمبخت کیا ہوا۔ پڑھا لکھا کیوں ڈبو دیا۔ آئندہ ترقی کیوں نہیں کرتا۔ میں دماغی کمزوری کا بہانہ کرتا تھا۔ بے مائگی کا عذر کرتا تھا۔ اور وطن میں کسی سامان کے نہ ہونے پر زور دیتا تھا۔ وہ ایک نہ سنتے تھے۔ میرے ہر حیلے کی تہ تک پہنچتے تھے اور فرماتے تھے کہ تو اپنی کوشش سے اپنا رستہ بنا سکتا ہے۔ میں کہتا تھا سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا گوارا نہیں وہ فرماتے تھے ہرنوں کی قطار سے ایک کا بچھڑنا مناسب نہیں۔ میں ہر بات پہ نہیں کہتا تھا اور بے دلیل کہتا تھا وہ ہر بات پر ہاں کہتے تھے اور ثبوت دیتے تھے۔ اس بحث و تکرار سے جب تک میرے اندر عزم راسخ پیدا نہیں ہوا آپ نے واپسی کا قصد نہیں کیا اور مخلصانہ نصیحتوں نے اثر دکھایا تو میں نے اپنے اندر سخت انقلاب پایا۔ کاہلی کی بجائے رگ و ریشہ میں چستی پیدا ہوئی اور جس کام کو دشوار سمجھتا تھا آسان نظر آیا۔ میرے عذر سب بیہودہ تھے مگر حافظہ کو سنجیدگی سے غور کرتا تھا جب بھی کمزور پاتا تھا اور

اور اپنے تئیں کسی امتحان کے لائق نہ سمجھتا تھا اور یہ بھی ڈرتا تھا کہ کچھ کیا اور کامیابی نہ ہوئی تو اور بھی بُرا۔ مگر عزم پیدا ہو چکا تھا۔ تنہائی کی عادت تھی جنگلوں میں پھرتے ہوئے حافظہ کو کام میں لانے لگا اور دو امتحانوں کی تیاری شروع کی (اُن دنوں میں مشرقی شاخ کے دو امتحان ایک سال میں بھی ہو سکتے تھے) اخفا ایسا رکھا کہ درخواست پر جس مجسٹریٹ سے دستخط کرائے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ حق تعالیٰ نے دونوں میں کامیابی عنایت کی اور گھر پر جو کچھ ملتا تھا اُس سے زیادہ وظیفہ دلوایا۔ لاہور میں پہنچا اور کالج میں داخل ہوا تو سادہ رخسار نوجوانوں کے پہلو میں ریش و بروت کی روسیاہی لیکر بیٹھنے پر وہ سب مسکرائے۔ اور دل نے کہا کہ بھلے مانس تو عمر میں ان سب سے بڑا ہے کام میں ان سے بہتر نہ نکلا تو مسکرانے کی بجائے ہنسی اُڑائینگے۔ ناصح مشفق نے ہرن سے تشبیہ دی ہے۔ اب چوکڑی بھرنے کا وقت ہے ہوشیار ہو جا۔ آنکھیں نیچی کیں کام سے کام رکھا چار سال یونہی گذار دئے۔ خدا نے بڑھاپے کی عزت رکھ لی۔ اور یہ جنگلوں میں پھرنے والا وحشی لاہور میں جا کر شہری بھی ایسا بنا کہ ہر ملت و مذہب کی قومی اور سیاسی جس کسی مجلس و صحبت کا اشتہار دیکھا کام چھوڑ کر بھی پہنچتا رہا اور ایک گوشہ میں جگہ لیکر ہر شخص کی بجا و بیجا تقریر سے لطف اُٹھاتا اور سبق* لیتا رہا۔ معلومات میں خاصہ اضافہ ہو گیا۔ حکام کی زبان میں

---

* میں نے دیکھا کہ اسلامی صحبتوں میں وقت کا قریباً نصف حصہ شعر خوانی میں صرف ہوتا ہے۔ مضمون کوئی ہو شعراء چاروطرف طلب تحسین میں نظر دوڑاتے ہیں اور اہل مجلس اُنہی طرف محاسن شعری کی تلاش میں دیکھتے ہیں۔ عمدہ اشعار پر انعام کی بارش بھی ہوتی ہے مگر شعر میں جو کام کی طرف متوجہ کرنے کا اثر مانا ہوا ہے کبھی نہیں دیکھا۔ نثر کے اندر جو تقریریں سُنتا رہا ہوں ان میں بھی تعلی اور خود نمائی کی کم یا زیادہ آمیزش ضرور پائی ہے۔ مخالفین کا ذکر ہو تو تمسخر اور دل آزاری سے اجتناب اور نص قرآنی کا اتباع اکثر نہیں کرتے۔ مہذب مؤثر اور دلکش تقریریں بھی سُنی ہیں مگر کم۔ سماجی مجلسوں میں کج بحثی دل آزاری اور خود ستائی کے سوا کچھ نہیں پایا۔ سناتنی اکثر و بیشتر مذمت میں مصروف پائے ہیں۔ بعض ودوان پنڈتوں سے الہیات کی موشگافیاں بھی سُنی ہیں مگر اسلامیوں کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو وہی سماجی جذبات کا ظہور دیکھا ہے۔ کلیسیائی صحبتوں میں بڑے بڑے ڈاکٹر آف ڈیوینٹی دیکھنے میں آئے۔ مگر کوئی پتہ کی بات سُننے کا اتفاق نہ ہوا۔ دلچسپ اور کار آمد مضامین سُننے اور سلامت روی دیکھنے کا موقع برہمو سماج کے جلسوں میں ملتا رہا ہے۔ خصوصاً ابتدا میں انکا برہمو کو پکار کر دعا مانگنے کا انداز بہت پیارا معلوم ہوا ہے۔ دیو سماج کی مجلس بھی دیکھی ہے مگر انکی تعداد کم تھی کوئی بولنے والا نظر نہ آیا۔ ان کے اصول بھی معلوم نہ ہو سکے +

جوشش ہے اُس نے آوارگی کے زمانے سے اپنی طرف مائل کیا ہوا تھا۔ وہاں جا کر محنت کرتا رہا۔ سمجھنے اور مطالعہ کرنے کی مہارت ہوگئی۔ گفتگو کرنے کی مشق کسی زبان میں نہ کی، کسی سوسائٹی میں شریک نہ ہوا +

یوں دوبارہ طلبائی زندگی ختم کی۔ کاروباری دنیا میں آیا تو لوگوں نے اچھی نظر سے دیکھا۔ صحبتوں میں بلانے لگے۔ کاروبار کی باتیں کرنے لگے۔ میں اپنی عادت سے مجبور تھا۔ کمتر شریک ہوا۔ اور بیشتر گوشہ میں رہا۔ مطالعہ کا شوق پیدا ہوگیا تھا۔ دماغ میں خیالات جمع ہوئے تو باہر نکلنے کا رستہ ڈھونڈنے لگے۔ قلم چلانے کی عادت پڑی کچھ نہ کچھ لکھتا رہا۔ یوں زندگی بسر ہوئی اور ختم ہونے کے قریب آگئی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میری جو زندگی آوارگی اور کاہلی میں خرچ ہوئی ہے اگر اسی کی رفتار جاری رہتی تو انجام کے لحاظ سے میرے لئے وہ بہتر ہوتی یا یہ۔ اِس قدر جانتا ہوں کہ اُس حالت میں مرتا تو اُس پودے کی مانند ہوتا جو جنگل میں اُگا کچھ عرصہ تک کسی کا احسان اُٹھانے کے بغیر ہوا اور پانی کا اثر لیتا رہا اور کسی پر سایہ کرنے اور کسی کو ثمر دینے کے بغیر سوکھ گیا۔ اس حالت میں جو لاہور سے لے کر آیا ہوں بعض مجھ سے ملے اور بعض سے میں ملا بعض نے میری زبان سے کچھ سُنا اور بعض نے میرے قلم سے کچھ دیکھا تعداد دونوں کی بہت نہیں مگر شمار کروں تو غالباً روشناس ہونے والوں کی نسبت میرے تحریر شناس زیادہ ہونگے۔ اس خیال سے تقاضائے بشریت دل کو خوش کرتا ہے مگر پشیمان بھی ہوتا ہوں کہ عمر تمام صرف کی اور جن سُروں کے اندر راگنی الاپتا رہا اہل ملک کو اُن سے تعلق نہیں۔ ہم قوم اکثر ان کا مذاق نہیں رکھتے تو اس حالت کو پہلی حالت سے بہتر کیا سمجھوں +

مگر کچھ بھی ہو میری دونو حالتیں ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں اور میری موجودہ حالت کو بنانے والے میرے عم بزرگوار مولوی فتح الاسلام دہلوی ہیں جن کی دل سوزی اور شفقت سے بھری ہوئی گفتگو نے میری کایا پلٹ دی اور ایک شکل سے دوسری شکل بدل دی۔ مگر آہ وہ ذات گرامی اپنی کوشش کا نتیجہ نہ دیکھ سکی

میں نے لاہور پہنچکر شکرگذاری کا عریضہ لکھا تو جواب اُنہوں نے اس حالت میں دیا ہے۔ کہ موت کے جنگل میں گرفتار تھے اور ان کی ضعیفہ والدہ اپنے ایک جوان بیٹے کی موت دیکھنے کے بعد دوسرے جوان بیٹے کی جان کنی دیکھ رہی تھیں۔ وہ سب پیوند خاک ہو چکے۔ آن مرحوم نے اولاد نرینہ بھی نہیں چھوڑی۔ ایک یتیم لڑکی تھی جو اپنے عم زاد سے منسوب ہوئی۔ اس نوجوان کا نام شمس الاسلام ہے۔ زن وشوہر دونو کو آب و دانہ کی کشش کہیں باہر لیگئی۔ اپنی اپنی گرفتاریوں میں خط و کتابت بھی نہ رہی معلوم نہیں اس شاخ سے اور کیا گل کھلے اور اُن جوانان رعنا کو جو عالم شباب میں حسرتوں کا شکار ہوئے یاد کرنے والے کون ہیں۔ یہ پا در رکاب بوڑھا اپنے عم بزرگوار کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ ان کی یاد میری جان کے ساتھ اور ان کی جوانمرگی کا صدمہ میرے سویدائے دل ہیں۔ اس تحریر کو آپ کے نام نامی سے معنوُن کرتا ہوں کہ جب تک یہ حروف باقی ہیں مولوی فتح الاسلام دہلوی کا نام گرامی زیب عنوان رہے اور اس خاکسار کے جذبات شکرگذاری کا اظہار کرے +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و آلہ

باب اوّل

انقلابِ حالات اور اصولِ کار

اعتراض اور جواب کے دو پہلو

کسی رواج کسی قانون یا کسی مذہبی حکم پر اعتراض وارد ہوتا ہے تو اس کے اندر ہمیشہ دو قسم کے دعووں پر اصرار کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ ایسا قاعدہ موجود ہے دوسرا یہ کہ اس قاعدے سے فلاں قباحت لازم آتی ہے۔ اور دوسری جانب اعتراض کا جواب دینے والے بھی دو رستوں میں سے ایک ضرور اختیار کرتے ہیں۔ یا یوں جواب دیتے ہیں کہ ایسا قاعدہ جس پر اعتراض وارد ہو سکے سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ قاعدہ موجود ہے مگر اس کے اندر جو قباحت فرض کی گئی ہے وہ موجود نہیں ہے۔

ایک پہلو پر انحصار

مذہبِ اسلام پر جو اعتراض دیگر اہلِ مذاہب کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں علمائے ملت کی جانب سے اُن کے جواب میں بھی یہی دونو صورتیں اختیار کی جاتی رہی ہیں بعض اوقات اعتراض کی بنیاد کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات بنیاد کو مانکر ثابت کیا جاتا ہے کہ اس پر اعتراض وارد کرنا غلط ہے۔

مگر زمانہ حال میں ملت حنیفیہ پر جو اعتراض بیگانگان دین و مذہب کی طرف سے علوم جدیدہ کی روشنی میں وارد کئے جانے لگے ہیں اُن سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے جواب دینے والے بالعموم جواب کی صرف ایک روش پر انحصار کرنے لگے ہیں اور جن قباحتوں کے چہرہ پر موجودہ مسلّمات کا روغن قاز مل دیا جاتا ہے ان کو قباحت سمجھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھتے اور جس حملہ کے ساتھ فلسفہ و سائنس کا نقارہ بجتا ہوا سُن پاتے ہیں اپنے ہوش و حواس کو اُس کے مقابلہ میں قائم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے اور ایک مجرم کی طرح اپنی بریت کی یہی صورت دیکھتے ہیں کہ اپنے فعل کو دلیری کے ساتھ حق بجانب ثابت کرنے کی بجائے ہاتھ جوڑ کر اس کے ارتکاب سے انکار کریں اور مذہب کی حمایت میں صرف یہ کہہ کر دامن چھڑائیں کہ جس مسئلہ پر اعتراض ہے وہ اسلامی اصول میں داخل نہیں مثلاً فریضہ جہاد پر اعتراض کیا جاتا ہے اور مذہبی ردوکد کے اندر تلوار اٹھانے کو مذموم کہا جاتا ہے تو جہاد کی ضرورت اور تلوار اُٹھانے کے موقعوں کا حسن و قبح دیکھنے اور دکھانے کی بجائے فوراً یہ آسان جواب دیدیا جاتا ہے کہ اسلام میں جہاد کا حکم ہی نہیں وہ ایک وقتی ضرورت تھی جس کے لئے موقت حکم نازل ہوا اور منسوخ ہو چکا یا اضطراری مدافعت تھی جس طرح مار کی شدت سے تنگ آ کر کبھی کبھی بیل بھی سر جھکا کر سینگ ہلا دیتا ہے۔ اسطرح غلامی*۔ تعدد ازدواج اور کئی طرح کے اور مسائل پر اعتراض وارد ہوتے ہیں تو اکثر جواب دینے والے یہی پیش پا اُفتادہ رستہ اختیار کرتے ہیں کہ "ہمارے اسلام کو ان مسائل سے سروکار نہیں اسلام کے ماننے والوں نے بعض غلط خیالات اور اعمال کو اپنے مسلک میں داخل کر لیا ہے جس کا الزام اُن پر ہے ہمارے اسلام پر نہیں" +

انحصار کی ہر دلعزیزی

ایسے اعتراضوں کے ایسے جواب آجکل فیشن میں داخل ہو گئے ہیں اور جواب دینے والے گویا یقین کر لیتے ہیں کہ تہذیب جدید جس امر پر قبیح ہونے کا فتویٰ صادر کرتی ہے اُس میں کوئی حُسن باقی نہ رہا ہو گا۔

---

*جہاد کے بارہ میں بہترین کتاب "اسلام کا قانون جنگ" نام سے جمعیۃ العلمائے ہند نے دہلی سے شائع کی ہے اور خاکسار نے بھی "دین و دولت" نام ایک تحریر میں جہاد و غلامی پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تعدد ازدواج اور ربوا پر اس تحریر میں روشنی ڈالی جائیگی +

ان کا بس چلتا ہے تو قرآن اور حدیث پر۔ ان دونو سے جس طرح بن پڑتا ہے رہائی پانے کی سبیل نکال لیتے ہیں۔ اپنے ذاتی خیالات کو اسلام اور ایسے اسلام کو سب اعتراضوں سے پاک تصوّر کر لیتے ہیں ❖

تبدیلِ روش کی ضرورت

یہ طرزِ عمل آجکل عام ہو رہا ہے اور اسی کا تماشہ نظر آتا ہے اس سب سے بڑے اعتراض ہیں جو خاص فلسفہ و سائنس کی بارگاہ سے اسلام پر وارد کیا جاتا ہے کہ اسلام کے اندر زمانے کی رفتار کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے اور انقلاب حالات سے جو جدید ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے اقوام عالم کو اپنی طرز و روش میں تغیر و تبدل کرنا پڑتا ہے اسلام ایسے انقلابوں کے اندر اپنی روش کو بدل کر دوسری روش پر چلنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کے ماننے والے اپنے حالات کے اندر کوئی اصلاح و ترمیم نہیں کر سکتے اور کسی تہذیب جدید کا ساتھ نہیں دے سکتے ❖

جواب دینے والوں کی بےبسی

یہ اعتراض فرضی نہیں ہے۔ واقع میں دنیا کا اہل علم طبقہ اسلام کو دیکھتا ہے اور اُس کے روحانی انوار و برکات سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا تو اُس کی نظر ضرور ہی اپنی مادی ضرورتوں کی طرف جاتی ہے۔ روحانی تعلیم دور کی ضرورتوں کو یاد دلاتی ہے۔ اور اس زندگی سے پرے کسی اور زندگی میں کارآمد ہونے کا وعدہ کرتی ہے۔ دنیا والوں کو سرِدست اپنی موجودہ ضرورتوں میں انہماک ہے اور اُن کے واسطے نت نئے جتن کرنے پڑتے ہیں اور جس طرح کے فعل کو وہ اپنی کسی ضرورت کیلئے مناسب سمجھتے ہیں اس پر کاربند ہونے کے لئے آجکل ایمان اور بے ایمانی یا حق و باطل کو تمیز کرنے کی کوئی لگام اُن کے منہ میں نہیں ہے۔ اِس لئے وہ اگر سوال کرتے ہیں کہ اسلام کو ماننے کے بعد ہماری ان ضرورتوں کے واسطے کیا انتظام ہوگا تو وہ بیشک ایسا سوال کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کوتاہی ہوتی ہے تو ان سے جو اس اعتراض کا جواب دینے اُٹھتے ہیں تو ان کو تہذیب جدید کے کسی انقلاب میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی اور مذہب کے اندر ایسی وسیع النظری کو معدوم پاتے ہیں تو

دانت کچکچاتے ہیں۔ مذہب کے ماننے والوں پر اور کہتے ہیں کہ:-

“اسلام کے علمبرداروں نے ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں جن سے رہا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسلام کو ایسی تنگ نظری سے سروکار نہ ہونا چاہیئے اور غالباً نہ ہوگا۔ تنگ نظر مسلمانوں کی بجائے روشن خیال نوجوان میدان میں آئینگے اور اسلام کے چہرہ پر سے تمام نقابیں اُتار پھینکینگے تو معلوم ہوگا کہ حقیقی اسلام جو آج پس پردہ مستور ہے بے حجاب ہو کر نور پھیلانے اور دنیا کے لئے ہر قسم کی ترقی اور تہذیب کا رستہ روشن کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے” +

ضرورتوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت

میں ان الفاظ میں پنجاب کے ایک بہت بڑے مدبر مسلمان کی تحریر کا مفہوم ادا کرتا ہوں۔ وہ اپنی بے بسی سے لاچار ہیں۔ ان تمام رستوں کیلئے جو آجکل کے آزاد خیالوں کو ہر چہار طرف دوڑنے کیلئے مطلوب ہیں اسلام کی طرف سے کوئی اذن عام دکھا نہیں سکتے۔ دل سے چاہتے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ اُٹھے اور نیک و بد میں تمیز کرنے کی جو پابندی اسلام عائد کرتا ہے اس کو دور پھینک دے اور ہر قسم کے سیاہ و سفید کا اختیار عوام الناس کے ہاتھ میں دیکر اسلام کے مقبول عام ہونے کی صورت پیدا کر دے۔ میں اُن کے ایمانی جذبہ کی قدر کرتا ہوں اور اسلام کو ہر دلعزیز بنانے کی جس قدر آرزو اُن کے قلب میں ہے اُس کی تعریف کرنے سے باز نہیں رہ سکتا مگر افسوس کرتا ہوں کہ اس اعتراض کو دیکھنے کے بعد ان کے دل میں یہ تمنا کیوں نہ پیدا ہوئی کہ زمانہ کی اُن ضرورتوں اور سوسائٹی کی اُن خواہشوں کو بنظر تعمق دیکھا جائے جن کو پورا کرنے اور بروئے کار لانے کے وقت اسلام کو سدِ راہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور غور کیا جائے کہ ان تمام تمناؤں کے اندر جو انسان نئے سے نئی شکل کے ساتھ اپنے دل میں پیدا کئے جاتا ہے اُس کی واقعی ضرورتیں اور تقاضائے فطرت سے ظہور پکڑنے والی خواہشیں کس قدر ہیں اور اُن کے بارہ میں اسلام کی طرف سے کیا جواب ملنے کی توقع ہے اور مفروضہ ضرورتیں اور شوخی طبع سے پیدا ہونے والی خواہشیں کس قدر ہیں جن کو من مانی آزادی کے ساتھ بروئے کار لانے میں اسلام مزاحمت کرتا ہے اور حق بجانب ہے +

خواہشوں کا حسن و قبح

نوع انسانی جو ترقی آئندہ زمانے میں کرنے والی ہے اور اس ترقی کے ساتھ جو ضرورتیں اور خواہشیں موجود ہوں گی یا پیدا کی جائینگی ان کی نسبت تمام تر فیصلے ابھی تک تاریکی میں مستور ہیں مگر جیسی کچھ ترقی اسوقت تک ہو چکی ہے اور جیسی کچھ ضرورتیں اور خواہشیں اس وقت قلوب مطمئنہ کو بے قرار کئے ہوئے ہیں اُن سب پر نظر دوڑانا اور اُن کے حسن و قبح کا اندازہ کرنا چنداں دشوار نہیں۔ کیوں نہ ان سب کو تجربہ اور تقسیم کے عمل سے کریدا جائے اور کیوں نہ اعتراض سے پہلے اندازہ لگایا جائے کہ ہمارا واجبی استحقاق کس قدر ہے جس کے حاکم مجاز سے درخواست کرنے پر کامیابی کی توقع قائم کر سکتے ہیں اور کس قدر بیجا ستانی کا جذبہ ہے جس سے ہمیں خود ہی محترز رہنا چاہیئے۔ اِس کے بعد یہ مرحلہ طے کرنا ہوگا کہ وہ کونسا حاکم عادل ہے جو ہمارے استحقاق سے اغماض کرنا نہیں چاہتا اور ہماری جائز خواہشوں کو رد کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ مگر ہم کو ہماری بے راہ روی سے روکنے کی بھی پوری قوت رکھتا ہے تاکہ ہم اس کی اطاعت کا آویزہ کانوں میں ڈالیں اور اُس کے قوانین کی پابندی سے سعادت حاصل کریں +

ترقی کی نوعیت اور رفتار

ترقی انسانی طرز زیست کے تمام شعبوں کے اندر بہت بڑی کمیت اور کیفیت میں ہوئی ہے اور ہو رہی ہے زندگی بسر کرنے کا سامان۔ لوازم زیست کو مہیا کرنے کا سامان نقل و حرکت کا سامان صحت کو قائم رکھنے اور واپس لانے کا سامان۔ دشمن کو فنا کرنے اور اُس پر غالب آنے کا سامان ملکی انتظام اور امن کو قائم رکھنے کا سامان تفریح طبع کا سامان۔ ذہنی نشو و نما اور علم و ہنر میں مہارت پیدا کرنے کا سامان۔ تازہ دریافت اور تحقیق کرنیکا سامان اور ان سب سامانوں کو استعمال کرنے کے طریقے روز نئے سے نئے پیدا ہوتے ہیں اور اگرچہ وہ تخم ہزاروں برس پہلے کا ہے جس سے ہر گونہ ترقی کے یہ تناور درخت پیدا ہو کر آج آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ جو ترقی زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کا آخری پیغام پہنچنے کے بعد ہوئی ہے۔ وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ اور اس ہزار بارہ سو سال کے اندر اندر قرطبہ و بغداد سے چل کر اور یورپ کی راہ

لیکن ترقی نے اپنی رفتار میں جس قدر تیزی دکھائی ہے ازمنہ بعیدہ میں اس کی مثال نہیں ملتی +

علم وتہذیب کا مفہوم

بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ آج علم اور تہذیب کا مفہوم ہی بدل گیا ہی قدیم زمانے میں علم کا لفظ اُن تصورات اور تصدیقات پہ اطلاق کیا جاتا تھا جو مخلوق اور خالق کے مابین رابطۂ اتحاد قائم کرنے میں مدد دیں یا بالفاظ دیگر انسان کی روحانی ترقی میں معاون ہوں اور تہذیب سے ان تعلقات کی درستی مراد لی جاتی تھی جو انسان اپنے بنی نوع اور دیگر مخلوقات کے ساتھ رکھتا ہے یعنی تہذیب بھی اُسی روحانی ترقی کی ایک شاخ کا نام تھا۔ اس کے علاوہ تمام مادی ضرورتوں کا سرانجام اور اُس کے طور وطریق فن کے نام سے پکارے جاتے تھے اور اُنکی مہارت پیدا کرنے والوں کو اہل علم میں شمار نہ کیا جاتا تھا۔ مگر آج جسمانی زندگی کے ہر گونہ مادی سامان کو لوازم تہذیب سمجھا گیا ہے ان کے مہیا کرنے کے طریقے علم کہلاتے ہیں اور انکو استعمال کرنے کا نام تہذیب ہے +

مدعائے امروزہ

اور سب سے بڑی ضرورت بلکہ زندگی کا واحد مقصد آجکل یہی قرار پا گیا ہے کہ انسانی زندگی کی ہر ساعت اور ہر ثانیہ کے اندر تمامتر توجہ اسی مادی سامان کو مہیا کرنے اس کو کام میں لانے اور اس کے نتائج سے لطف اُٹھانے پر مبذول ہے اور موجودہ زندگی کے بعد کا کوئی خیال اور اس کے لئے کسی عمل وکسب کا کوئی ارادہ اور اس دنیا سے باہر کی کسی ہستی کے ساتھ تعلق رکھنے کا وہم بھی دل میں نہ آنے پائے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیوی راحت کی تمنا چھوڑ کر اور زندگی قائم رکھنے کے خیال سے آزاد ہو کر تحقیق وتفتیش اور ایجاد واختراع کی دشوار منزلوں کو طے کرنا غلط ہے اور اپنی تمام کوششونکا محور اسی دنیا کو اور یہاں کی چند روزہ زندگی کو سمجھنا صحیح اصول کار ہے بیشک علوم وفنون کی اشاعت اُن کے نزدیک بہت ضروری ہی اور تمام رموز ونکات سے پبلک کو آگاہ کرنے کا اہتمام نہایت تندہی سے کرتے ہیں مگر اس عمل کے اندر جو جدید صنعت دریافت ہو جو تازہ تصنیف قلم سے نکلے اس کے مادی فوائد کو

اپنی ذات خاص تک محدود رکھنا چاہتے ہیں اور حق ایجاد و حق تصنیف کو قانونی شکنجہ میں کس کر کسی اور کو اُس سے منفعت اُٹھانے کا موقع نہیں دیتے خود تکلیفیں اُٹھا کر اوروں کیلئے راحت کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر بغیر قیمت ادا کرنے کے کسی کو اس سے تمتع حاصل کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ اور قیمت بھی مال کی لاگت پر نہیں، ایجاد و تصنیف کی دماغی کاوش پر، جو روحانی مسرت کا معاوضہ قدرت عطا فرماتی ہے اس کے علاوہ ہیں اور زرین عوضانہ کا بار بھی گاہکوں پر ڈال کر قیمت کو حد مناسب سے بہت بڑھا دیتے ہیں ؞

زمانۂ قدیم کا خیال

یہ تمام جذبات جو آج مہذب دنیا پر حکومت کر رہے ہیں سراسر مختلف ہیں اُن خیالات سے جو مذہبی فضا میں پرورش پانے والوں کے اندر موجود تھے۔ وہ لوگ اسلام کو مانتے ہوں یا کسی اور مذہب کو دنیوی زندگی کے علاوہ ایک اور زندگی پر اور دنیوی حکومتوں کے علاوہ ایک اور حاکم علی الاطلاق پر بھی کامل یقین رکھتے تھے اور ہر کام کے اندر جو دنیوی اغراض کو پورا کرنے کیلئے کرتے تھے یہ دیکھنے کی ضرورت سمجھتے تھے کہ موجودہ غرض میں مفید ہونے کے علاوہ اخروی اغراض کے لئے بھی مناسب ہے یا نہیں۔ ایسے تمام کاموں کو دوگونہ اغراض کے مطابق رکھنے کے ساتھ اس کی بھی ضرورت سمجھتے تھے کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ محض اُخروی اغراض کو بروے کار لانے اور احکم الحاکمین کی خوشنودی حاصل کرنے میں بھی صرف کریں۔ اس طرز عمل سے اُن کے ہر کام میں وہ جذبہ عمل کرتا ہوا نظر آتا تھا جس کو خوف خدا کہتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ حاجتمندوں کی شدید ضرورتوں کو دیکھکر ان کے دل تڑپ اُٹھتے تھے اور جو کام وہ اُجرت لیکر کرنے کی عادت رکھتے تھے اس میں بھی ناداروں کیلئے اُجرت معاف کر دیتے تھے یا معمول سے کمتر وصول کرتے تھے ؞

دیدۂ دوربین

قدرت ناداروں اور اپاہجوں کو بالکل ضائع کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس لئے یہ کام اب بھی ہوتے ہیں اور رفاہ عام کے کارخانے بڑے بڑے پیمانوں پر کھلے رہتے ہیں۔ مگر کچھ تو مذہبی جذبہ کا بقیہ اثر اکثر طبائع پر اب تک غالب ہے اور ایسے کام کرنے کی ترغیب دئے جاتا ہے۔ اور زیادہ یہ وجہ ہے کہ اب شعور تیز ہو گیا ہے

اور اپنے آئندہ آنے والے نقصان بھی عقلمندوں کو نظر آنے لگے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر سوسائٹی میں ناداروں اور مصیبت زدوں کی کثرت ہوگی تو اسی نسبت سے سوسائٹی کی قدر اور قوت کم ہوتی جائیگی اور جو لوگ قدرت اور قوت رکھتے ہونگے اپنی سوسائٹی کے ساتھ دنیا کی نظر میں وہ بھی ذلیل ہو جائینگے اور جو فوائد اپنے غلبہ اور قدرت کی شہرت سے تمام اکناف عالم میں اب حاصل کرتے ہیں ان سے محروم رہینگے اس لئے وہ ضرورت سمجھتے ہیں کہ اپنی قوت سے اپنی سوسائٹی کو سہارا دئے جائیں اور اپنی استطاعت اور فیاضی کا دعوے تمام دنیا سے منواتے رہیں اور سب کو اپنے ہر گونہ فضائل کا کمال دکھا کر اپنی خواہش کے مطابق کام لیتے رہیں +

سب یہیں کے واسطے

غرض خدمت عوام الناس کی ہو یا اپنی ذات خاص کی موجودہ تہذیب نے کیا سب کچھ یہیں کے واسطے ہی اور وہانکے واسطے کرنیکا کوئی کام اسکے پروگرام میں داخل نہیں۔ یہ مانا کہ ابھی تک مہذب دنیا کے تمام افراد اپنی تازہ روش پر پورے طور سے گامزن نہیں ہوئے اور اُن میں سے بہت اللہ کے بندے اس وقت تک خدا۔ مذہب اور دار آخرت وغیرہ اصطلاحوں سے آشنا ہیں اور اُنکے لئے کسی نہ کسی حد تک کشش اور خواہش اپنے دل میں موجود پاتے ہیں مگر اس تہذیب کی رفتار ضرور مادیت اور دہریت کی جانب ہے اور روحانیت کی گرفت روز بروز کم سے کمتر ہوتی جاتی ہی حتی کہ دہریت کا اثر خاص خاص افراد اور شخصی رائے سے گذر کر اقوام اور حکومتوں کے نظام تک سرایت کر گیا ہی اور آئے دن سننے میں آتا ہی کہ فلاں قوم نے مجلس شوریٰ کے اندر دیانتداری کا حلف کرنیکے وقت خدا کا نام لینا ممنوع قرار دیا ہی اور وہ لوگ ایسے موقع پر خدا کی بجائے اپنی عزت کی قسم کھاتے ہیں۔ یا فلاں قوم نے اپنے ملک کو مذہبی رہنماؤں سے خالی کرنیکا تہیہ کر لیا ہی اور مقتدایان مذہب کو جلاوطن یا قید کیا جانے لگا ہی اور خانقاہوں اور عبادتخانوں کی قفل بندی ہونے لگی ہی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسی خبریں من وعن صحیح ہیں یا انکے دشمنوں نے کسی غرض سے مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا ہے پھر بھی ایسی خبروں کا مشہور ہونا ثابت کرتا ہے کہ قیود مذہب سے آزاد ہونے کا جذبہ موجود ہے جس سے مخالفونکو اس قدر مبالغہ کرنے کا موقع ملنے لگا ہے +

ALIGARH

باب دویم

ستم آرائیاں

انکار وجود باری

اچھا تو اگر یہی رفتار جاری رہی اور اب یا کسی اور وقت میں کسی ملک کی پارلیمنٹ میں کثرت اُن لوگوں کی ہوگئی جو کہتے ہوں کہ ہمکو محض دنیوی مفاد سے غرض ہے اور چونکہ خدا کا اعتقاد اور آخرت کے عذاب و ثواب کا خرخشہ انسان کو دنیوی مقاصد میں آزادی کے ساتھ منہمک رہنے سے مانع ہوتا ہے اس لئے ہمیں ایسے عقائد کو حکماً روکنے اور لوگونکو مذہبی اوہام و خیالات سے باز رکھنے کی ضرورت ہے تو کیا اسلام زمانے کی ایسی ضرورت کی حوصلہ افزائی کرسکیگا ؟ اور خدا کے اعتقاد کو طبیعت میں سے نکال پھینکنے کا فتویٰ دینے کو تیار ہوگا ؟ پرانے خیال والونکا اسلام نہ سہی آئندہ نسلوں کے روشن خیال نوجوان" اسلام کے چہرہ پر سے تمام نقابیں اُتارنے کے بعد کیا کوئی ایسی برقی روشنی پھیلا سکینگے جس کے آگے خدا کا نور ماند پڑجائے اور الوہیت باری کا انکار کرنے کے بعد بھی اسلام کی تائید حاصل رہے ؟

اسلام کا جواب

اگر ایسا نہیں ہوسکتا اور یقیناً کسی تہذیب جدید کی معجز نمائی اور کسی روشن خیال نوجوان کی زور آزمائی اور کسی جوان ہمت قوم کی خیال آرائی سے قانون فطرت کو اُلٹنے اور نور کو تاریکی سے بدلنے کی اجازت نہیں مل سکتی تو ماننا پڑتا ہے کہ اسلام تہذیب کی اس رفتار کا معاون نہ ہوسکیگا اور اگر کسی گورنمنٹ یا سوسائٹی کا مذہب اسلام ہو تو اُس کے اندر ایسے ایسے قوانین جاری نہ ہوسکینگے دنیا کے دیگر مذاہب حالات کی ایسی نزاکت پر خون کے سے گھونٹ پی کر چپ ہورہیں تو ہورہیں اسلام کیلئے ضرور آزاد خیالی کی کسی نہ کسی حد پر پہنچکر انسانی ضرورتوں اور خواہشوں کو روکنا فرض ہوجائیگا +

محاذ جنگ کی ہلاکت آفرینی

یہ اعتقاد کا معاملہ تھا۔ اب عمل کی دنیا میں آؤ اور دیکھو کہ آجکل کی مہذب حکومتوں میں باوجود امن پسندی کے بڑے بڑے دعووں کے انسانی ہستیوں کو تباہ کرنے کا سامان زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے اور خون آشامی کا جذبہ یہاں تک ترقی کر گیا ہے کہ دشمن کے نہ صرف ان افراد کو جو تیغ بکف ہو کر اُن کے سامنے صف آرا ہوں فنا کرنا فرض قرار پایا ہے۔ بلکہ دیکھنے اور قصوروار اور بے قصور میں تمیز کرنے کے بغیر توپ کا مُنہ کھولا جاتا ہے تو ساٹھ میل پرے کی شہری آبادی کو بلا امتیاز زن و مرد بھونکر رکھ دیا جاتا ہے۔ زہریلی گیس چھوڑی جاتی ہے تو شہر کے تمام جانداروں کا سانس بند کر کے مار دیا جاتا ہے۔ ہوائی جہاز سے بم پھینکا جاتا ہے۔ تو معصوم بچوں اور بے قصور عورتوں کو گھروں کے اندر بیٹھے ہوئے موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے تو کیا گمان ہو سکتا ہے کہ مذہب کے دربار سے ایسی ایسی ہلاکت آفرینیوں کی اجازت ملجائیگی اور روشن خیال مفتی اس طرح کی شیطانی ایجادوں کے جواز کا فتویٰ صادر کر دینگے؟ اور اسلام کے چہرہ پر سے موجودہ نقابیں اُتاری جائینگی تو قرآن کے اندر سے قصوروار اور بے قصور سب کی جان لینے کا حکمنامہ دریافت ہو جائے گا؟ نہیں۔ اگر کوئی قوم سچے دل سے مسلمان ہے تو اسے قرآن کریم میں سے ایسی اندھی بے دردی کی اجازت نہیں مل سکتی وہ ظالموں کے خلاف نبرد آزما ہونگے تو جوانمردوں کی طرح برابر والوں کا سینہ بسینہ مقابلہ کرینگے۔ توپ و تفنگ اور ہوائی جہازوں سے صرف میدانِ جنگ میں کام لیں گے اور اُس وقت کام لینگے جبکہ دشمن بھی اسی قسم کے سامان سے مسلح ہو۔ اگر کوئی سامنے نہ آئیگا اور ساٹھ میل پرے سے گولے برسانے لگیگا یا زہریلی گیس چھوڑیگا تو گھروں کے اندر مظلوموں کی موت مرنا گوارا کرینگے اور جو زندہ رہینگے وہ دشمن کی تلاش میں نکلینگے مگر دشمن کی امن پسند آبادی پر بم برسا کر دنیا کو بے چراغ کرنے کا الزام سر پر نہ لینگے۔

سپہ کاریوں کا اہتمام

اس ہلاکت آفرینی کا شوق جس قدر مہذب اقوام میں ترقی کر گیا ہے اس کے اثر سے جنگ آور افراد کی ناز برداری بھی ایک قومی ضرورت سمجھی جاتی ہے اور جنگ آورانہ کاروبار کی مشق و عمل کے بعد مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ

اندرونی حالات کے اندر اُنہیں اپنی آزادی کو ناجائز حد تک پہنچانے کی اجازت دیدیجائے اور صرف اجازت پر انحصار نہ رکھا جائے بلکہ انکی نفسانی خواہشونکو پورا کرنیکا سامان گورنمنٹ اپنے اہتمام سے مہیا کرے۔ چنانچہ چھاؤنیوں میں شرابخانوں قمارخانوں اور عصمت فروشی کے کارخانوں کا سرانجام سرکاری انتظام سے کیا جاتا ہے اور اس سررشتہ کے مہتمم خوبصورت اور دلفریب عورتوں کو ڈھونڈ کر لاتے اور عصمت فروشی کے لئے چھاؤنیوں میں بساتے ہیں +

ہوس رانیوں کی اجازت

بلکہ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی نسبت موجودہ تہذیب یہاں تک فیاض واقع ہوئی ہے کہ اکثر ممالک میں یہ آواز بلند ہونے لگی ہے کہ زناشوئی کے تعلقات اور ایک مرد اور عورت کو ہمیشہ کے لئے باہمدگر پابند کر دینے کی رسم انسانی آزادی کے خلاف اور نہایت ناگوار قید ہے۔ جانوروں میں صرف پرندے ایک نر و مادہ کا جوڑہ بنا کر رہتے ہیں۔ چوپائے اور درندے اس قید سے آزاد ہیں اور ایک جنس کے تمام نر و مادہ باہمدگر ہوس رانی کر سکتے ہیں۔ اسیطرح عورت مرد بھی باہمی تعلقات میں آزاد ہونے چاہئیں اور ہر مرد اور عورت جس کے ساتھ اور جبتک چاہے اس تعلق کو قائم رکھنے میں مختار ہو اور جب چاہے علیحدہ ہو کر کسی اور سے رسم پیدا کرلے۔ آئندہ نسل کو پرورش کرنے کا بار جو آجتک والدین پر ہے گورنمنٹ برداشت کرے۔ والدین اولاد کی تربیت اور تعلیم پر جو کچھ صرف کرتے ہیں وہ بطور ٹیکس کے گورنمنٹ کو دیں اور بچے پیدا ہوتے ہی سرکاری دایہ خانوں میں پہنچا دئے جائیں وہاں پرورش پاکر وہ قوم کے بچے تصور ہوں کسی باپ کے بیٹے نہ سمجھے جائیں +

قطع نسل کی کوشش

یہ تمنا اگرچہ ابھی تک دنیا کے کسی ملک میں قوت سے فعل تک نہیں پہنچی مگر دلوں کو گدگدا رہی ہے اور نفسانی جذبات کو پوری آزادی کے ساتھ تسکین دینے کی خواہش اس تمنا کی شکل میں دل سے زبان تک آرہی ہے اور چونکہ ابھی دنیا کی اکثریت اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئی اس لئے جدت پسند طبیعتوں نے جو اولاد کی پیدائش کو اپنی دائمی کامرانیوں میں ہارج سمجھتی ہیں طرح طرح کی تدبیریں

اور کئی قسم کی صنعتیں ایجاد کر لی ہیں جن سے اولاد کی پیدائش میں مزاحمت ہو اور بغیر تکلیف اور مرض کے زن و مرد عیش پرستیوں کیلئے شب و روز تیار رہ سکیں ۔

ہوس پرستیوں کا انجام

اس قدر کامیابی کے بعد اگر قدم آگے بڑھا تو قیاس کہتا ہے کہ وہ وقت انسانی زندگی کے خاتمہ کا ہوگا کیونکہ یہ نفسانی جذبہ جس شدت کے ساتھ انسان کے اندر رکھا گیا ہے اسی قدر اس کو پورا کرنے میں صحت کے بگڑنے کا اندیشہ ہے اور اس کی روک تھام کی صورت آج تک یہی رہی ہے کہ سوسائٹی اور سرکاری قانون اور مذہب نے اس کو آزادی کے ساتھ عمل میں لانے کی اجازت نہیں دی اور جو لوگ ناجائز طور پر اس کا ارتکاب کرتے ہیں وہ بھی کئی طرح کے مالی صرف سے سوسائٹی کے اندر بدنام ہونے کے خوف سے قانونی گرفت سے اور بسا اوقات مار پیٹ اور جان جانے کے اندیشہ سے ڈر کر خواہش کو پورا کرنے کے موقعے جس قدر چاہتے ہیں پا نہیں سکتے اور زن و شوہر کو باہمد گر اگرچہ آزادی ہوتی ہے مگر ہمیشہ کیلئے ساتھ رہنے کی وجہ سے انکا جوش محبت اور جذبہ شوق ہر وقت برسر کار نہیں رہتا کبھی کاروباری ضرورتیں کبھی پرورش اولاد کی مصروفیتیں کبھی باہمی رنجش و ملال خواہش کو پورا کرنے میں مزاحم ہوتا ہے ۔ اور یہی سارے سامان ہیں جو مل جل کر صحت کو قائم رکھنے میں معاون ہوتے ہیں ۔ ورنہ اگر کبھی یہ بندشیں اٹھا دی گئیں اور عیش پرستی کا کام معمولی خرید و فروخت جیسا سمجھا گیا تو اس کی جو کثرت ہوگی اس کا نتیجہ خیال میں آسانی سے آ سکتا ہے مگر عمل میں سخت دشواریاں پیدا کریگا ۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ انسانی عمر کے بچپن ۔ جوانی اور بڑھاپے تین زمانوں میں سے صرف دو رہ جائینگے ۔ اور نوجوانوں کو بچپن کے بعد فوراً بڑھاپے سے دوچار ہونا پڑیگا اور جوانی جو اس وقت بھی خواب کی طرح گذر جاتی ہے ان دونوں خواب میں بھی نظر نہ آئیگی اور

جوانی شد و زندگانی نماند

مذہبی فتوے

ہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ ترقیاں کیا کچھ ہونگی اور عیاشی کی کیسی کیسی بے ضرر ترکیبیں ایجاد ہو جائینگی مگر کچھ بھی ہو یہ باواز دہل کہہ سکتے ہیں کہ اسلام ایسی ترقی کو ہرگز گوارا نہ کریگا ۔ اس وقت تک خدانخواستہ اسلام ہی نہ رہے تو اور بات ہے

لیکن اگر اسکی زندگی بھی رہی تو ائمہ دین کے ڈالے ہوئے پردے ایک طرف جسد اسلام کا پوست گوشت بلکہ ہڈی تک کاٹکر مغز نکال لیں جب بھی زناکاری شرابخواری - اور قماربازی کا اہتمام کرنیکی اجازت اسلام کے اندر نظر نہ آئیگی۔ اور جس قوم کے دل میں ایمان ہوگا اسکی حکومت میں سرکاری دایہ خانوں کا فنڈ ایک طرف چھاؤنیوں کے اندر بھی بتان رعنا کی بود و باش کا امکان نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک عورت کو شوہر کے فراق میں جو کسی مہم پر گیا ہوا تھا دردناک اشعار پڑھتے سُنا تو اس کی گفتگو سے اندازہ لگاکر حکم دیدیا کہ چھ ماہ سے زیادہ کوئی سپاہی اپنی ڈیوٹی پر گھر سے باہر نہ رہے۔ اب اگر ایسی صورت پیش آئے تو حالات موجودہ کے مطابق چھ ماہ یا اس سے کم یا زیادہ میعاد مقرر ہوسکتی ہے مگر اسلام میں ہرگز اس امر کی اجازت نہیں مل سکتی کہ چھاؤنیوں کیلئے زنان بازاری کا انتظام کیا جائے اور انکی عورتوں کو بیکسی میں تڑپنے یا عصمت دری پر آمادہ ہونیکے لئے چھوڑ دیا جائے ؞

کشور کشائی

ازمنہ ماضیہ کی کشورستانی اور ملک ستانی کو آجکل خونخواری بربریت اور ظلم سمجھا جاتا ہے اور واقع میں تسخیر ممالک اور انتظام بلاد کے نام سے بڑی بڑی سفاکیاں اور خونریزیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس زمانے کے جبر و استبداد پر کوئی پردہ ڈالا نہیں جاسکتا۔ صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جو جنگ مظلوموں کی طرف سے یا مظلوموں کی حمایت میں یا قوم کو ضرر اور نقصان سے بچانے کے لئے ہوتی رہی ہے اور شرائط عدل و انصاف کے مطابق ہوئی ہے وہ جائز تھی اور جب کبھی رعایا کو امن اور آرام پہنچایا گیا ہے اس وقت کا انتظام اچھا تھا باقی سب کچھ ظلم تھا۔ مگر قدیم تہذیب کی ایک خصوصیت عام تھی کہ اس زمانے میں جو کچھ ہوا ہے ڈنکے کی چوٹ کیا گیا ہے۔ ملک پر چڑھائی کی ہے تو اِس لئے کہ پہلے مالک کے قبضہ سے نکالکر خود تصرف کرنا چاہتے ہیں اور رعایا کو لوٹا گیا ہے تو اس لئے کہ مال و زر لینے کی خواہش ہے۔ زور ہے تو میدان میں آؤ اور مقابلہ کرلو۔ وہ لوگ ان افعال کو کسی حیلہ اور تدبیر سے حق اور بجا ثابت کرنے کا دردِ سر مول نہ لیتے تھے۔ مگر زمانہ بدلا اور ہر کام کیلئے آئین و قواعد مرتب ہوئے صلح و جنگ اور قتل و غارت کے لئے بھی قانون بنائے گئے اور تہذیب جدید کے علمبرداروں نے خشکی اور تری کے تمام

آباد اور آبادی کے لائق خطوں پر اپنا پھریرا اُڑایا۔ ملک گیری کے وہ عالیشان کارنامے جن سے دنیا کے بڑے بڑے براعظم تہذیب جدید کے تصرّف میں آگئے ہیں اب انکا مدعا پورا ہو چکا بھوکے بھیڑئے اپنے مارے ہوئے شکار کے کسی حصہ پر آپس میں ٹکرا جائیں تو اور بات ہے ورنہ شکار کا مقابلہ شکاری سے اور تہذیب قدیم کا مقابلہ تہذیب جدید سے مدت ہوئی فریق ثانی کی کامیابی پر ختم ہو گیا اور ایک نے دوسرے کیلئے جگہ خالی کر دی +

فریب اور جبر

مگر زمانے کو اس وقت سے لیکر آج تک کی سب کرتوتیں معلوم ہیں ہزاروں میل رقبہ کے بڑے بڑے خطے جاہل اقوام کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے قبضے میں تھے۔ ادھر تہذیب پیدا ہوئی چھوٹے چھوٹے خطوں کے اندر جو بسنے کے لائق زمین نہ رکھتے تھے۔ قدرت کی تقسیم ہے اس نے ان لوگوں کو زمین کی بجائے عقل دے دی۔ ہمت بخشدی چنانچہ اُٹھے اور بڑی تیاری سے اُٹھے۔ پہلے جغرافیائی سوسائٹیاں بنائیں ان کی مہمیں روانہ ہوئیں کہ آنے جانیکا رستہ بنائیں وہ بہت سے تحفے اور کئی کئی صناعی کے نمونے لیکر پہنچے اور جہاں گئے وہاں کے رئیسوں کو سبز باغ دکھائے کہ ہمارا بادشاہ سب دنیا سے بڑا ہے وہ دنیا والوں کو اپنی اولاد سمجھتا ہے اور ان کی تنگ حالی اور تکلیف کو دور کرنے کیلئے بے قرار ہے۔ تم اپنے ملک کی سیر کرادو اور رستے دکھادو۔ پھر مال متاع کے جہاز بھر بھر کر تمہارے لئے بھیجے جائینگے اور تم عیش کروگے۔ یہ کام کرنے کے بعد ساحلوں پر کوٹھیاں بنتی ہیں۔ تجارتی مال آنے لگتا ہے۔ کوٹھیوں کی حفاظت کے بہانے سے فوجی چھاؤنیاں ڈالی جاتی ہیں۔ زراعت کو ترقی دینے کے نام سے زمینیں ٹھیکہ پر لی جاتی ہیں۔ جس رئیس کو ذرا اکڑتا دیکھتے ہیں اس کے دشمنوں کو اُبھار کر خود معاون بنجاتے ہیں اور باہم لڑا دیتے ہیں مغلوب کے ملک پر سزا کی شکل میں قبضہ کرتے ہیں غالب کے علاقے سے انعام کے نام پر حصہ لیتے ہیں اور جہاں تک قبضہ جماتے جاتے ہیں معاہدہ میں کیسی کبھی شرط ہو واپس کرنے کا نام نہیں لیتے۔ ملکی باشندے اگر وحشی ہوں تو ان سے وہ سلوک کیا جاتا ہے جو شکاری کتے لومڑیوں اور خرگوشوں سے کرتے ہیں۔ زرخیز علاقہ ہو تو کوشش ہوتی ہے کہ مالکوں کی نسل تباہ کر دی جائے۔ اس غرض کیلئے چشموں میں زہر ڈالکر پینے والونکو مارنے

کی روایتیں بھی موجود ہیں۔ ریگستانی صحرا ہو تو وہاں کے باشندوں کو زبردستی پکڑ کر زرخیز علاقوں میں لے آتے ہیں اور اُن سے غلاموں کی طرح بلکہ جانوروں کی طرح علاقہ آباد کرنے کا کام لیتے ہیں +

سیاسی چالیں

اب یہ سب مرحلے طے ہو چکے ہیں۔ ذکر اس وقت کا ہے جب کہ افریقا اور امریکا دونو براعظم وحشی باشندوں سے آباد تھے تہذیب جدید کی برکت سے وہ سب مر کھپ چکے ہیں یا غلامی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جو ممالک ذرا مہذب ہیں ان پر قبضہ جمانے کا گُر یہ ہے کہ تجارت یا مذہبی تبلیغ کے نام سے ڈیرا جمایا جاتا ہے اور وہاں کے ہر گونہ انتظام کو ناقص کہکر اپنے آدمیوں کیلئے حفاظتی چوکیاں ہسپتال۔ مدرسے ڈاکخانے اور سب طرح شاہانہ سامان مہیا کر لئے جاتے ہیں کبھی اپنے کسی آدمی کے خون بہا میں کبھی کسی نقصان کے معاوضہ میں کبھی کسی ملکی جھگڑے کے اندر ثالث بالخیر یا مظلوم کا حامی بننے کے معاوضہ میں سفارتی دباؤ ڈالا جانے لگتا ہے۔ فوج کشی ہونے لگتی ہے اور اس تمام سعی و کوشش کا ثمرہ بڑے بڑے علاقوں کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے۔ آگے ہاتھ بڑھانے کیلئے زمینیں مکفول رکھکر اور بعض آمدنی کے ذرائع پر قابض ہو کر گرانبار قرضے دئے جاتے ہیں۔ اندرونی ریشہ دوانیوں سے ملکی انتظام کو بگاڑا جاتا ہے اور خود ہی مشفق استاد بنکر انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد وارثوں کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکتے اور خود مختار مالک بن بیٹھتے ہیں +

مفروضہ ضرورتیں

ملک پر قبضہ جمانے کی صرف یہی تدبیر نہیں جو سالہا سال کی ریشہ دوانیوں سے پروان چڑھتی ہے بلکہ اس تہذیب نے زور والوں کو اور بھی کئی بہانوں سے چند روز کے اندر کسی ملک کا حقدار مالک بننے کے گر سکھا دئے ہیں۔ کسی ملک پر قبضہ ہے اور اس کا رستہ بہت لمبا ہے تو رستہ کی حفاظت کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے کوئی پہاڑ ہے جس پر جہازوں میں کوئلہ بھرنے کے لئے سٹیشن بنانے کی ضرورت ہے۔ کوئی نہر ہے جس کو صاف اور کارآمد رکھنے کی ضرورت ہے۔ کوئی جگہ ہے جہاں چھاؤنی ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ بحری ڈاکوؤں سے یا کسی غیر حکومت کی دست برد سے محفوظ رہیں۔ ان سب ضرورتوں کے

لئے اُن تمام ممالک پر قبضہ کر لینے کا حق ہے جو رستہ کے دونو طرف واقع ہوں خوشی سے دیدیں تو اچھا نہیں فوج کشی کیلئے یہ وجوہات کافی ہیں +

امن و آسائش

ملک گیری کے بعد ملک رانی کو دیکھو تو عقل دنگ رہ جاتی ہے ملک کیسا ہی اُجاڑ ہو کچھ عرصے میں باغ بہشت کا نمونہ بنجاتا ہے ہر طرف سبزہ و گل کا ہجوم ہوتا ہے۔ پھلوں سے لدے ہوئے باغ اور غلّہ سے بھرے ہوئے کھیت ہر طرف نظر آنے لگتے ہیں۔ سڑکیں پختہ ہو جاتی ہیں۔ ریلیں دوڑنے لگتی ہیں نہریں بہنے لگتی ہیں۔ رہزنی اور ڈکیتی کا نشان نہیں رہتا۔ امن و آسائش کا دَور دَورہ ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کی جان اور مال کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا یہ سب تہذیب جدید کی برکات ہیں جن کے شکر سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں +

تاجرانہ چال

مگر آہ! یہیں تک ہوتا تو اور کیا چاہیے تھا قباحت یہ ہے کہ تہذیب جدید تجارت پیشہ ہے بعض مہذب قومیں ملک گیری کی ہوس سے خالی بھی ہیں اور نوآبادیاں بنالے کی پالیسی نہیں رکھتیں مگر اپنی تجارت اور صناعی کو فروغ دینے کی ہوس سے خالی ایک بھی نہیں۔ جو غیر ممالک پر قابض ہیں اور جو نہیں ہیں تجارتی اغراض ہیں اگرچہ رقابتیں رکھتے ہیں مگر غیروں کے مقابلے میں سب متحد ہو جاتے ہیں اور دنیا میں اپنا مال کھپانے کیلئے باہم معاہدے کر لیتے ہیں سب اپنا مال لاتے ہیں اور ملکی پیداوار لیجانا چاہتے ہیں کیونکہ خام اجناس کی سخت ضرورت رکھتے ہیں وہ خریدتے ہیں تو دام کھرے دیتے ہیں اور اتنا کچھ دیتے ہیں کہ بیچنے والے اپنا مال دَوڑ دَوڑ کر پیش کرتے ہیں اور اس قدر بیچتے ہیں کہ اپنے کھانے اور پہننے کو بھی نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ خام اجناس کا گراں ہو جانا اور غریبوں کا بھوکے اور ننگے رہنا بھی تہذیب جدید کا کارنامہ ہے۔ زمینداروں کیلئے البتہ اس تہذیب کو ابر رحمت کہنا

+ اب دو چار سال کے اندر اور انقلاب ہوا ہے۔ اور مہذب ممالک نے خام اجناس اپنے ملک میں پیدا کرنے کے قاعدے معلوم کر لئے ہیں اس انقلاب نے سر دست تمام دنیا کو متحیر کر دیا ہے غیر ممالک کا غلہ گراں قیمت پر فروخت نہیں ہوتا وہ پہلے سے زیادہ غریب ہو گئے ہیں یورپ کا مال جس قدر پہلے باہر جاتا تھا اس قدر کھپتا نہیں دونو طرف مشکلیں پیدا ہو رہی ہیں۔ یہ اونٹ دیکھئے کس کروٹ بیٹھتا ہے +

چاہیے تھا کہ پیداوار کی منہ مانگی قیمت لینے لگے ہیں لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ مالیہ کے اوپر مختلف ابواب کا اضافہ، مقدمات کے اندر ہر دعوے پر رسوم اور ہر سوال پر سٹیمپ کا خرخشہ اہلکاران مال کی مہمان نوازی، عملہ عدالت کی ناز برداری۔ وکلا کا خرچہ اور ایک عدالت کے اندر کامیابی اور ایک میں ناکامی کا چکر یہ بھی تہذیب جدید کے تحائف ہیں جو زمیندار کے تمام منفعت کو ہضم کرتے اور ان کو زیادہ سے زیادہ قرض میں مبتلا کرتے چلے جاتے ہیں اس تاجرانہ دور کی دوسری بلا یہ ہے کہ ملکی صنعتوں پر وبال آجاتا ہے۔ اب دنیا کی کوئی صنعت نہیں جس پر تہذیب جدید کا قبضہ نہ ہو۔ مگر پہلے یہ کیفیت نہ تھی اور بہت صنعتیں دیگر ممالک سے مخصوص تھیں۔ اس زمانے میں اہل تہذیب نے جب کسی ملک پر تصرف کیا ہے اور اس کی صنعت کو اپنی دسترس سے باہر دیکھا ہے تو پہلے اس کو دوسرے ممالک میں لے جانے کے ٹھیکہ دار بنے ہیں اور کاریگروں کو بڑی بڑی رقمیں پیشگی دے کر مال نہایت ارزاں قیمت پر لینا کر لیا ہے اور مال لینے کی میعاد ایسی مختصر رکھی ہے کہ وہ وقت پر مال دے نہ سکیں میعاد گذرنے پر اپنی رقم کا سود لگایا ہے اور مال زیادہ وصول کیا ہے۔ اس طرح کاریگروں کی منفعت کو بہت گھٹا دیا ہے اور بیرونی تجارت کا جس قدر فائدہ ملک والے اٹھاتے تھے اس سے انہیں محروم کر دیا ہے اور ادھر اسی قسم کا مال اپنے ملک میں پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ جب وہی مال اپنے گھر میں تیار ہونے لگا ہے تو خواہ وہ مقابلہ میں کیسا ہی ناقص ہو ملکی صنعت کی سرپرستی سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اور جس قدر منڈیوں پر اپنا قبضہ ہے وہاں غیروں کے مال پر اس قدر محصول لگا دیا ہے کہ وہ گراں ہو کر فروخت ہونے کے لائق نہیں رہا اور اپنے مال کو تمام مشکلوں سے آزاد رکھ کر ایسا ارزاں کر دیا ہے کہ باوجود ناقص ہونے کے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتا ہے اس ترتیب سے تہذیب جدید نے ممالک مقبوضہ کی بلکہ تمام دنیا کی صنعتوں کو تباہ کر دیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب غیروں کی صنعتیں کہیں ہیں تو برائے نام ہیں۔ ورنہ بننے بنانے کا نام جس چیز پر آسکتا ہے وہ بحیثیت مجموعی مہذب قوموں کے قبضہ میں ہے۔

تعلیم کی برکت اور نحوست

نور علم کو پھیلانا ملک رانی کے فرائض میں داخل ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تہذیب جدید کا قدم گیا ہے چپہ چپہ پر پڑھے اور

چھوٹے مدرسے پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہر طرف فلسفہ وسائنس کے چرچے سنے جاتے ہیں مگر کیسا فلسفہ وسائنس جو زمین کے نیچے سے آسمان کی بلندی تک قدرت کے رازوں سے آگاہ کر دیتا ہے۔ لیکن نہ اطوار میں پختگی پیدا کرتا ہے نہ روزی کمانے کے طریقوں سے آشنا کرتا ہے علم حاصل کرنے والے تہذیب کی نقل آتارنے میں مشاق ہوتے ہیں۔ اپنی رفتار وگفتار کو اہل تہذیب کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں۔ شان اور دبدبہ ظاہر کرنے کے لئے ہر قسم کے مصارف کو برداشت کرتے ہیں اور اپنے گردوپیش اہل تہذیب کا سامان آرائش مہیا کرنے پر فریفتہ ہوتے ہیں اپنی قدیم سادگی سے بیزار ہو جلتے ہیں۔ اس لئے کہ تعلیم نے اُن کو آشنا ہی تکلفات سے کیا ہے مگر جو اوصاف تہذیب والے رکھتے ہیں ان سے بیگانہ ہوتے ہیں نہ ان کی طرح نفع اور نقصان میں تمیز رکھتے ہیں نہ ان کی طرح نفع کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں نہ ان کی طرح وقت کو مفید کاموں میں خرچ کرنے کا وصف رکھتے ہیں غرض اہل تہذیب کے ہر کمال سے ایسے خالی ہوتے ہیں گویا تہذیب کی روشنی سے بالکل محروم ہیں +

حصول علم کا نتیجہ

تعلیم حاصل کرلے کے زمانے میں محنت ایسی کرنی پڑتی ہے کہ جسم کے کونے کونے میں کئی طرح کے مرض پیدا ہو جاتے ہیں۔ معدہ اُن کا ناکارہ ہو جاتا ہے۔ دماغ اُن کا تخیل اور استدلال میں کام نہیں دیتا آنکھیں اُن کی کمزور اور اعضائے تنفس ان کے ضعیف ہو جاتے ہیں حتےٰ کہ جو لوگ عالمانہ کامیابی میں نام ونمود پیدا کرتے ہیں اکثر امراض کا شکار ہو کر زندگی کے لطف سے محروم رہتے ہیں یا جوانی میں موت سے دوچار ہوتے ہیں۔ کہنے کو مدارس میں جسمانی ورزش کا بھی خاص اہتمام ہوتا ہے مگر تعلیم کی رفتار ایسی ہے کہ جو لوگ جسمانی ورزش کی طرف متوجہ ہوتے ہیں علمی کامیابی کمتر حاصل کرتے ہیں اور جو علمی شغل کو ضرورت کے مطابق جاری رکھتے ہیں وہ جسمانی ورزش کی فرصت نہیں پاتے اتنی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کے بعد اور فیشن کے اس قدر مصارف کے بار سے چور ہونے کے بعد ان میں قابلیت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کہیں کسی قسم کی خدمت مل جائے تو چند گھنٹے کرسی

پر بیٹھ کر دفتری کام کریں۔ رہیں زندگی کی ضرورتیں ان میں سوئی سلائی بنانے یا کوئی تجارتی کام چلانے کی کسی ترکیب سے آشنا نہیں ہوتے اور سرکاری نوکری کے سوا کسی طرح پیٹ نہیں بھر سکتے۔ مہذب فرمانرواؤں کو اپنی شاہانہ اغراض کیلئے سستے غلاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملک میں ملکی صنعت وحرفت نابود کر دی جاتی ہے سب بیروزگار ہو کر خدمتگاری کی تلاش کرنے لگتے ہیں۔ ادھر علم پھیلانے کے نام سے ان کو نوشت وخواند کا کام سکھا دیا جاتا ہے اور جس قدر ضرورت ہوتی ہے اس پر سرفراز ہونے کے لئے ایک کی جگہ بیس آمادہ ہوتے ہیں چیز کی کثرت ہو تو نرخ کا ارزان ہونا ضرور ہے۔ چند پیسوں پر رات دن مرنے کھپنے والے ملتے رہتے ہیں باقی قسمت کو روتے ہیں دربدر پھرتے ہیں مگر کام کوئی نظر آتا نہیں اور کام کرنے کی سکت باقی نہیں اپنی اولاد کو بھی ان ہی خدمتگاری کی مشینوں یعنے تعلیم جدید کے مدرسوں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں بیکاروں کو گورنمنٹ کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ اہل حکومت کسی کا بھوکا رہنا گوارا نہیں کرتے اور اہل ملک بھوکے رہیں تو گورنمنٹ کا ناک میں دم کر دیتے ہیں غیروں پر حکومت ہو تو کس کا دل تڑپے اور کون کسی پر ناز کرے ❊

فیضان علم کی دورنگی

غرض تہذیب جدید نے دنیا پر قبضہ جما کر اور ممالک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیکر دعوے کیا تھا کہ خدا کی زمین کو سنوارینگے اور خدا کی مخلوق کو سدھارینگے۔ زمین کو سنوارنے کا کام بیشک دیکھا کہ اُن کے برابر کوئی نہیں کر سکتا لیکن خلق خدا کو سدھارنے کے کام میں یہ لوگ ایسے اناڑی نکلے کہ جن ملکوں میں بیٹھ کر سو سو برس تک اُستادی کے فرائض ادا کرتے رہے ہیں وہاں کے لوگوں کا پہلے کی نسبت زیادہ ہوشیار اور کارکن ہو جانا ایک طرف۔ وہ سب پہلے کی نسبت زیادہ بیکار اور زیادہ اپاہج ہو گئے جو کام پہلے کرتے تھے نہ وہ کام رہے ہیں نہ ان کے کرنے کی طاقت اور جو نئے کام اب نکلے ہیں وہ نئے اُستاد سکھا نہیں سکتے۔ بلکہ حیرت ہے کہ جن ملکوں نے اپنے اُستادوں کو گھر پر بلانے کی تکلیف نہیں دی اور خود چل کر انکی خدمت میں پہنچے ہیں وہ تھوڑے سے عرصہ میں سب کام سیکھ اُستادوں کے برابر ہو گئے اور قابلیت

میں مقابلہ کرنے لگے مگر جہاں اُستادوں نے آکر خود ڈیرے ڈالے ہیں وہاں تعلیم ہوہی ہو بہت بڑے اور ابھی کچھ نہیں بنا۔ جا کر سیکھنے والے پیچھے گئے تھے پہلے کامیاب ہوئے بلا کر سیکھنے والے پہلے چلے اور پچھلوں سے پیچھے رہ گئے *

دورنگی کی وجہ

اس تفاوت کی وجہ یہ ہے کہ تہذیب جدید نے اپنے علمبرداروں کو عیار بنا دیا ہے۔ وہ ملک کو تسخیر کرنے کے بعد امن قائم کرتے ہیں کہ زمین آباد ہو۔ اور زمین آباد کرتے ہیں کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں اور آمدنی فوج پر خرچ کریں۔ اور فوج رکھتے ہیں کہ شہنشاہی اغراض کو پورا کریں۔ اتنا کام پہلے بادشاہ بھی کرتے تھے۔ ان میں کمال یہ ہے کہ تجارت پیشہ ہیں اپنا مال کھپانا چاہتے ہیں اور ملک کے اندرونی اور بیرونی کاموں میں اپنے آدمیوں کی پرورش کرنی چاہتے ہیں۔ اب اگر ملکی آمدنی اہل ملک کی فلاح پر خرچ کریں اور اُن کو زندگی بسر کرنیکے تمام وسائل سے بہرہ ور کریں تو اپنی ضرورتوں میں اُنکا دست نگر کوئی نہ رہے اور اُن کی تجارت تباہ ہو جائے۔ انتظامی کاروبار اہل ملک سنبھال لیں تو ان کے آدمی کھپ نہ سکیں۔ اُن کی مصلحت اسی میں ہے کہ یہ لوگ اپنے گھر کا پرانا سامان کھو بیٹھیں۔ تازہ سامان خود نہ تیار کر سکیں نہ جدید انتظام میں دخیل ہو سکیں چاہے کیسی غریبانہ حالت میں رہیں۔ برتنے کی سب چیزیں باہر سے منگوانے پر مجبور ہوں۔ بلکہ نئی تہذیب کی شان اور اس کے ساز و سامان کو دیکھیں تو ضرورت سے زیادہ منگوائیں اُن کی شاہنشاہی بھی قائم رہے ان کی تجارت بھی سرسبز ہو *

اسلامی فیصلہ

پس کیا فرماتے ہیں بحث طرازان تہذیب جدید اور نقاب کشایان چہرۂ اسلام! آیا اسلام کو ان سب تدابیر پر جو پالیٹکس اور ڈپلومیسی کے نام سے برئے کار لائی جاتی ہیں جواز کا فتوے دیدینا چاہیئے؟ ملکوں پر قبضہ کرنے کے لئے وحشی انسانوں کی نسل مٹانے یا اُن کو غلامی کی زنجیر میں جکڑنے کیلئے۔ ہوشیاروں اور باکاروں کو بے وقوف اور ناکارہ بنانے کیلئے تدبیر ملکی کے نام سے جس قدر جھوٹ فریب اور چالبازیوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ملک پر تصرف کرنے کے بعد رعایا کو بے دست و پا کرنے کیلئے اُن کی صنعتوں کو مٹانے کی اور خدمتگاری کے سوا اور کاموں سے ناآشنا رکھنے کی جو نئی نئی تدبیریں ایجاد ہوتی رہتی ہیں کیا صداقت کی پابندی کرنے والا اور ضعیفوں کی حق رسی پر زور دینے والا

دنیا کا کوئی مذہب ان افعال کو جائز کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو تہذیب جدید کے تمام خط و خال پر قربان ہونے کیلئے اسلام کو آمادہ کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور اس کے چہرہ پر سے نقاب اُتار کر اُس کی آنکھ میں کونسا سرمہ بھرا جا سکتا ہے کہ وہ تہذیب جدید کی ہر ادا پر فریفتہ ہو +

باب سوم

معذرت ہائے بیجا

مجبوری گذشتہ باب میں ان بڑی بڑی ہوس رانیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو تہذیب کی ترقی ضروری قرار دیتی ہے۔ اور اسلام کی طرف سے ان کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اب چند حالات ایسے سامنے آتے ہیں جن کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے مگر قباحت سے وہ بھی خالی نہیں ہیں۔ ہم غور کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا پردہ نشین اسلام بے نقاب ہو کر اُنکی نسبت کیا فتویٰ دیگا۔ پچھلے دنوں انگلستان کی ایک نامور ہستی کی طرف یہ فقرہ منسوب کیا گیا تھا کہ اسلام نے پنجوقتہ نماز کی پابندی ان لوگوں کیلئے موزون ہو سکتی ہے جو فرصت رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کاروباری لوگ ہیں۔ ان کے لئے برابر پانچ دفعہ نماز کا وقت نکالنا دشوار ہے۔ نیز شراب کی ممانعت پر گرم ملکوں والے پابند ہو سکتے ہیں۔ ہم لوگ اس سردی کے اندر شراب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسی ہی ایک آواز عرصہ ہوا ہندوستان کے ایک معزز مسلمان کی زبان سے بلند ہوئی تھی کہ کم از کم مغرب کی نماز اسلامی شریعت میں سے منسوخ کر دینی چاہئے کہ وہ کلب میں بیڈمنٹن کھیلنے کا وقت ہے یا باغ کے اندر دوستوں کے ساتھ چہل قدمی کرنے کا وقت ہے۔ ہمارے ہندوستانی جنٹلمین کے دلچسپ ریمارک پر صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ بہتر حضور! پہلے آپ مغرب کے علاوہ اور نمازوں کی پابندی التزام کے ساتھ شروع

کردیں جب اتنی مشق ہو جائیگی تو اس مضمون پر گفتگو کرلینگے۔ البتہ انگلستانی مدبر کا پہلا دعوے غور طلب ہے۔

نماز کی حقیقت اور ہماری محرومی

مگر افسوس یہ ہے کہ شراب تو خیر۔ نماز کے بارہ میں مسلمانوں کی روش بھی بہت قابل اصلاح ہے بیشک مسلمان جس قدر نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے پیرو اپنے فریضہ عبادت کو اس کثرت اور اس پابندی سے بجا نہیں لاتے۔ مگر خدا جانے کیوں؟ مسلمانوں کے طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ وقت مقررہ پر قبلہ رُو کھڑے ہونا کافی سمجھتے ہیں اور غالباً یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس عمل کے بعد ان سے اور کسی عمل بد کی باز پُرس نہ ہوگی۔ یہ بدگمانی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ اکثر نماز پڑھنے والے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے کام کی طرف واپس آتے ہیں تو اگرچہ بعض اوقات ان کی زبان سبحان اللہ اور الحمدللہ کے کلمات سے ترنم ریز ہوتی ہے۔ مگر اسی وظیفہ خوانی کے اندر اپنے کاروبار کی بات کرنے لگتے ہیں تو صریح جھوٹ بول دیتے ہیں۔ گاہک کے سامنے قسم کھا کر اپنی چیز کی قیمت اصل سے زیادہ ظاہر کرتے ہیں۔ زمینداری کے پیشہ میں جھوٹے مقدمات اور جھوٹی شہادت میں دلیر ہوتے ہیں۔ محنتی مزدور ہوں تو نماز کے بہانے سے کام میں سستی کرنے کی عادت رکھتے ہیں۔ مقتدا اور رہنما فتنہ پردازیوں اور فریب کاریوں میں بیباک ہوتے ہیں۔ قرضخواہ تقاضا کرتا ہے تو جھوٹے وعدہ کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ ایفائے وعدہ کے وقت کو غلط بہانوں سے ٹالتے رہتے ہیں۔ کسی پر غصہ آئے تو غلط الزام دینے سے باز نہیں رہتے۔ گالیاں بکنے سے پرہیز نہیں کرتے ساتھ ہی بات کرنے میں وقفہ ہوتا ہے تو الحمدللہ کا وظیفہ بھی جاری رکھتے ہیں۔ نام و نمود کے وقت فیاض ہوتے ہیں مستحق خیرات سے منہ پھیر لیتے ہیں تکلیف کے وقت صبر کرنے سے کسی کے قصور کو انتقام کے بغیر معاف کرنے سے نعمت پر شکر کرنے سے اور خدا کی دی ہوئی ثروت اور ہمت کو اس کی خوشنودی میں صرف کرنے سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اگرچہ خدا کے پاک بندوں سے کوئی طبقہ خالی نہیں مگر عام حالت یہی ہے۔ نماز کا خاصہ بتایا گیا ہے۔ کہ بیحیائی و گناہ سے روکتی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (پارہ ۲۱ عنکبوت ع ۵)

مگر ہمارے اکثر نمازی ان معائب سے آلودہ نظر آتے ہیں۔ نماز کے ساتھ جن فضائل عالیہ کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے وہ آیت ذیل میں مفصل بیان ہوئے ہیں۔ ان کی طرف کسیکو توجہ نہیں ہوتی۔ قرآن میں ارشاد ہے:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ
الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝
پارہ ۲ بقرہ ع ۲۲ ◆

یہ نیکی نہیں ہے کہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرلو۔ بلکہ نیک وہ لوگ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں قیامت کی جزا و سزا پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتوں اور پیغمبروں کو مانتے ہیں اور اپنا مال باوجود اپنی ضرورت کے رشتہ داروں کو یتیموں کو غریبوں کو مسافروں کو سوالیونکو دیتے ہیں غلاموں کی آزادی میں خرچ کرتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں۔ زکواۃ دیتے ہیں۔ معاہدہ کریں تو پورا کرتے ہیں اندیشہ کے وقت اور تکلیف کے وقت صبر کرتے ہیں اور جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے نیک اور یہی لوگ خدا سے ڈرنے والے ہیں ◆

پارسائی کا معیار خدا کے نزدیک یہ ہے اور ہم صرف نماز پر انحصار کرتے ہیں اِس میں بھی حضور قلب اور تضرع کا نشان نہیں ملتا صرف قبلہ رو کھڑے ہو جاتے ہیں اور باقی تمام فرائض سے جو آیت مذکورہ میں بیان ہوئے ہیں بے پروا رہتے ہیں۔ حالانکہ جو فرائض دیگر بندگان خدا کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں انکا معاملہ نماز سے زیادہ نازک ہے۔ نماز میں کوتاہی ہو تو عذاب ہوگا مگر حق تعالیٰ رحم کرے تو معافی کی بھی امید ہے لیکن اگر ہم نے کسی کو رنج پہنچایا کسی جاندار کو بیوجہ ستایا کسی سے بیجا ستانی کی یا کسی کا حق دبایا تو جب تک مستغیث معاف نہ کرے ہم عذاب سے بری نہیں ہو سکتے اور اس کا حق ادا کرنے کے بغیر رہائی نہیں پا سکتے۔ یا ہماری نیکیوں کا ثواب اسے دینگے یا اس کے گناہونکا عذاب ہم پر ڈالینگے۔ ہماری نماز صحیح معنوں میں نماز ہوتی اور تمام احکام ربانی پر عمل کرتے تو اس حالت کے نتائج ہی اعتراض کرنے والوں کو خاموش کر سکتے تھے

اب خود ہمارے وجود ان جواہر گرانمایہ کے زیور سے عاری ہیں تو مخالف کو انکی آب وتاب کیا دکھا سکتے ہیں۔ ہم باوجود نماز کی ظاہری پابندی کرنے کے اپنے قصور کے معترف اور اپنی بیراہ روی سے شرمندہ ہیں اور جو لوگ نماز کی فرضیت سے انکار کرتے ہیں انکے سامنے دلیر ہوکر جواب نہیں دے سکتے۔ مگر خیال انکا بھی چونکہ حد اعتدال سے متجاوز ہے اور غلط ہے ان کی خدمت میں بھی کچھ گذارش کرنے کی ضرورت ہے۔

عدیم الفرصتی کی وجہ

انکا شراب پر اس قدر اصرار محض عادت پر منحصر ہے۔ سرد ملک دنیا میں اور بھی ہیں جہاں مسلمان بستے ہیں اور شراب کے بغیر زندگی بسر کرتے ہیں۔ انگلستان والے کچھ بھی اہل علم ہیں چاہیں اور توجہ کریں تو شراب کا نعم البدل ایجاد کر سکتے ہیں جس میں خباثت نہ ہو اور جسم کو گرم اور زکام کو دور کرنے کا اثر دے۔ مگر فرصت کا سوال ضرور پیچیدہ ہے۔ نماز کی پابندی بڑی چیز ہے۔ ایک دفعہ یہاں کے ایک بڑے ریفارمر نے اپنے مذہب کا تبلیغی پیام اکثر مشاہیر عالم کے نام بھیجا تھا۔ انمیں سے ایک چٹھی انگلستان کے کسی مشہور تجارتی کارخانہ کے مہتمم کو بھی لکھی تھی۔ اُسنے جواب دیا کہ ہم کو ان مضامین میں غور کرنے کی فرصت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں مذہبی سود و بہبود میں غور کرنیکی فرصت نہیں وہاں کوئی رستہ اختیار کرنے اور اسپر پابندی کیساتھ چلنے کی فرصت کہاں ہوگی۔ مگر کوئی یہ بھی دیکھتا ہے کہ ایسی عدیم الفرصتی ہے کیوں؟ جو کچھ کہا جاتا ہے کیا وہی سچ ہے اور آیا وہاں والوں کا بسر اوقات ایسا دشوار ہے کہ ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی؟ یا اسمیں ان کی عیش پسندی اور بیجا طماعی کو بھی دخل ہے؟

عیش پسندی

عیش پسندی کا یہ عالم ہے کہ فیشن کی پابندی کرنے والے صبح کو سو کر اُٹھتے ہیں تو حوائج ضروریہ کے بعد چہرہ کا خط بنانے غسل کرنے مناسب وقت لباس پہننے اور موزہ اور بوٹ سے آراستہ ہوکر باہر نکلنے کے لئے دو گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ پھر صبح کی ہواخوری کے لئے۔ کھانا کھانے کیلئے۔ دفتر جانے کیلئے۔ شام کو کلب میں شریک ہونے کیلئے۔ ہر قسم کے کھیل کیلئے۔ دعوتوں میں میز پر بیٹھنے کیلئے غرض ہر کام کیلئے علیحدہ وضع کا اور علیحدہ رنگ کا لباس پہننے اور پہلے لباس کو اُتارنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اکثر بڑے آدمیوں کو اس کام کیلئے اپنا اور اپنے ساتھ نوکر کا وقت بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اب

حساب لگایا جائے کہ کاروباری آدمیونکا کتنا وقت فیشن کی نازبرداری میں صرف ہوتا ہے۔ کیا جس لباس سے ایک کام کیا جاتا ہے اس کو پہنے ہوئے دوسرا کام نہیں ہو سکتا یا کوئی ایسی وضع ایجاد نہیں ہو سکتی جو ہواخوری کے وقت۔ دفتر کے کمرے میں اور کھانے کی میز پر یکساں کام دے۔ کیا صبح سے شام تک ایک لباس رکھیں تو ایسا میلا ہو جائیگا کہ برداشت نہ ہو۔ اُن ملکوں میں ایسی گرد کی آندھیاں بھی نہیں چلتیں کہ کپڑے کو خاک آلود کردیں۔ روز نہانیوالوں اور صابن تولیہ استعمال کرنے والونکا جسم بھی ایسا میلا نہیں ہوتا کہ صبح سے شام تک کپڑے کو بدبودار کردے۔ فوجی وردیاں ضرورت کے وقت دن رات پہنی جاتی ہیں اور صحت کو مضر نہیں ہوتیں تو ہر وقت شیشہ کنگھی اور لباس کی تراش خراش میں مصروف رہنے کو بیجا تکلف اور امیری کے چوچلے نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں۔ وقت کی قدر کرنے والے فیشن میں ذرا اصلاح کرلیں تو جو کمرہ لباس بدلنے کے اندر وقت کا خون کرنے کے لئے مقرر ہے کیا اسی کے اندر پانچ سات منٹ میں فریضہ ادا کرنے کی فرصت نہیں مل سکتی ؟

وقت کا مصرف

دل کی توجہ آناً فاناً کا کام ہے۔ ہواخوری میں دل کو بہلاتے اور خوش گپیاں اڑاتے اڑاتے فوراً وقت آجانے پر دفتری کام کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہوجاتے ہیں اور خیال فوراً ایک طرف سے پھیر کر دوسری طرف لگا دیتے ہیں اسیطرح عادت ہو جائے تو چند منٹ کیلئے خدا کی طرف متوجہ ہونا اور تمام ضرورتوں کیلئے اس سے مدد مانگنے کی طرف خیال کو لگا لینا کیا مشکل ہے۔ وقت کے اندر ربڑ کی خاصیت ہے غفلت کرو تو چھوٹا ہو جاتا ہے اور گذرتا معلوم نہیں ہوتا۔ ہوشمندی کے ساتھ استعمال کرو تو تھوڑے عرصہ میں ایسے لمبے لمبے کام ہو سکتے ہیں جن کو بے ہمت حیرت سے دیکھیں۔ وہ لوگ اس حقیقت کو سمجھے والے ہیں فائدے کے کام بھی بے شمار کرتے ہیں اور ساتھ ہی روزانہ لمبی لمبی سیر کا وقت بھی نکال لیتے ہیں۔ تفریحی کھیلوں میں بھی مصروف رہتے اور دن میں چار چار دفعہ کھانے پر بیٹھتے ہیں تو باہم زٹل بازی میں اتنی دیر لگاتے ہیں جس میں محض کھانے کا کام چار دفعہ ہو سکے۔ یہ لوگ کرنے پر آئیں تو چند منٹ کیلئے سجدہ کرلینا کیا مشکل ہے۔ ان کی لاچاری محض عادت کی وجہ سے ہے ورنہ اپنے ذاتی اشغال میں اسی کفایت شعاری

سے کام لیں جو روپیہ کے لین دین میں کرتے ہیں تو اتنا وقت نکال سکتے ہیں کہ فرائض ایک طرف چاہیں تو تمام سنن اور نوافل بھی ادا کر سکیں۔ مگر قباحت یہ ہے کہ اُنہیں اپنے عیب کیوں معلوم ہونے لگے۔ اور دل پر یورپ والوں کا ایسا رعب بیٹھا ہوا ہے کہ کسی کو اُن کے کسی کام میں نکتہ چینی کرنے کی جرأت نہیں اور ایسے داناؤں کی نسبت کوئی دل میں خیال بھی نہیں لاسکتا کہ وہ بھی کسی طرح کی فضولیات میں مبتلا ہیں جن میں دین دنیا کا کوئی فائدہ نہیں ۔

طماعی

یہاں تک اُن اوقات کا ذکر تھا جن میں سے دنیا کے کسی فائدے کو نظرانداز کرنے کے بغیر فرصت نکالی جاسکتی ہے۔ آؤ اب اُن کے کام کو دیکھیں۔

بیشک بڑے بڑے کام ہیں صنعتیں ہیں تو دنیا پر غالب آنے والی، تجارتیں ہیں تو جہان کو گھیرنے والی، اور ملک رانی و کشورستانی کی تدبیریں ہیں تو سب رکاوٹوں کو نابود کرنے والی۔ مگر مدعا سب کا ایک ہے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ تمام دنیا کا مال و دولت میرے قبضہ میں آجائے اور دنیا والے میرے دست نگر بن کر رہیں۔ ذہانتیں تیز ہیں عقلیں منجھی ہوئی ہیں۔ کامیابیاں حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ ایسی ایسی ترکیبیں نکال لی ہیں کہ تمام دنیا کی دولت بھاگی ہوئی ان کی طرف آرہی ہے۔ مگر چونکہ ہر شخص ساری دولت پر بلاشرکت غیرے قبضہ کرنا چاہتا ہے اس لیے آپس میں مقابلہ کرنا پڑتا ہے جس میں بعض افراد غالب آتے ہیں اور اتنی اتنی دولت سمیٹ لیتے ہیں کہ بڑے بڑے نام و نمود کے کام کرنے اور بڑے سے بڑے رفاہ عام کے کارخانے کھولنے کے باوجود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اپنی دولت کو کس مصرف میں لگائیں اور ان سونے کے پہاڑوں سے کیا کام لیں بیشک بڑے بڑے حوصلے دکھاتے ہیں اور ایسی ایسی فیاضیاں کرتے ہیں جو باہر والوں کے وہم و گمان سے بھی باہر ہیں۔ مگر زر کی محبت کا جو اثر ہے وہ طبیعتوں میں گھر کر گیا ہے۔ فیاضی اکثر نام و نمود کیلئے، اور کبھی نیک نیتی سے بھی ہوتی ہے مگر لین دین کے اندر جز رسی کی جو عادت پڑ گئی ہے اس نے ایسا بیدرد بنا دیا ہے کہ چاہتے ہیں کام کا تمام ثمرہ اپنی جیب میں آئے اور ہمراہی کارندوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ چنانچہ مزدوروں کو اجرت اس قدر کم دیتے ہیں کہ وہ دن رات کام کریں جب بھی پیٹ بھرنے کے لائق ٹکڑا نہ کما سکیں۔ مزدور چلاتے ہیں۔ کام چھوڑنے کی وارداتیں کرتے ہیں۔ مگر ایک تو

حکومت پر ابتک قابض ہی سرمایہ دار ہیں۔ مزدوروں کے نمائندے کچھ اقتدار پیدا کرتے ہیں تو ان کی مخالفت ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے مزدور خود بھی اسی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اپنی اجرت کیلئے چاہے چیخیں چلائیں جو ان میں سے سرمایہ دار ہو کر کچھ قدرت حاصل کرتے ہیں اوروں کے ساتھ وہ بھی وہی سلوک روا رکھتے ہیں اور موجودہ نظام بدلنے کا ارادہ کوئی نہیں کرتا۔ ایشیا اور یورپ کے سنگم پر جو نئی جمہوری سلطنت پیدا ہوئی ہے اس کی طرف سے مساوات اور اشتراکیت کی آواز بلند ہونے لگی ہے جس نے دنیا کے مزدوروں کی ہمدردی اپنی طرف مبذول کر لی ہے۔ مگر ان کا نظام بھی کڑوی دوا کی طرح اعتدال سے دوسری طرف جھکا ہوا ہے اور ذاتی قابلیت اور ذہانت کے امتیاز کو پامال کرنیوالا ہے اور اس کا حال بھی اب تک ان کے دشمنوں کی زبان سے سننے میں آیا ہے جس میں رنگ آمیزی کا احتمال ہے حقیقت واقعہ کا یقین نہیں کہ کیا ہے +

ناانصافی

غرض موجودہ تہذیب نے جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس نے امیری اور غریبی دونو کو حد کمال تک پہنچا دیا ہے۔ متوسط الحال وہاں کم ہوتے جاتے ہیں۔ امرا ایسے ایسے ہیں جنکی دولت کا شمار نہیں ہو سکتا اور باقی سب غریب اسقدر ہیں کہ اجرت کے اندر ان کے اکثر افراد گھر بنانے۔ شادی کرنے اور بچوں کا پیٹ پالنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور انکو کاروبار کے اندر جو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی اس کا راز یہی ہے کہ ان کے سرمایہ دار دوسروں کے منہ سے لقمہ نکالنے اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں اور ان کے مزدور لگاتار کام نہ کریں تو پیٹ نہیں بھر سکتے۔ پس جو نظام خود غرضی اور بے دردی کے ایسے عیوب و نقائص سے بھرا ہوا ہے اسکی بنا پر کیونکر سوال ہو سکتا ہے کہ مذہب ان سے ہمدردی کرے۔ اپنے فرائض کے اندر کوئی رعایت روا رکھے اور ان کو ضروری اعمال و اشغال سے معاف رکھنے کا فتوے دے۔ حالانکہ ضرورت ہے ان کو ہمدردی اور حوصلہ مندی سکھانے کی بلکہ عدل و انصاف کے ابتدائی اصول سے آگاہ کرنے کی تاکہ دولت کمانے میں ایسے اندھے نہ ہوں کہ اپنے مددگاروں اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے حقوق کو فراموش کر دیں اور

جن کی عرق ریزی اور محنت سے وہ خزانے بھرتے ہیں ان کو لوازم زیست کے سرانجام سے بھی محروم رکھیں۔ کام کو چلانے اور سرسبز کرنے کیلئے جس قدر دماغ اور دماغ کے اندر عقل رکھنے والے مہتمم کی ضرورت ہے اسی قدر ہاتھ سے کام کرنے والوں کی حاجت ہے۔ یہ مانا کہ عقل سے کام لینے والا زیادہ حصے کا مستحق ہے مگر یہ کیا انصاف ہے کہ اس کا استحقاق تمام فائدے پر قابض ہو اور وہ اپنی تمام جائز اور ناجائز خواہشوں کو برلانے کا موقع پائے اور اس کے ساتھ ہاتھ کا کام کرنے والے سر چھپانے کو جھونپڑا اور ہمدردی کرنے کو رفیق حیات (بیوی) بھی پیدا نہ کر سکیں اور جو ایسی جرأت کر بیٹھیں وہ بچوں کی ضروریات انجام دینے سے لاچار رہیں اور حسرتناک زندگی بسر کریں پس اس موقع پر اگر اسلام سے فتوے لیا جائیگا بلکہ ہر شخص کے مذہبی جذبے سے اپیل کی جائیگی تو کاروبار کی ایسی روش کے جواز کا فتوے حاصل نہ ہوگا اور ان کو مجبور کیا جائیگا کہ اپنے نظام کو تمامتر بدل دیں۔ اور حقداروں کے حقوق بحدِ مناسب ادا کریں +

مجبوروں پر جبر وہ لوگ باہمدگر مقابلہ کرتے ہیں اور ایک کارخانے کی کوشش سے دوسرے کارخانے کو خسارہ ہوتا ہے تو بسا اوقات حسرت و اندوہ کے وفور سے خودکشی کر لیتے ہیں۔ یہ افسوسناک وارداتیں بھی دنیائے تجارت کی بیدردی کا آئینہ ہیں مگر سردست اس سے قطع نظر یہ دیکھنا منظور ہے کہ مقابلے غریب مزدوروں کے اندر بھی ہوتے ہیں اور ایک بھوکا دوسرے بھوکے کے منہ سے لقمہ چھیننے کیلئے اُجرت کم کر دیتا ہے۔ ایسی بڑی بڑی تجارتوں اور ایسے عظیم الشان فائدوں کے بعد بھی اگر ان حقیر مقابلوں سے فائدہ اُٹھانے کا لالچ دلوں سے دور نہ ہوا۔ تو تجارت کی ایسی ترقی پر لعنت ہے۔ جانتے ہیں کہ جو اجرت دیجاتی ہے اس سے مزدور کا پیٹ نہیں بھرتا اور وہ آرام کی نیند نہیں سوتا مگر یہ دنیا کے کروڑپتی اور ارب پتی جو اپنے مال کو صرف کرنے کے موقعے نہیں پاتے وہ بھی اُجرت کو بڑھانے پر اس وجہ سے تیار نہیں ہوتے کہ انہیں سستے نرخ پر مزدور مل سکتے ہیں۔ بلکہ بیکاری اور اپنی اور اپنے بچوں کی لاچاری سے تنگ آکر کئی کئی [illegible] کے اُجرت کو کم کرنے

٭ آسٹریلیا میں مزدوروں کے ایسے مقابلوں کو دیکھ کر گورنمنٹ نے اُجرت خود مقرر کرنے کی کوشش کی ہے باقی صفحہ ۴۳

پر تیار ہو جاتے ہیں تو کیا کسی کو جان بوجھکر اس کے استحقاق سے اس لئے محروم رکھنا کہ وہ مجبور ہے اور بول نہیں سکتا انصاف کی کسی تاویل پر منطبق ہو سکتا ہے؟ تہذیب والے جانوروں پر رحم کرنے کیلئے قانون بناتے ہیں اور مالک اسے ضرورت سے کم خوراک دے یا طاقت سے زیادہ کام لے تو سزا دیتے ہیں۔ مگر انسان انسانوں سے یہی سلوک کرے اور مظلوم جانور جیسا بے زبان بنکر برداشت کرنے پر آمادہ ہو تو ظالم کسی سزا کا مستحق نہیں!

بدی میں اضافہ

"قناعت کی تعلیم کو آجکل مذہبی ڈھکوسلا کہتے ہیں اور بیجا ہوس کی کسی حد پر مقام کرنا جوان ہمتی کے خلاف مانا جاتا ہے۔ مگر زراندوزی کی نادر مثالیں جو راک فیلر اور فورڈ وغیرہ نے قائم کی ہیں اور جن کے برابر ہونے کی ہوس نے مہذب دنیا کے ہر فرد کو بے قرار کر چھوڑا ہے اور جن کے نقش قدم پر چل کر بہت سے افراد اُنکے ہم پلہ ہو جاتے ہیں اور اُن سے زیادہ افراد اس ہوس میں اپنی تمام طاقت مقابلہ پر لگا کر اپنے تئیں برباد کر رہے ہیں۔ کیا دولت کو اتنی بڑی مقدار میں شخص واحد کے پاس جمع کر دینے سے دنیا کوئی فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ اس وقت تمام دنیا کو چھوڑو اسی محدود خطہ میں جہاں کارنیگی۔ راک فیلر اور فورڈ نے جنم لیا ہے لاکھوں بندگان خدا مصیبت کی زندگی بسر کرتے ہیں تو آیا یہ صورت بہتر ہے یا وہ شکل زیادہ موزون ہوتی جبکہ راک فیلر اور فورڈ جیسے ارب پتی ہوس کی اس قدر پرورش نہ کرتے کہ اپنے مال کو خرچ کرنے کا موقع نہ پا سکیں اس کی بجائے صرف یہ تمنا رکھتے کہ اپنی ضرورت اور خواہش دونو کو پورا کر سکیں اور اپنے ساتھی کارندوں کو اتنا دیں کہ اُن کی کوئی ضرورت اٹکی نہ رہے۔ اگر تمام کروڑپتی اور ارب پتی قناعت کی اس روش پر کاربند ہوتے تو مصیبت زدہ انسانوں کی جس قدر تعداد اُن علاقوں میں اسوقت موجود ہے۔ اس میں ضرور نمایاں کمی ہوتی اور اب سے زیادہ تعداد

بقیہ حاشیہ ص۴۲ اور ممالک یورپ میں بھی کبھی کبھی کسی تجارت کے اندر اجرتیں قانوناً مقرر کر دیجاتی ہیں مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بیکار مزدور خفیہ عہد و پیمان کر لیتے ہیں اجرت کم لیتے ہیں اور پوری ظاہر کرتے ہیں انسانی قانون اس کا انتظام نہیں کر سکتا۔ خدائی قانون اور اخلاقی اصول کی پابندی ہو اور دل کے اندر خدا سے ڈرنے اور غریب پر رحم کرنے کا جذبہ پیدا ہو تو دنیا کو راحت مل سکتی ہے ۔ منہ

کے پاس ضرورت کے لائق سرمایہ موجود ہونے سے دنیا کا امن و امان اور نیز صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی موجودہ حالت سے زیادہ نظر آتی ہے۔ غربت تمام برائیوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ ہے اور جس قدر زیادہ افراد اس بلا سے نجات پا سکیں اسیقدر بدی اور مصیبت میں کمی ہوگی پس جو لوگ قناعت کو چھوڑ کر اور ہوا و ہوس کی راہ میں بے لگام ہو کر دوڑتے ہیں اور دولت کے بڑے بڑے ذخیرے خاص خاص مرکزوں میں جمع کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی بدی اور مصیبت کو بڑھانے کا باعث بنتے ہیں اور نوع انسانی کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں +

ثروت کا حسن و قبح

دولت اگر یہ وصف رکھتی ہے کہ وہ انسان کی راحت و آسائش کا باعث ہے اور اس کو کئی طرح کی قباحتوں سے بچانے کا ذریعہ ہے تو اس میں یہ عیب بھی ہے کہ وہ ایک جگہ یا ایک شکل کے اندر محصور رہنے سے کوئی کام نہیں دیتی اور اس کی تمام تر منفعت اس صورت پر منحصر ہے کہ وہ مختلف افراد کے اندر منقسم ہو اور شکلیں بدلتی رہے اور نیز اگر دولت سے محروم ہو کر انسان دل کا اطمینان گم کر دیتا ہے تو یہ بھی تمام دنیا کے دولتمندوں کا تجربہ ہے کہ اس کی فراوانی بھی اطمینان قلب کے لئے زہر قاتل ہے۔ اطمینان صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ضرورتوں کیلئے سامان موجود ہے اور یہ حالت پیدا کر لینے کے بعد انسان مادی لذائذ سے برتر اور بالاتر مطالب و مقاصد کو پیش نظر رکھنے دولت کے تقسیم کرنے اور مختلف شکلوں میں بدلنے کے فوائد کو اہل تہذیب سمجھتے ہیں مگر اطمینان قلب کیلئے دولت کی جس قدر ضرورت ہے اور اس کے بعد جو کام بحیثیت عاقل اور دور اندیش ہستی ہونے کے انسان پر فرض ہے اسکی طرف سے بالکل غافل ہیں اور اس وجہ سے حصول دولت پر تمام ہمت مبذول کرتے ہیں تو کامیاب ہو کر تقسیم و تشکیل کی مصلحت کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ فاضل رقم بینک میں دیکر تقسیم و تشکیل کا فرض ادا کرتے ہیں جس سے سود کا فائدہ اٹھاتے ہیں مگر ضرورت سے بہت زیادہ دولت پر قابض ہونے کے باوجود حقداروں کا حق ادا کرنے اور ان کو ان کی سخت ضرورتوں سے بے نیاز کر دینے کا حوصلہ ظاہر نہیں کرتے حالانکہ ضرورت یہ ہے کہ اگر وہ بہت بڑے

امیر ہوگئے ہیں اور اپنی حیثیت کو اپنے وہم وگمان سے زیادہ بڑھا چکے ہیں تو انکے کارندے پہلے جیسے غریب نہیں بلکہ وہ بھی کسیقدر امیر ہوکر اپنی زندگی نسبتہً زیادہ راحت سے بسر کریں۔ اسصورت میں بھی اگرچہ انکا وقت خرچ ہوگا حصول زر کی ہوس ہیں مگر حقدارونکا حق ادا کرنیسے انکی روح تسکین پائیگی اور اس کام میں رفاہ عام کے کاروبار سے زیادہ اطمینان محسوس کرینگے کیونکہ اسمیں ریاکاری کو بھی دخل ہوتا ہے اور ادائے حقوق کے وقت صرف فرض کا احساس ہوگا اور جو لذت اس فعل سے محسوس کرینگے وہ اور زیادہ بالاتر مقاصد کیطرف متوجہ کرنیکا باعث ہوگی +

اعتدال کا رستہ

پس دولت سے بیزار رہنے کا عقیدہ اور دولت کو محبوب قلوب سمجھنے کا عمل دونوں غلط رستے ہیں۔ مشرقی تہذیب نے پہلا رستہ لیا اور ترک دنیا کے وعظ سے انسان کو پستی کی طرف دھکیلا۔ مغربی تہذیب نے دوسرا عمل اختیار کیا اور اپنی مثال سے دنیا بھر کو مقاصد عالیہ سے روگرداں کر دیا۔ اسلام دونوں کو مشعل راہ دکھلانے کے لئے مبعوث ہوا ہے وہ مشرق والوں کو قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (ترجمہ۔ کہہ دو کس نے حرام کی ہیں زینت کی چیزیں جو خدا نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں۔ اور کس نے حرام کیا ہے پاکیزہ رزق کی چیزوں کو) کی نوید سنا کر ترک دنیا کی مذمت کرتا ہے اور اہل مغرب کو اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَہُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّہُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (ترجمہ۔ جن لوگوں کی تمام کوشش دنیا کی زندگی بسر کرنے میں ضائع ہوتی ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیک کام کرتے ہیں) کے الفاظ سے تنبیہ کرتا ہے اور سب کو اعتدال کی جانب بلاتا ہے۔ اسلام اپنی اس منادی میں کبھی کوتاہی نہ کریگا اور کسی تاریک دنیا یا دنیا پرست سے مرعوب ہوکر اپنی معتدل روش میں ترمیم کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اس کی آواز پر لبیک کہینگے وہ دیکھینگے کہ اس کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے سے اہل دنیا کی ضرورتیں بھی پہلے سے زیادہ پوری ہوتی ہیں۔ اطمینان قلب بھی نسبتہً زیادہ میسر آتا ہے اور مادی مقاصد کو اعتدال کے اندر رکھنے سے روحانی مدعا کو حاصل کرنے کے لئے وقت نہ ملنے کی بھی کوئی شکایت باقی نہیں رہتی +

روزہ پہ اعتراض

اہل زمانہ عدیم الفرصتی کے بہانے سے جیسا اعتراض نماز پر کرتے ہیں اس سے زیادہ زور کے ساتھ روزہ حج اور دیگر کارہائے خیر پر

سورش بپا کرتے ہیں۔ نماز کی فضیلت اور خدا کی طرف توجہ کرنے کی خوبی سے علانیہ بغاوت نہیں ہو سکتی صرف وقت کے عذر پر اپنے تئیں پابندی سے بچانا چاہتے ہیں۔ مگر روزہ میں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوتی ہے اور مسلمانوں کے عام طبقہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی روزہ رکھتے ہیں تو تکلیف کو صبر سے برداشت نہیں کرتے اور روزہ کی اغراض خاص کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ وقت گذارنا دشوار ہوتا ہے شطرنج تاش وغیرہ فضولیات سے دل بہلاتے ہیں اور نہایت اضطراب کے ساتھ شام کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ دیکھنے والے بجا اعتراض کرتے ہیں کہ اس تکلیف سے فائدہ کیا لیا اور روحانی ترقی کا کونسا مرحلہ طے کیا۔ یہ اعتراض اسی لئے پیدا ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے اس کا موقع دیا اور حقیقت حال سے مسلمان نامسلمان سب غافل رہے .:.

عبادت کی غرض

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس عمل کو عبادت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے اندر دو غرضوں میں سے ایک ضرور مدنظر ہوتی ہے۔ یا خیال کو خدا کی طرف لگانا مقصود ہوتا ہے اور مشق کی جاتی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات کاملہ میں غور و تدبر کریں۔ اس کی بارگاہ سے اپنے ہر گونہ فوز و فلاح کے لئے ہدایت لیں جس قدر وقت اس مشغلہ میں صرف کریں اس میں خیال غیر کو مطلق دخل نہ دیں اور اس عمل سے قلب میں وہ اطمینان اور لطف محسوس کریں کہ اس سے فارغ ہونے پر افسوس ہو اور اس طرف واپس آنے کا شوق دامنگیر رہے صحیح معنوں میں نماز اور اوراد و وظائف ادا کرنے کا یہی مدعا ہے مگر اسکا حصول اپنی طرف سے صادق اور کامل توجہ مبذول کرنے کے علاوہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ اس راہ پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہونے والے بالاتفاق اور بیک زبان فرماتے ہیں اور ہر شخص کا اپنا اپنا تجربہ بتاتا ہے کہ ہم لاکھ تمنائیں کریں۔ اس کے آگے گڑگڑائیں راتوں کو جاگیں اور دنوں کو اس کی یاد میں صرف کریں اگر اس کی مشیت کا تقاضا نہیں ہوتا تو ہم اپنی ناپاک خواہشوں سے پاک نہیں ہو سکتے اور اس کی یاد میں اطمینان قلب حاصل نہیں کر سکتے اور اگر وہ بے نیاز احکم الحاکمین خوشنود ہو تو رند بدمست کی ایک لمحہ پشیمانی اور سیہ کاری میں مصروف رہنے کے اندر ایک دم کیلئے "یا الٰہی" کی مضطربانہ آواز وہ کرشمہ دکھاتی ہے کہ

خبیث کو طیب اور رند کو پارسا بنانے کا انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ یہ نعمت ملتی اُس کے فضل و کرم سے ہے مگر تقاضائے بندگی یہ ہے کہ اپنی طرف سے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش بھی جاری رکھیں اور وہ وسائل تلاش کریں جن سے اُس کی ذات عالی مہربان ہو لیکن وہ خزائن السموات و الارض کا مالک اپنی ذات کیلئے کوئی ضرورت نہیں رکھتا جس کی بہم رسانی اُس کی خوشنودی کا باعث ہو البتہ اس کی مخلوق راحت و رنج۔ فرحت و غم صحت و مرض ثروت و افلاس وغیرہ حالات میں باہم بے انتہا تفاوت رکھتی ہے۔ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے مگر بعید نہیں جو اس تفاوت حالات سے ہمارے لئے حصول خوشنودی کے وسائل پیدا کئے گئے ہوں۔ وہ اپنی مخلوق پر مہربان ضرور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ہر جاندار اور بے جان۔ ہر عظیم الشان اور عاجز مخلوق کی پیدائش کا۔ بقا کا۔ ترقی کا اور اس کی نسل کو جاری رکھنے کا سامان ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے کر چھوڑا ہے اور جو عناصر کسی چیز کی پیدائش اور اس کی خوراک کیلئے مطلوب ہیں ان کے اہتمام کا سلسلہ ہزاروں برس میں اور ایسے بڑے بڑے زمانوں میں تکمیل کو پہنچا ہے جن کے طول کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تو جس مخلوق کو ایسے بے نظیر اہتمام سے پیدا کیا ہے۔ اس کی بدحالی اور خوشحالی کا تفاوت بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اور کیا تعجب ہے اگر دیگر مصلحتوں کے علاوہ یہ بھی مدعا ہو کہ ہمارے بندے ہماری مخلوق کی بدحالی میں ان کی امداد اور دستگیری کرنے سے ہماری خوشنودی کا انعام پائیں پس مخلوق کے رنج و غم اور مرض و افلاس کو دور کرنے میں معاون ہونا دوسری قسم کی عبادت ہے جس میں خدائے قدوس کو خوشنود کرنے اور اس کے فضل و کرم کا انعام پانے سے غرض ہوتی ہے۔ بیمار انسانوں اور حیوانوں کا علاج۔ بھوکوں اور مفلسوں کیلئے نقد و جنس کی خیرات۔ غمزدوں اور فکرمندوں کی ہمدردی اور امداد غرض تمام مصارف زکوٰۃ و صدقات اسی مدعا کیلئے تجویز ہوئے ہیں اور اُس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ صدقات و خیرات پر بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات پانے کا نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہے اور جسمانی زندگی کسی طریق سے بسر ہو تسکین دل اور اطمینان قلب ضرور میسر آتا ہے اور وہ پریشانیاں اور تفکرات جو کامیابیوں کے اندر بھی دنیادار کا پیچھا نہیں چھوڑتیں طبیعت کو اس طرف لگانے سے یک لخت

معدوم ہو جاتی ہیں۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ب ط +

روزہ کی مصلحت

یہ سب امداد مساکین کے ثمرات اور نتائج ہیں مگر بندۂ مخلص کا فرض ہے کہ اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا اور کسی غرض کو مدنظر نہ رکھے اور اس سعادت تک پہنچنے کا ایسا شائق ہو کہ خود تکلیفوں میں مبتلا ہونے اور اپنی حاجتوں کو محسوس کرنے کے باوجود عاجزوں اور بیکسوں کو دیکھکر تڑپ اُٹھے اور اپنی خواہشوں سے بے پرواہ ہو کر ان کی دستگیری پر آمادہ ہو۔ ایسے ہی نفوس قدسیہ ہیں جن کے لئے بارگاہ رب العالمین سے فوز و فلاح کا وعدہ ہے۔ ارشاد ہے:۔

اپنے نفوس پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ	يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
انہیں ذاتی ضرورت ہو اور جن لوگوں کو ہوس پستی	خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
سے بچایا جائے وہی فلاح پائینگے +	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (حشر پارہ ۲۸ ع ۱

مگر ایثار و قربانی کا یہ جذبہ انسان میں اسیقدر پیدا ہو سکتا ہے جس قدر حاجتمندوں کی تکلیف کا احساس ہو اور کامل احساس اسی تکلیف کا ہوتا ہے جس میں انسان خود مبتلا رہا ہو اور اپنی ذات پر تجربہ کر چکا ہو۔ ورنہ بغیر ذاتی تجربے کے مصیبت زدوں کا حال سُنکر تکلیف کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری جانب پیش آنے والی تکلیفوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرض کو اپنے اندر پیدا کرنا یا غم و رنج میں مبتلا ہونا بس کی بات نہیں اور انسان اپنے اختیار سے ان تکالیف کا تجربہ نہیں کر سکتا اور دوسروں کو ان میں مبتلا دیکھکر جو تدارک علاج کی صورت میں اور رنج و غم کے اندر مشورہ اور ہمدردی کی شکل میں کیا جاتا ہے اس کا اثر کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا اور یہ بلائیں کبھی بغیر علاج اور تدبیر کے بھی دور ہو جاتی ہیں لیکن بھوک اور پیاس کی حالت ان سے مختلف ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی اور عام مصیبت یہی ہے اور اپنے اوپر اپنے اختیار سے اس کا تجربہ کرنا بھی ممکن ہے۔ انسانی امداد اس کو پورے طور پر دفع بھی کر سکتی ہے اور بغیر کسی اہتمام اور تیاری کے یہ تکلیف خود بخود دور بھی نہیں ہوتی۔ روزہ اسی لئے تجویز ہوا ہے کہ اپنے اندر اس تکلیف کا احساس پیدا کریں تا دوسرے کی تکلیف کا صحیح اندازہ کر سکیں اور جو بے قراری اپنے اندر اس حالت میں پیدا ہوتی ہے

اور جیسی تمنا اس خواہش کو برلانے کی محسوس کرتے ہیں دوسروں کی ایسی حالت میں اُن کے قلب کی وہی کیفیت تصور کریں۔ بےقرار ہو کر امداد کیلئے دوڑیں اور خوشنودی ذات باری کا انعام پائیں۔ روزہ کا وقت بھی اسی مصلحت سے سال کے کسی ایک موسم اور فصل پر محدود نہیں رکھا گیا وہ قمری مہینہ کے حساب سے بدلتا رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی عمر میں ان تمام کیفیتوں کا تجربہ ہو جاتا ہے جو بہار و خزاں اور گرما و سرما کے اندر چار پہر کامل بے آب و دانہ رہنے سے پیدا ہوتی ہے +

روحانیت کی ترقی

روزہ کی ایک مصلحت یہ ہے اور دوسری مصلحت اس تکلیف کو صبر سے برداشت کرنے میں یہ ہے کہ انسان کے اندر جس قدر روحانی قوتیں ودیعت ہیں اور جن کے زندہ کرنے کے بعد وہ اپنی تمام جسمانی قوتوں سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ روحانی دنیا کے جلوے دیکھ سکتا ہے اور ملکوتی دنیا میں شمار ہوتا اور آمد و رفت کر سکتا ہے ان کو مجلّی کرنے کا یہی ذریعہ ہے کہ انسان جسمانی خواہشونکو دبائے جسمانی تکلیفوں کو صبر بلکہ رضامندی سے برداشت کرنے کی عادت ڈالے اور اپنی تمام ضرورتوں کو کم کرتا ہوا یہ حالت پیدا کرلے کہ دنیا کی کسی چیز کے موجود ہونے پر خوش اور معدوم ہونے پر غمگین نہ ہو۔ نہ زندہ رہنے کی تمنا ہو نہ موت سے نفرت۔ زندگی فرض ادا کرنے کے لئے ہو۔ موت وصال محبوب سے فائز ہونے کیلئے۔ روزہ اس سفر کا ابتدائی مرحلہ ہی اس سے آگے بڑھنا اور منزل مقصود پر پہنچنا انسان کی اپنی کوشش پر موقوف ہی یا فضل خداوندی پر +

حج پر اعتراض

فریضہ حج کے اوپر مخالفین اسلام کی طرف سے جو اعتراض ہوتے ہیں ان کو ایک مخلص مسلمان نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے اور جو گستاخی جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں کرتے ہیں اور جس کے ثبوت میں بزعم خود ارکان حج کی ناموزونیت پر زور دیتے ہیں اس کو ایک سوال کی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ مدت ہوئی اس کا جواب* دیا گیا تھا۔ جو یہاں درج کرتا ہوں:-

---

* یہ مضمون رسالہ اسوۂ حسنہ میرٹھ مجریہ اکتوبر و نومبر ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا تھا +

سوال یہ ہے:۔

مذہب اسلام کے احکام اور عقائد بالمقابل ان کے بعثت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور تمام مروجہ مذاہب کے مراسم و عقائد پر نظر غائر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اسلام سوا اس کے کچھ نہیں کہ مذاہب مذکورہ کے عقائد و رسمیات کا ایک انتخاب ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان سے پیدا ہوئے جو موحد اور خدا پرست تھا اور آپ عہد طفلی ہی سے نہایت ذکی الطبع پاک باطن اور روشن خیال تھے۔ چالیس سال کے طویل زمانے تک آپ ایسے شہر میں رہے جہاں ہمیشہ ہر قسم کے خیالات مذہبی آپ کے گوش گذار ہوتے رہے۔ سفر شام کا بھی اتفاق ہوا۔ اس طرح آپ نے تمام مذاہب کے عقائد اور احکام سے کما حقہ واقفیت پیدا کر لی۔ چونکہ آپ کے دل میں ہمدردی نوع انسان بدرجہ غایت جاگزین تھی اس لئے آپ اصلاح قوم و مذہب کے لئے آمادہ ہو گئے اور ایسی تعلیم پیش کی جس کو آپ نے اپنی قوم کے لئے بہتر سمجھا۔ اس میں ایسی کونسی بات ہے جو آپ کو مرسل من اللہ ثابت کرے۔ انتخاب غایت درجہ کی احتیاط سے کیا گیا تاہم متعدد احکام اور عقائد خلاف عقل و تجربہ بھی شامل رہے منجملہ دیگر احکام کے جو توہم پرستی اور تقلید آبائی پر مبنی خیال کئے جا سکتے ہیں مناسک حج ہیں۔ حج میں مبادلۂ خیالات۔ واقفیت عادات و رسوم۔ ترقی تجارت وغیرہ بہت سے فائدے ہیں مگر اعتراض حج کے اجزا پر ہے کہ وہ مہمل بے فائدہ اور توہم پرستی سے معمور ہیں (بنظر مخالفانہ) بالخصوص (۱) سعی بین الصفا والمروہ (۲) رمی جمار بالکل بے معنے حرکت ہے (۳) تقبیل حجر اسود جو شہاب ثاقب کا ایک ٹکڑا ہے۔ چونکہ آسمان سے گرا تھا لوگوں نے خیال کیا کہ جنت سے نازل ہوا ہے اسلام نے اس کی بے معنی تعظیم و تکریم کو جائز ہی نہیں بلکہ فرض کر دیا اور ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن اس کی زبان ہوگی جس سے بولیگا اور آنکھیں ہونگی جن سے دیکھیگا (۴) اشعار ہدی اونٹ کے کوہان کو قبل از قربانی خون آلود کرنا (۵) رمل مشرکین کے دلوں پر ہیبت ڈالنے کے لئے طواف کعبہ میں اکڑ کر چلنے کا حکم تھا بعد میں اسکی ضرورت نہیں رہی مگر حکم باقی رہا

جواب

نبوت اور نبوت کا حقدار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارہ میں غور کرنے سے پہلے نبوت کی حقیقت کو سمجھ لینا مناسب معلوم ہوتا ہی اس کی کیفیت یہ ہے کہ جو خیالات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں بعض خیالات طویل یا مختصر کسی نہ کسی طرح کے غور و فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں اور بعض خیالات بغیر کسی غور و تامل کے دفعتہً ذہن میں آجاتے ہیں۔ ایسے خیالات کم و بیش ہر شخص کے ذہن میں آتے ہیں اور اکثر بیٹھے بیٹھے کسی پیشہ کے متعلق کسی علمی نکتہ کے متعلق کسی جرم یا کسی شرارت کے متعلق کوئی انوکھا خیال سوجھ جاتا ہے۔ اور نہیں تو خواب کی نسبت ضرور ہر شخص کو تجربہ ہوتا ہے اور زیادہ نہیں تو مدۃ العمر میں ایک آدھ بار ہی ایسا خواب ضرور دیکھنے میں آتا ہے۔ جس پر دیکھنے والا تعجب کرتا ہے کہ ایسی بات دیکھی جو کبھی وہم و خیال میں بھی نہیں آئی۔ اچھا تو وہ خیالات جو غور و فکر کے بعد پیدا ہوتے ہیں انسان کی اپنی ذات کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور وہ ذریعہ جس نے ایسے خیالات کو پیدا کیا اگر خیالات بد ہوں تو نفس امارہ کہلاتا ہے اور اچھے ہوں تو نفس ملکیہ۔ یا دونوں کیلئے مشترک لفظ عقل کا استعمال کیا جاتا ہے اور بے غور و تامل پیدا ہونے والے خیالات اچھے ہوں یا برے الہامی کہلاتے ہیں اور وہ شرارت سے تعلق رکھتے ہوں تو واسطہ کو ملکہ شر یا شیاطین کہتے ہیں۔ اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیَآئِهِمْ (بیشک شیاطین اپنے دوستوں پر وحی یا القا کرتے ہیں) اور خیر سے تعلق رکھیں تو واسطہ کو ملکہ خیر یا ملائک کہتے ہیں۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ ط (کہہ دو کہ قرآن کو روح القدس فرشتہ نے تمہارے رب کی طرف سے راستی کے ساتھ اتارا ہے) ملائک و شیاطین یا ملکہ خیر و ملکہ شر مذہبی اور عقلی اصطلاحیں ہیں جن کی حقیقت سے کوئی واقف نہیں اور ان کے اثر کا تجربہ سب کو ہے پس اگر یہ تحقیق درست ہے (اور میں سمجھتا ہوں کہ درست ہے کیونکہ ہر شخص کا اپنا تجربہ شہادت دیتا ہے) تو جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز ایک عرصہ کے غور و فکر سے پیدا ہوئی ہو اسے مجدد و موجد یا مصلح کہتے ہیں ملہم یا مامور من اللہ نہیں سمجھتے اور بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہوئی ہو تو ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور

اُس کے خیالات کو وحی سمجھتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ معترض کے نزدیک بھی نبوت کی یہی تعریف ہوگی کیونکہ اعتراض اسی بنا پر چسپاں ہوتا ہے میں نے جو اس کو طول دیا تو ایک اتنے تفاوت کو کو ظاہر کرنے کیلئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ معترض ملکۂ نبوت سے منکر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ الہام کے ابتدائی جلوے ہر شخص کو نظر آتے ہیں اور ہر ایک کام اور پیشہ کے اندر اکثر اوقات بعض نکات اور تدبیریں بغیر غور و فکر کے معلوم ہو جایا کرتی ہیں البتہ وہ اعلیٰ اور برتر نمونے جن کو معلوم کرنیوالا پیغمبر کہلاتا ہے خاص خاص اوقات میں اور بڑے بڑے زمانوں کے بعد ظہور میں آتے رہے ہیں کبھی ضرورت ہوئی ہے تو پھر بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں مگر بے ضرورت کبھی ظاہر نہیں ہوئے اور اس گفتگو سے ایک چھوٹی سی دلیل یہ بھی معلوم ہو گئی کہ جب ادنیٰ اور بے حقیقت باتوں کیلئے الہام کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے تو کیا دنیا کی سب سے بڑی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے کوئی الہام ہی نہ ہوا ہوگا۔ اگر ہوا ہے تو ہمارے آقا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس کا حق دار کون ہو سکتا ہے؟

آنحضرت کی نبوت پر اتہام

اب دیکھو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم غور و تامل کا نتیجہ تھی۔ اس بارہ میں معترض نے عیسائی مصنفین کا طرز اختیار کیا ہے ان کا خاصہ ہے کہ جب حضرت کی عدیم المثال اور عظیم الشان ہدایت کو دیکھتے ہیں اور بزعم خود ابن اللہ کے بعد کسی اور کے آگے جھکنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے تو لاطائل قیاسات کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور عقلی رفتار کے لئے جس سامان کی ضرورت ہے احتمال پیدا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سامان میسر آگئے ہونگے اور پھر اپنی کور باطنی سے کہنے لگتے ہیں کہ فی الحقیقۃ وہی سامان میسر آگئے تھے۔ ورنہ

واقعات قبل نبوت

۱۔ بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان توحید پرست تھا۔ حضرت پر سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں ہی کو توحید کی طرف بلانے کا حکم نازل ہوا ہے۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۵ اپنے قریبی رشتہ داروں کو شرک کی بدانجامی سے ڈراؤ۔ حضرت کے چچا ابولہب کی عداوت محتاج اظہار نہیں تھی۔ مدد کرنیوالے چچا ابوطالب٭

٭ ابوطالب کے بارہ میں حضرات شیعہ کو اختلاف ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ ابوطالب یا دیگر اہل خاندان پہلے سے توحید پرست تھے۔

بھی مرتے دم تک لا الہ الا اللہ نہ کہہ سکے اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کفار مکہ نے جب آنحضرت کو مال و زر کا لالچ دکھا کر تبلیغ سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے تو سب سے پہلے یہی پوچھا ہے کہ بتاؤ تم بہتر ہو یا عبد اللہ تم بہتر ہو یا عبد المطلب مطلب یہ کہ جب وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے تو تم انکی اولاد ہو کر مخالفت کیوں کرتے ہو (سیرۃ الحلبیہ) نیز بالکل غلط ہے کہ مکہ معظمہ میں مختلف مذاہب کے پیرو آمد و رفت رکھتے تھے۔ مکہ کوئی تجارتی منڈی نہ تھا اور قریش کے سرمائی اور گرمائی سفر کے بغیر وہاں کوئی چیز نہ آتی تھی۔ نہ مکہ تمام مذاہب کا مسلمہ تیرتھ تھا۔ نہ کوئی دلکش اور پُرفضا مقام بلکہ وَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ (ایسا میدان جہاں کھیتی نہ ہو) کعبہ بتوں سے بھرا ہوا اور تمام عرب بت پرست۔ وہاں شہر کا آباد ہونا بھی معجزہ ہے۔ شہر اور گاؤں ہمیشہ زرخیز زمین پر آباد ہوتے ہیں یا بعض جگہ ساحل بحر پر جہاں جہازوں کو ٹھہرانے کا موقع ہو یا مچھلیاں پکڑنے کا یا ایسے مقامات پر آباد ہوتے ہیں جہاں سے مختلف شہروں اور ملکوں کو رستہ جاتا ہو مگر ایسی جگہ جہاں خورد و نوش کا سامان باہر سے لانے کی ضرورت ہو اور کسی قسم کی تجارت کا موقع نہ ہو آبادی نہیں ہوتی مکہ ایسی جگہ محض خدا کا گھر آباد کرنے کے لئے بسایا گیا ہے اور آنحضرتؐ کے وقت میں وہ بتوں کا گھر بنا ہوا تھا تو وہاں باہر والوں کو آنے سے مطلب کیا؟

سفر کا نتیجہ

۲۔ شام کا سفر البتہ ہوا اور دو بار ہوا مگر کتنی دور تک اور کے دن کیلئے؟ کیا کوئی شہادت ہے کہ حضرت نے اس ملک کے مشہور مقامات کی سیر کی مشاہیر سے صحبتیں گرم ہوئیں۔ برس چھ مہینے قیام فرمایا؟ خدا کے خوف سے ڈرو۔ ایک سفر بچپن کا جبکہ جنگل کے اندر کسی مندر کے پاس مقام ہوا۔ رات بسر ہوئی تھی کہ صبح کو واپس کر دیئے گئے دوسرے سفر میں بھی ایسی جلدی واپس آئے کہ لوگوں کو تعجب ہوا اور اس آنکھ مچولی کی آمد و رفت میں تجارت کا بڑا معجز نما فائدہ دیکھکر بھیجنے والی نکاح پر تیار ہو گئیں۔ یہ بھی کوئی عاقلانہ

بقیہ حاشیہ ص ۵۲ بلکہ وہ شغف جو ان کو آل رسول علیہ السلام سے ہے انہیں یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہونے دیتا کہ زوج بتول علیہا السلام کے والد (ابوطالب) کفر سے وابستہ سمجھے جائیں چنانچہ احتمالات کا ایک سلسلہ قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان حالات کے اندر جو جناب ابوطالب کو پیش آئے ناممکن تھا کہ وہ نعمت ایمان سے محروم رہتے نیز کہتے ہیں کہ انکا انکار قلبی اعتراف کو ظاہر کرتا ہے۔ بہرکیف اس خاندان کا پہلے سے توحید پرست ہونا ثابت نہیں اور خود ابوطالب کہتے ہیں کہ میں اپنے بزرگوں یعنی عبد المطلب ہاشم اور عبد مناف کے مذہب پر مرتا ہوں۔

غور و فکر کے موقعے ہیں؟ اور موقع ملنا بھی تو شام میں دھرا کیا تھا۔ مریم پرستی اور تثلیث یا لات وہبل کی جگہ حواریوں کے مجسمے اور ان کے آگے سجدہ ریزی۔ وہی روشنی آنحضرت کو نظر آئی اور اسی کے دشمن ہو گئے۔ ہمارے ملک کے پڑھے لکھے انسان یورپ میں جاتے ہیں علم حاصل کرنے کی غرض ہوتی ہے وہ تو جیسا کچھ حاصل کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہاں آ کر کسی نے کوئی علمی کارنامہ نہیں دکھایا۔ البتہ وہاں کا رسم و رواج وہاں کی بود و باش وہاں کا ناچ رنگ اور وہاں والوں جیسا شیشے کنگھی کا شوق اور زنانہ بناؤ سنگار ان سے زیادہ سیکھ آتے ہیں اور اسی کی پابندی اور ان ہی فضولیات کو دوسروں تک پھیلانے اور اسی مشن کو ترقی دینے میں عمر بسر کر دیتے ہیں وہ اُمّی اور ناخواندہ نوجوان (بابی وامی انت یا رسول اللہ) اپنی ناتجربہ کار عقل کے ذریعے سے وہاں جا کر کچھ سیکھتا تو مسیح کی الوہیت لیکر آتا نہ کہ توحید۔

۳۔ اگر یہ سب کچھ عقل کا کرشمہ تھا تو غور کی شکل بھی اور ہونی چاہیئے تھی عقل والوں کا دستور ہے جب کوئی نیا خیال سوجھتا ہے تو پہلے تذبذب پیدا ہوتا ہے اور آدمی کچھ عرصہ تک حیران اور خاموش رہتا ہے۔ پھر گدگدی اٹھتی ہے تو اپنے دوستوں سے مشورہ کرتا ہے۔ یہ عمل ایک بار نہیں مختلف دوستوں سے بار بار کیا جاتا ہے جب صحت کا یقین ہو جاتا ہے تو پھر یہ مشورہ کیا جاتا ہے کہ اس کو مشتہر کرنے کی کیا سبیل ہو۔ مدت تک مختلف صورتوں و حیلوں کو تلاش کرنے اور ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیں ہوتی رہتی ہیں اور بہت بڑی گفت و شنید کے بعد وقت آتا ہے جبکہ علانیہ خیالات کو پھیلانے کی کوئی شکل اختیار کی جاتی ہے۔ مگر یہاں وہ راستباز بندہ (صلواۃ اللہ علیہ) نبوت سے پہلے سب کا پیارا اور سب کا دوست ہے۔ بڑے بڑے جھگڑوں میں حکم اور منصف بننے کی عزت رکھتا ہے ضعفا کی دستگیری

٭ اس زمانے کی عیسائیت یہ پروٹسٹنٹ عیسائیت نہ تھی جو بہت کچھ اصلاح و ترمیم کے بعد بت پرستی سے ممتاز کی گئی ہے۔ اس وقت مسیح بھی خدا تھے مریم بھی خدا تھی مسیح کے تمام حواری اور مذہب عیسوی کے تمام مشہور مقتدا اسی طرح قاضی الحاجات اور مشکل کشا مانے جاتے تھے جس طرح بت پرستوں کے مختلف دیوتا۔ کلیسا زاہدوں راہبوں کی قبروں سے معمور ہوتے تھے اور سب کے سامنے بے تکلف سجدہ کیا جاتا تھا۔ مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ موجودہ عیسائیت خود اسلام کی رہین منت ہے۔ اور پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی اگرچہ مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانتا ہے مگر دیگر بزرگوں کی خدائی طاقت سے انکار کرتا ہے جس پر اس وقت کے راسخ الاعتقاد عیسائی اسے مسلمان ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔

میں مشہور ہے اور اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے ہے۔ ہر طرف ہوا خواہوں اور دوستوں کا ہجوم دیکھتا ہے مگر چالیس سال کی عمر تک کسی سے مشورہ ایک طرف مذہب کی نسبت ذکر تک نہیں کرتا اور جس دن کرنے پر آتا ہے دفعتہً بالکل انوکھی بات بغیر کسی تمہید اور حیلہ بازی کے علانیہ پکارنے لگتا ہے یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ط (اے گرم کپڑوں میں لپٹنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی عظمت ظاہر کر) عاقلانہ صلاحیں دیکھی نہیں؟ کیا کوئی اور بھی ایسا نظر آیا +

کامیابی کا یقین

۴۔ عقلمند کو اپنی رائے کی اصابت پر کیسا ہی بھروسہ ہو تاہم تذبذب ضرور رہتا ہے کہ خدا جانے اس تحریک کے بار ور ہونیکا وقت آیا ہے یا نہیں اور لوگ مانینگے یا سب انکار ہی کرینگے۔ مگر وہ منادی کرنے والا (ارواحنا فداہ) جب سے منادی کرنے کو اٹھتا ہے یہی کہتا ہے کہ میرا کام پورا ہو کر رہیگا۔ کوئی کتنی ہی مخالفت کرے۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ہ (اللہ اپنا نور پورا کرے گا چاہے منکر ناپسند کریں) +

مداہنت سے انکار

۵۔ عقلمند کو مخالفین مصالحت پر لائیں تو خواہ وہ مصالحت کا کیسا ہی مخالف ہو ضرور پیش کردہ شرائط کو غور سے دیکھتا ہے اور جواب دینے سے پہلے تامل کرتا ہے کہ کس پیرایہ میں جواب دے جس کا نتیجہ اچھا ہو۔ مگر یہاں مال و زر حکومت اور حسن و جمال سبھی کچھ پیش کرتے ہیں۔ سب سے بڑا حامی چچا بھی مصالحت پر مائل کرنا چاہتا ہے ورنہ حمایت سے دست بردار ہونے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے اور یہ تجویز پیش ہوتی ہے کہ اور کچھ نہیں تو توحید کا اعلان بیشک کرو مگر لات و ہبل اور دیوتاؤں کی بیچارگی اور بے مائگی کا ذکر چھوڑ دو۔ مگر جواب دینے والا (علیہ الف الف سلام) نہ نعمتوں کو دیکھتا ہے نہ مصیبتوں سے ڈرتا ہے اور بے تامل جواب دیتا ہے کہ یہ بات ہونے والی نہیں۔ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ (مجھ سے نہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کسی کام میں دخل دوں) کیا عاقلانہ غور و فکر کی یہی شکل ہوتی ہے؟

تمام زندگی کی شہادت

۶۔ اور دیکھو کہ سوچا تو سب کچھ عقل سے۔ نہ فرشتہ دکھائی دیا

نہ خدا کی زیارت ہوئی۔ پھر سارے دعاوی کیسے تھے؟ کہدو کہ عاقلانہ پالیسی تھے یعنی لوگ ویسے نہ مانتے تھے معاذ اللہ خدا اور فرشتوں کا قصہ گھڑ لیا۔ اس کی مطابقت قبل نبوت اور بعد نبوت کے تمام واقعات سے کر چلو۔ اگر کہیں ایک بار اور کبھی ایسا فن و فریب کیا ہوتا جب بھی کہتے اچھے لگتے لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (میں تمہارے بیچ میں پہلے ایک عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا اتنی بھی عقل نہیں رکھتے ہو)۔

امتیاز عیب و صواب

یہ عقلمند دیکھے نہیں؟ آجکل کے عقلاء سقراط اور ارسطو کے بھی کان کترتے ہیں۔ یہ صاحب حکومت ہوں یا معتقدات مذہب۔ ان کا رویہ کیا ہے کہ جس قوم سے کسی وجہ سے عداوت ہو اس کے نقائص کو مشتہر کرنا ایک طرف اس کی خوبیوں کو بھی نقائص کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں بلکہ عاقلانہ پالیسی یہی سمجھتے ہیں کہ مفروضہ مظالم کی داستان نہایت بلند آہنگی سے گائی جائے اور تہمت تراشی اور عیب گیری کا پروپگنڈا چار دانگ عالم میں کیا جائے تاکہ جو لوگ اپنے اثر میں ہوں اس قوم کو سرتاپا عیب سمجھکر اُس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوں اور کسی کے دل میں ان کی ہمدردی نہ رہے مگر وہ عقل کل (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا) توحید کا نعرہ بلند کرتا ہے تو تمام دنیا کو دوست سے دشمن بنا لیتا ہے۔ اُن سے چھپ کر بھی نہیں رہتا۔ سر میدان آتا ہے اور جانتا ہے کہ بُت پرست اور یہودی بھی دشمن ہیں مگر نسبتہً کمزور اور سب سے بڑی طاقت جو دنیا پر حاوی ہے اور اُس کی امیدوں کو معاذ اللہ پامال کر سکتی ہے وہ محض پرستاران مسیح کی ہے اُن سے بھی نبرد آزما ہونے کی ٹھان لیتا ہے اور اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو مسیحی سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیتا ہے۔ غرض سب سے زیادہ پالیسی برتنے اور عاقلانہ چال چلنے کا موقع ہے۔ اپنے ساتھیوں کو دشمن سے متنفر کرنے کی ضرورت ہے مگر پھر بھی انکے عیب ہی کو عیب کہتا ہے اور جس بڑے دشمن کو پامال کرنے کے لئے غصہ آتا ہے انکی دلی محبت اور رحم کی تعریف کرتا ہے انکی تواضع اور فروتنی کا ترانہ گاتا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِهِمْ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ط (ہم نے ان کے دل میں مہربانی اور رحم رکھا ہے) إِنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ (وہ تکبر نہیں کرتے) دشمنی برتنے کے وقت عیب و صواب کا ایسا امتیاز اور انصاف کا یہ خیال اگر فیض روح القدس نہ ہو تو

محض عقل سے پیدا ہوتے کبھی دیکھا؟ اس پر بھی بے واسطہ فیض ربانی اور براہِ راست ملکۂ نبوت کو کوئی نہ مانے تو اختیار ہے ان تمام مدارج کو محض عاقلانہ غور و تامل سے حاصل کرنے کی کوئی اور مثال یقیناً نہیں مل سکتی +

اختلاف مراتب نبوت

۸۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اسلام کوئی نیا مذہب یا جدید تعلیم نہیں لایا اور قرآن کریم بصراحت و تکرار دعویٰ کرتا ہے کہ جو کچھ کہا جاتا ہے پہلے بھی بارہا کہا جا چکا ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ط (ہم نے تم پر وحی کی جیسی نوح پر اور اس کے بعد اور انبیا پر کی تھی)، اور جب خدا ایک ہے تو وہ ایک ہی صداقت ہونی چاہیے جو ہر متنفس بلکہ ہر مخلوق پر روشن کی جائے۔ تفاوت جس قدر ہے وہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اثر قبول کرنے والوں (پیغمبروں) کی استعداد اور ان کے ماننے والوں کا طبعی میلان مختلف تھا۔ خدا کی ہستی کا اقرار اس کو تلاش کرنے کا جذبہ اور وسائل قرب کی جستجو فطرت میں ودیعت ہے۔ ان میں سے جس کی فطرت ذرا صاف ہوئی اس کے اندر یہ جذبہ اور جستجو کا شوق زیادہ نمایاں ہوا اور قلب میں جس قدر صفائی پیدا ہوئی اسی قدر صداقت کا نور چمکا اور اس نے اپنی استعداد کے مطابق جن الفاظ میں ممکن ہوا صداقت کو ظاہر کیا پس یہ شخص نبی ہے اور نور جو اس پر چمکا وحی ہے۔ رہے الفاظ سو مختلف مذاہب کی تعلیم میں غور کرنے سے میں اس نتیجہ پہنچا ہوں کہ بعض پیغمبروں اور بالخصوص ابتدائی زمانہ کے پیغمبروں پر صرف خیال نازل ہوتا رہا ہوگا اور لفظ اپنی اپنی استعداد کے موافق انہوں نے خود وضع کئے ہونگے یہی لوگ ہیں جنہوں نے استعارہ اور تشبیہ کے طور پر کبھی آگ کبھی ہوا کبھی کسی قوی ہیکل یا خوش ادا جانور اور کبھی کسی بالاتر انسان کے نام سے خدا کو یاد کیا اور ماننے والوں نے اپنے میلان طبعی سے واقعی انہی چیزوں کو معبود گردانا بعض پیغمبروں پر الفاظ بھی القا ہوئے مگر انکی استعداد ایسی قوی نہ تھی کہ صاف اور صریح کو اخذ کر سکتے یا یوں کہنا چاہئے کہ انکے دماغ میں ایسے الفاظ کا ذخیرہ موجود نہ تھا جن میں خدا کی ہستی اور مذہبی احکام کا القا صاف و صریح طور پر ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کی تعلیم سے باپ بیٹے کا رشتہ اور ایشور کے اوتاروں کا سلسلہ قائم ہوا یا توحید

ظاہر ہوئی بھی تو کئی طرح کے نقص باقی رہ گئے اور قدوسیت و کمال کا جلوہ جیسا چاہئے نظر نہ آیا۔

ہمارے حضرت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا کمال اور ختم نبوت کی فضیلت یہی کہ بات کہنے کو وہی ہے جس کو دیگر مذاہب کی حقیقی تعلیم اور ادیان سابقہ کا انتخاب کہیں مگر وہ ایسے معین مشخص صاف اور صریح؎ الفاظ میں ہے کہ نہ پیغمبر کی نسبت پیغمبری اور بندگی سے بالاتر عقیدہ کا خیال پیدا ہو سکتا ہے نہ کسی اور چیز کو خدا کے ساتھ شریک کر لے اور اس کی ذات کو کسی طرح کے عیب اور نقص سے آلودہ ماننے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور نیز وہ کلام اعجازی طور پر ایسا محفوظ اور مامون ہے کہ اس میں کسی طرح کی آمیزش خدائے برتر کی قدوسیت اور کمال کے خلاف ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے اور تعلیم کی یہ شکل ایسی ہے کہ لاکھوں دیوتاؤں اور پیغمبروں کی تعلیم سے مقابلہ کر کے کسی میں ایسی وضاحت اور ہر ہر لفظ اور نقطہ کی ایسی حفاظت نہ پاؤ گے پس کیا مبہم اور ہزارہا قسم کے شکوک پیدا کرنے والی تعلیموں کو وحی کہیں اور ایسی واضح اور صاف تعلیم پیش کرنے والے کو محض انتخاب کرنیوالا سمجھیں تو ظلم نہ ہوگا؟

؎ مثلاً جناب مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے خدا کی شفقت و رحمت ظاہر کرنے کے لئے اکثر باپ کا لفظ صادر ہوا اور بیشک باپ سے زیادہ شفقت غیر ممکن نہیں ہو سکتی لیکن ایک تو بعض باپ چڑچڑے اور سخت گیر بھی ہوتے ہیں اور جس شخص کو ایسے باپ سے سابقہ پڑا ہو اسکے دل میں باپ کے لفظ سے شفقت و رحمت کا خیال منقش نہیں ہو سکتا۔ دوسرے اس لفظ سے اشتباہ ایسا ہوا کہ مسیح علیہ السلام ابن اللہ سمجھے گئے اور توحید کا خون ہو گیا۔ ادھر تورات میں اکثر اسم ذات یہوا استعمال ہوا اور رحم و شفقت ظاہر کرنے کے لئے کسی خاص اصطلاح کو زبان زد نہیں بنایا تو وہ نرم دلی اور گرمی محبت جو خدا کے فضل و کرم کا خیال کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے بنی اسرائیل کو میسر نہ آئی۔ ہندو دھرم میں خدا کی شان میں بہت نفیس نفیس لفظ استعمال ہوئے مگر پیغمبر کیلئے کوئی خاص اصطلاح معین نہ ہو سکی انکو ایشور پرماتما کا اوتار کہا گیا سب میں خدائی عظمت اور الوہیت مانی گئی۔ ہمارے آقا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبان مبارک پر اپنے لئے عبد اور رسول جاری ہوا اور خدا کے لئے اکثر رب العلمین ربّنا اور ربّی کے الفاظ آئے اور اس کثرت سے استعمال ہوئے کہ جہاں عذاب کا ذکر ہو وہاں بھی اکثر اسی لفظ سے خدا کو یاد کیا گیا (اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ط) یہاں اشتباہ کا شائبہ نہیں اور رب کا لفظ پرورش کرنے اور شفقت رکھنے اور ہر وقت مربوب کے حال پر متوجہ رہنے کا جو مطلب ظاہر کرتا ہے کسی اور لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر تمام مخلوقات کا رب کہنے سے جو خیال جاندار اور بے جان دیندار اور بے دین پر مہربان ہونے کا ظاہر ہوتا ہے اور ہمارا رب یا میرا رب کہنے سے جو عشق و محبت کا جوش انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے اس کا ذریعہ رحمۃ للعالمین کے سوا کون ہو سکتا تھا (صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا)

کلام الٰہی اور کلامِ رسول کا تفاوت

۹- اس کے ساتھ ہم پر یہ حجت بھی قائم ہو چکی ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام کا بھی بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور وہ کلام پاک بھی بعینہٖ موجود ہے جو خدا کی طرف سے القا ہوا۔ دونو طرح کا کلام فصاحت کے لحاظ سے نورٌ علیٰ نور ہے مگر ہم بالبداہت دیکھتے ہیں کہ حضرتؐ کے اپنے کلام اور کلام ربانی میں جو حضرت کی زبان سے نکلا طرز ادا کے لحاظ سے زمین آسمان کا تفاوت ہے اور اگر دونو انسانی کلام ہوں تو دونو ایک شخص کے نہیں ہو سکتے

+ اعجازِ قرآن سے کوئی کیونکر انکار کر سکتا ہے۔ یہاں اپنی طرف سے بڑی کاوش کی تو چھ سات توجیہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارہ میں پیدا ہوئیں پھر دیکھا تو قرآن کریم میں ایک مختصر آیت کے اندر ان تمام دلائل کا خلاصہ مع کسی قدر اضافہ کے موجود پایا۔ ارشاد ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ یعنے غور کرو تمہارے پاس وہ رسول بھیجا گیا ہے (۱) جو خود تمہاری قوم کا ایک فرد ہے (ا) تم جانتے ہو اس کے اہل خاندان کس خیال کے تھے اس کے وطن میں کیا ہوتا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کیونکر بسر ہوئی۔ غرض اس کے گرد و پیش کیسی ہوا چل رہی تھی اور وہ خود ایک وقت پر اس کا کیسا مخالف نکلا (ب) تم جانتے ہو وہ کیسی راستبازانہ زندگی بسر کرتا رہا ہے تو اب کیوں اتنا بڑا فریب کرنے لگا کہ بغیر خدا کا حکم سنے اپنے تئیں اس کا پیغمبر کہے (ج) تم اس کے کلام کا طرز بھی جانتے ہو۔ ایسا اعجازی کلام کبھی پہلے بھی اس سے سنا تھا؟ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (۲) تمہاری تکلیف اور تمہارا ہلاکت کی طرف جانا اسے کیسا ناگوار گذرتا ہے اور وہ بیقرار ہو کر پکارنے لگتا ہے کہ آؤ آؤ جلدی اس آگ سے نکل بھاگو حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (۳) اسے تمہاری ہدایت کا اشتیاق ہی نہیں حرص ہے۔ تم اپنی طرف سے چالاکی کرتے ہو اور اسے پھسلانا چاہتے ہو وہ تمہاری نعمتوں کی طرف دیکھتا بھی نہیں اور جس بات کی اسے حرص ہے قرآن پڑھ کر وہی بات سنانے لگتا ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۴) وہ خدا والوں کا دل سے گرویدہ اور اس پر فدا ہے اگر ذاتی مفاد سے غرض ہوتی تو دوسروں کی محبت میں اپنے تئیں فنا کیوں کرتا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۵) اسکو کفار کے اعراض کرنے کے وقت خدا کا حکم ہے کہ اسی ذات کو اپنے لئے کافی سمجھے۔ وہ اس عقیدہ پر ایسا پختہ یقین رکھتا ہے کہ مخالفوں کی ریشہ دوانیوں سے ہراساں نہیں ہوتا اور کہتا ہے کہ یہ کام پورا ہو کر رہیگا عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ (۶) وہ کہتا ہے مجھے خدا پر بھروسہ ہے تو دنیا داروں کی چالوں سے کیا اندیشہ۔ دشمن کی بھلائی کو بھلائی کہتا ہے اور بدی کو بدی۔ کہ راستی ہی سے خدا مدد کریگا۔ وَهُوَ رَبُّ (۷) اس کا خدا پروردگار ہے اور پروردگار اپنے پروردگان کی خبر گیری سے کبھی غافل نہیں رہتا تو راستی کی طرف لے جانے کا اہتمام اس نے کیوں نہ کیا ہوگا۔ یہی اہتمام ہمیشہ الہام کی شکل میں ظاہر ہوا ہے تو اس کو مکمل کرنے سے اس نے کیوں درگذر کی ہوگی۔ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۸) خدا بڑی سلطنت کا مالک ہے تو اسکی سلطنت میں اسکے فرامین بھی نافذ ہوتے ہونگے سب سے بڑی ضرورت یعنے تکمیل ہدایت کیلئے کیوں کوئی فرمان نازل نہ ہو۔ اس آیت میں تمام دلائل نبوت جمع فرما دیئے ہیں۔ ایسی جامعیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے انسانی کلام میں اور دنیا کی کسی تحریر و تقریر میں نہیں ہے +

غرض اعتراض کرنے والا جان بوجھکر آنکھیں بند کر لے تو اور بات ہے۔ ورنہ انصاف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم حضرت کے واقعات زیست اور دیگر تمام مذاہب اور ان کے رہنماؤں کے واقعات دیکھنے سے یہ خیال کسی طرح بھی دل میں نہیں آسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مذاہب کا انتخاب کیا ہے اور معاذ اللہ خود منصب نبوت پر فائز نہ تھے +

معمولی اور پرزور کلام

معترض کہتا ہے کہ ایک ہی مصنف کا کلام مصنف کے مختلف حالات اور مختلف خارجی تحریکوں سے مختلف ہوسکتا ہے۔ قرآن و حدیث کا اختلاف بھی اسی قسم کا ہوگا۔ مگر یہ بھی محض توہم ہے۔ کیونکہ احادیث کے اندر حضرت کے قریبًا تمام زمانۂ نبوت کا کلام موجود ہے۔ کہیں گھر والوں۔ خادموں اور دوستوں سے بے تکلف گفتگو ہے کہیں آنے والے وفود (ڈیپوٹیشنز) کے سامنے تقریریں ہیں۔ کہیں ذی عظمت رؤسا کی مجلسوں کے خطبے کہیں عالی قدر بادشاہوں کے نام مراسلات کہیں جہاد وغیرہ دشوار عزیمتوں کی ترغیب دینے کا وعظ۔ کہیں نہایت درماندہ حالت کی دعائیں اور کہیں آخر عمر کی وداعی وصیتیں۔ غرض تمام معمولی اور پرزور کلام کے موقعے پیش آئے ہیں اور ان کی نقل موجود ہے۔ سب کی شان ایک ہے۔ اور قرآن کے طرز بیان سے جدا۔ ادھر قرآن بلکہ اس کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی بطور لکچر کے سنائے نہیں گئے تا اسے پرزور کلام کا نمونہ کہا جائے تیئیس سال کے لمبے عرصے میں ایک ایک اور دو دو آیتیں اتری ہیں اور وہ بھی کبھی کسی سورہ کی اور کبھی کسی سورہ کی اسطرح پر کئی کئی سورتیں بڑے بڑے عرصہ تک نامکمل رہی ہیں اور کبھی کسی میں کبھی کسی اور میں چند آیات کا اضافہ ہوتا رہا ہے اور پھر سب کو جمع کر کے دیکھا جاتا ہے تو باوجود سورتوں کے مختلف الالحان مختلف الوزن اور مختلف القوافی ہونے کے تمام کتاب اول سے آخر تک مرصع اور ایک ہی مصنف کی تصنیف معلوم ہوتی ہے اور سب کا انداز حدیث سے الگ۔ اتنا بڑا تفاوت ایک ہی شخص کے دو مبسوط اور مختلف کلاموں میں کبھی بھی نہیں ہوسکتا اور تم انشاء اللہ اسکی کوئی مثال پیش نہ کرو گے۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا نہ کر سکو گے اور ہرگز نہ کر سکو گے تو خدا کے خوف سے ڈرو +

روایت بالمعنے

معترض کہتا ہے کہ احادیث کی روایت بالمعنی ہے۔ یہ بھی یاروں کی ایجاد ہے۔ ورنہ کتب احادیث کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ رسول علیہ السلام کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمارے قابل فخر اسلاف نے بڑی کوشش کی ہے۔ خدا کو قرآن کریم کی اور دیگر احکام شریعت کی حفاظت منظور تھی اسے ایسی قوم پر اُتارا جس کا حافظہ تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ وہ لوگ سینکڑوں اشعار کے قصائد مجلس میں ایک بار سُنکر ازبر کر لیتے تھے تو جس رسول کے عاشق تھے کیا اسی کے الفاظ کو یاد کرنے کے وقت حافظہ کی نعمت سے محروم ہو جاتے ہونگے؟ میں مانتا ہوں کہ دفاتر حدیث مختلف لوگوں نے جمع کئے ہیں جن میں محتاط بھی سہل گیر بھی ہیں اور ان کے دفتروں میں رطب و یابس بھی کچھ ہے اور قرآن پاک کے سوا دنیا کی کسی کتاب کا حق نہیں کہ اس کے ہر لفظ کو من و عن تسلیم کیا جائے اور مانتا ہوں کہ بہت جگہ روایت بالمعنیٰ بھی ہے۔ مگر ہمارے بزرگوں کی صدہا سال کی سعی مشکور کی نسبت سخت ظلم ہوگا اگر کہا جائے کہ یہ دفاتر الفاظ رسول علیہ السلام کے جواہر پاروں سے بالکل خالی ہیں۔ نہیں ایسا ذخیرہ بھی بہت بڑا اور عظیم الشان ہے اور اگر قرآن معاذ اللہ آنحضرت کا اپنا کلام ہو تو احادیث کے وہ جملے ضرور اسی رنگ کے ہونے چاہئیں۔ مگر ایسا نہیں ہے ۔

توہم پرستی

اب ہم اُن مسائل کو دیکھتے ہیں جن کو توہم پرستی کا خطاب دیکر بزعم خود انکار نبوت کا ثبوت مانا گیا ہے مگر پہلے توہم پرستی کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے اور معلوم ہونا چاہیئے کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے اور نیز اور کون کون سے احکام مذہب پر توہم پرستی کا الزام عائد ہو سکتا ہے مثلاً نماز کسی شکل کی ہو سب اہل مذاہب خاص وقت پر پیشانی جھکاتے اور زمین یا میز پر رکھتے ہیں حالانکہ خدائے علیم و رحیم ہر حال میں انکی حالت کو دیکھتا اور دعا کو قبول کر سکتا ہے کیا یہ بھی توہم پرستی ہے جو بالخصوص مسلمان نماز پڑھتے ہیں تو ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں جس طرح دنیوی بادشاہوں کے سامنے کھڑے ہونیکا دستور ہے جھکتے ہیں پیشانی زمین پر رکھتے ہیں۔ دو زانو بیٹھتے ہیں۔ یہ سب حرکتیں ایسے شخص کی عنایت کو اپنی طرف مبذول کرنے میں بیشک کار آمد ہیں جو ظاہری حالت کو دیکھتا ہو۔ دل کے

بھید سے واقف نہ ہو مگر خدائے عالم الغیب کو پکارنے اور اُس کی رحمت کو اپنی طرف مبذول کرنے کیلئے ان حرکات کی کیا ضرورت؟ کیا یہ بھی توہم پرستی ہے؟ نماز سے پہلے غسل و طہارت اور وضو کی قید لگائی گئی ہے۔ حالانکہ جو حالتیں طہارت کے خلاف سمجھی گئی ہیں وہ سب خدا نے پیدا کی ہیں تو جس حالت میں خود خدا نے ہم کو مبتلا کیا ہے ہم اسی حالت میں اسے یاد کرنے لگیں تو کیا وہ ناراض ہو جائیگا یا ہماری آواز نہ سنیگا۔ کیا یہ بھی توہم پرستی ہے؟ عدالت میں قسم کھانے کے وقت یا کونسلوں میں ادائے فرائض کا عہد کرنے کے وقت گنگا جلی۔ بائبل یا قرآن کو ہاتھ میں لینے کا دستور ہے کیا وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے معاہدہ کو توڑنے سے یہ مقدس چیزیں ان کو نقصان پہنچائینگی اور خالی ہاتھ معاہدہ کریں تو اسکے توڑنے میں چنداں حرج نہیں اگر ایسا نہیں سمجھتے تو کیا یہ رسم فضول اور توہم پرستی نہیں؟ نہیں ان سب کے کچھ نہ کچھ فوائد ہیں ٭

توہم پرستی کی حقیقت

زبان سے اقرار کرکے پورا نہ کرنا گناہ ہے خواہ اقرار کے وقت کوئی مقدس چیز ہو یا نہ ہو۔ اس لحاظ سے قسم کے وقت قرآن اُٹھانا توہم پرستی ہے۔ مگر قرآن یا کوئی اور قابل تعظیم چیز ہاتھ پر دھرنے سے اس چیز کی عظمت کا خیال دل کو نرم کرتا ہے اور اس وقت جو معاہدہ کیا جاتا ہے۔ دل میں خود بخود اسکی پابندی کرنیکا عزم پختہ ہوتا ہے اور انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ بہت ہی شریر اور نا خدا ترس نہ ہو تو ایک مقدس چیز کو ہاتھ میں لیکر جو وعدہ کرتا ہے ضرور ہی اس کی پابندی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے اور جو اظہار کرتا ہے اس میں غلط بیانی سے ڈرتا ہے۔ اس لحاظ سے حلف کے وقت کا ایسا فعل توہم پرستی کے تحت میں نہیں آسکتا۔ اسیطرح جسمانی پاکیزگی اور صفائی کے بغیر بھی خدا کو یاد کریں تو اس کی رحمت مبذول ہو سکتی ہے اور اس لحاظ سے نماز کے لئے غسل اور وضو کی ضرورت نہیں لیکن گندہ پن اور نجاست سے جو نفرت انسانی فطرت میں ودیعت ہے اور ایسی حالت میں وہ اپنے تئیں جیسا حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اس کا اثر ہے کہ ایسے وقت میں خدائے قدوس کا نام اور مقدس کلمات حمد و صلوٰۃ زبان پر لانے کی طرف دل اس خوبی سے متوجہ نہیں ہوتا

جس طرح پاک و صاف ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے نماز کے واسطے طہارت اور صفائی کی شرط توہم پرستی اور بیہودہ کوشی میں داخل نہیں۔ علیٰ ہذا مسند و تکیہ پر امیرانہ شکل سے بیٹھنے والے کی آواز بھی خدا سن سکتا ہے اور آرام کرسی پر دراز ہونیوالے کی فریاد بھی اس کے دربار تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر ادب کے جو دستور طبیعت ثانیہ ہو چکے ہیں ان کے بغیر اور لاابالی شکل میں بیٹھنے یا لیٹنے کے وقت قلب پر خضوع و خشوع اور عجز و نیاز کی کیفیت طاری نہیں ہوتی اس لئے عبادت کے وقت وہی عاجزانہ ادائیں ضروری قرار دیگئی ہیں جو ہمارے دل کو متوجہ کرنے کی تاثیر رکھتی ہیں ٭

حج کانفرنس نہیں

اب حج کو دیکھو کہ وہ کیا ہے اور کس جگہ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ آجکل کا فیشن ہے کہ کانفرنس اور کانگریس سے تشبیہہ دیکر حج کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ بے شک حج سے یہ فائدہ بھی اگر حاصل کیا جائے تو ہو سکتا ہے لیکن حج محض اس غرض سے شروع ہوا ہوتا تو اُس کے مناسک میں کوئی نہ کوئی جزو باہمی مبادلۂ خیالات کا بھی رکھا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اور ہمارے مولا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اور موقعوں پر لوگوں کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا بھی ہے لیکن حج کے موقعہ پر ایسا نہیں کیا۔ نیز اگر یہی مدعا ہوتا تو جیسا کہ آجکل یورپ والے پان اسلام کا خواب دیکھکر ڈرا کرتے ہیں اگر واقع میں کسی دن مسلمانوں کو ایسی عقل آجائے اور تمام دنیا کے کلمہ گو فلسطین یا کسی اور جگہ کو منتخب کر کے سالانہ جلسہ کرنے لگیں تو کانفرنس کی طرح ہر سال جس مقام پر ایسا جلسہ ہوا کریگا وہی مقام مکہ کا نعم البدل قرار پائیگا اور وہاں کی حاضری حج سمجھی جائیگی۔ مگر اسلام کا یہ منشاء ہرگز نہیں اور وہ حج کیلئے مقام ابراہیم کے سوا کسی جگہ کو حرم کا درجہ عطا نہیں فرماتا تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ اس مقام میں کیا خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی اور مقام میں پائی نہیں جاتی۔ اسی خصوصیت میں حج کی غرض کو تلاش کرنا ہوگا اور اسی کی مناسبت ارکان حج میں ہونی چاہیئے۔

حق تعالیٰ نے وہ خصوصیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:-

طواف اور تقبیل

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کیلئے بنایا گیا ہے

لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى	وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ برکت والا ہے
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ	اور دنیا والوں کے لئے ہدایت کا باعث ہے
اِبْرٰهِيْمَ ۝ (پارہ ۴ آل عمران ع ۱۰)	اس میں روشن نشانات ہیں مقام ابراہیم ہے۔

مطلب یہ کہ مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرنے کے مندر اور معبد قدیم سے قدیم پائے جاتے ہیں مگر حج کا مقام وہ ہے جہاں محض خدائے قدوس کا نام لینے کیلئے دنیا کی سب سے پہلی مسجد بنائی گئی۔ مسجد کا بانی اور دنیا کے معلوم الاسم ہادیوں میں شرک و توحید کی بحث میں سب سے پہلا عقلی دلائل سے کام لینے والا پیغمبر جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد کو بنانے اور اپنی سب سے بڑی آرزو کو پورا کرنے کے بعد شکر گزاری کے جذبہ میں محو اور ذوق شوق کی لذت سے مست ہو کر بے اختیار مسجد کے گرد پھرتا ہوگا۔ دل کے جوش سے خدائے قدوس کا نام پکارتا ہوگا اور پہلے پہل ایک ایسے گھر کو تیار دیکھکر جو ذاتی آسائش کیلئے نہیں خاص خدا کا نام لینے کے لئے بنایا گیا ہے اور انسان کا گھر نہیں خدا کا گھر ہے اس کے در و دیوار سے لپٹتا ہوگا۔ فرط شوق سے کسی جگہ بوسہ دیتا ہوگا اور کہیں بعینہ جسطرح لوگ گنگا جلی یا قرآن ہاتھ پر رکھکر وعدہ کرتے ہیں وہ وہاں کے اینٹ پتھر پر ہاتھ رکھکر لَبَّيْكَ ط یا رَبِّ لَبَّيْكَ ط کے الفاظ میں اپنے حاضر رہنے کا عہد کرتا ہوگا اور اپنے لئے اور اپنی اولاد و متبعین کیلئے توحید پر قائم رہنے اور اس گھر میں خدا کا نام لینے کیلئے حاضر ہونیکی توفیق طلب کرتا ہوگا غرض اظہار عجز و نیاز کی یہی پہلی شکل ہے۔ جو خدا کے حضور میں اس مسجد کے اندر ظہور میں آئی اور یہی سنت ابراہیم ہمارے لئے فرض ٹھہری۔ ویسے بھی تو کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں وہاں اپنے پہلے ہادی کی تقلید میں چل پھر کر وہی حاضری اور دعا کے کلمات ادا کرتے ہیں یہاں کاغذ پر نقش کئے ہوئے حروف (قرآن) ہمکو خدا کی یاد دلاتے ہیں اور انکو ہاتھ میں لیکر کانپتے ہوئے اپنے وعدہ پر قائم رہنے کا عزم کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام در و دیوار اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات انسان کے دل کو خدا کی عظمت و جلال کے آگے پانی

ط حجر اسود ہی بوسہ دینے کے لئے مخصوص نہیں ہر رکن یمانی کو بھی چومتے ہیں اور بعض احادیث سے کعبۃ اللہ کے دیگر ارکان کو بھی بوسہ دینا ثابت ہوتا ہے اور یہی جناب خلیل اللہ کی فرط ذوق و شوق کی یادگار قائم رکھی جاتی ہے۔

کرتی ہے اور وہ ایک مقام پر جو اس کام کیلئے مخصوص کیا گیا ہے ہاتھ رکھکر یا بوسہ دیکر عہد کرتا ہے کہ میں توحید پر قائم ہوں اور تیرے نام کی تقدیس کرتا رہونگا +

جنتی پتھر

معترض کہتا ہے کہ حجر اسود شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہے جو آسمان سے گرا اور لوگوں نے جنت کا پتھر سمجھکر تعظیم شروع کردی یہ توہم پرستی ہے مگر حج کے تمام مناسک معاذ اللہ توہم پرستی سہی، یہ بھی تو توہم پرستی کی ایک بے نظیر مثال ہے کہ بے ثبوت بات پر بطور امر واقع کے یقین کریں۔ اس کی شہادت کیا ہے کہ حجر اسود آسمان سے گرا تھا اور وہ شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہے کیا کسی مورخ نے ایسا واقعہ لکھا ہے کہ جس طرح جہانگیر کے زمانے میں بڑی بھاری آواز کے ساتھ ایک تپتا ہوا پتھر گرا اور جہانگیر نے اسکی تحقیق کرائی تو وہ لوہا ثابت ہوا جس کی تلوار بنوائی گئی اور بہت عمدہ تلوار بنی۔ کیا کسی سنہ کا ایسا واقعہ عرب کے اندر کسی پتھر کے گرنے کا موجود ہے یا کوئی ایسا شخص گذرا ہے جس کو معترض نہیں مانتا ہی اور اُس نے وحی سے معلوم کیا ہے کہ حجر اسود شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہے۔ لوگوں میں ایک روایت مشہور تھی کہ یہ جنتی پتھر ہے عیسائی مصنفین کا تخیل مصروف کار ہوا اور سمجھے کہ شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہوگا پھر جولانی طبع نے "ہوگا" کو "ہے" سے بدل دیا۔ ایسے محققوں کی بات پر ایمان لانیوالوں کی کمی نہیں یقین کرلیا کہ واقع میں شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہے۔

ورنہ ایسی روایتوں کی وجہ دیکھنی ہو تو یہ خیال کیوں نہ کیا جائے کہ حضرت ابراہیم اس مسجد کے بانی ہیں اور ان ہی کے بہت سے اعمال و عادات کو حج کے ارکان ٹھہرایا گیا ہے انکا دعا مانگنا یقینی ہے اور دعا و عبادت کیلئے کسی خاص جگہ کا مقرر کرلینا بھی انسان کی عادت ہے اب بھی بعض پابند وضع بزرگوار مسجد میں کوئی جگہ مقرر کر لیتے ہیں اور جاکر وہیں بیٹھ جاتے ہیں حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کعبۃ اللہ میں اس پتھر سے سہارا لیکر کھڑے ہو جاتے ہونگے یا جس طرح ہم قرأت کے بعد قرآن کو چوم لیتے ہیں وہ اس پتھر پر بوسہ دیکر عبادت سے

+ امام غزالی رح احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت یہ خیال ہونا چاہیئے کہ وہ خدا سے اس کی اطاعت کرنے کا عہد کرتا ہے اور یہ کہ حضرت ابن عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حجر اسود کو ہاتھ سمجھکر اور ہاتھ پر ہاتھ رکھکر قول دیا جاتا ہے +

فارغ ہونے لگے۔ ان کے متبعین میں اپنے رہنما کی عادت مستمرہ کو دیکھکر بالطبع اس پتھر سے شغف ہوگیا ہوگا آگے یہ تمام فدائیانہ شغف کے کرشمے ہیں کہ جس چیز کو مقدس سمجھتے ہیں اسے تمام دنیا سے بالاتر مان لیتے ہیں۔ اسے زمین کی بجائے آسمان کا پتھر مانا گیا تو ہندوستان کے بعض بزرگ خاندان خود سورج اور چاند کی اولاد سمجھے گئے پتھر شہاب ثاقب سے گرتا بھی ہے۔ انسانی نطفہ اوپر سے آتے کس نے دیکھا؟ جس طرح یہ بزرگی اور عظمت کی فدائیانہ تاویل ہے اسیطرح اس پتھر کی نسبت جنت سے نازل ہونیکا خیال قائم کرلیا پس ان زوائد کو حذف کیا جائے تو بنائے ابراہیم اور سنت ابراہیمی ایک یقینی واقعہ رہ جاتا ہے۔ پتھر پر ہاتھ رکھنے یا بوسہ دینے کا دستور بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایجاد ہوگا جس کی وجہ ہمارے آقا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی کہ ہاتھ رکھکر معاہدہ کو پختہ کرنا مقصود ہے۔

تعظیم اور بت پرستی

دوسرے اگر وہ بالفرض شہاب ثاقب کا ٹکڑا ہے تو پھر بنا بنایا جنت کا پتھر ہے۔ ہماری ضرورتیں جہاں ہماری اپنی کوشش سے پوری ہوں وہ دنیا ہے اور جہاں ہماری کوششوں کے بغیر پوری ہوں وہ جنت۔ کعبۃ اللہ میں اپنے ایمان کا قول دینے کے لئے کوئی چیز مطلوب تھی۔ شہاب ثاقب کا ٹکڑا آپڑا جس کو نہ کسی گنہگار نے پامال کیا نہ کسی نجاست سے آلودہ ہوا اس سے زیادہ پاک اور کیا چیز ملتی وہ خاص الخاص جنتی پتھر ہے اور ہم نے ایک مقدس غرض کیلئے بیت اللہ میں نصب کردیا۔ کہو اس میں کیا قباحت ہے اگر وہ شہاب ثاقب کا ٹکڑا نہیں وہیں کے کسی غار سے نکلا ہوا پتھر ہے جب بھی اس سب سے پاک مسجد میں لگا دیا اور اس سے عہد کرنیکی غرض وابستہ ہوئی تو کیا مضائقہ؟ جو عزم کسی مقدس چیز پر ہاتھ رکھنے یا بوسہ دینے سے پیدا ہوتا ہے وہی عزم اس پتھر پر ہاتھ رکھنے سے پیدا ہوجائیگا اور جس طرح کاغذ کا دستہ جس پر قرآن لکھا ہوا ہے ہاتھ رکھنے اور بوسہ دینے سے ہمارا معبود نہیں ہوگیا اور ہدایت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے مقدس سمجھا جاتا ہے اسیطرح پتھر بھی ہمارا معبود نہیں۔ کتابوں میں یہ کتاب ہدایت کا سرچشمہ ہے تو مکانوں میں وہ مکان ہدایت کا منبع۔ ہماری محبت دونوں سے وابستہ ہے اس کاغذ کا ایک ایک پرزہ اور اس در و دیوار کا ایک ایک ذرہ ہمارے دلکو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

یہ قانون عقل نہیں۔ قانون محبت ہے۔ کہ محبوب کی طرف منسوب ہونیوالی ذلیل سے ذلیل چیز بھی عشاق کی نظر میں عزیز سے عزیز ہوتی ہے۔ ہاں محبوب کی چیز کو خود محبوب سمجھ لینا کفر ہے اور ہزار ہزار رحمت ہو ہمارے ہادی برحق (صلوٰۃ اللہ علیہ) پر کہ آنحضرت کی تعلیم سے ہم اس کفر کے مرتکب نہیں ہو سکتے ہم معبد اور معبود کی طرف لے جانے کے ذرائع میں پوری تمیز رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا قدیم اور خدا کا کلام قدیم اور قرآن خدا کا کلام اور وہ بھی قدیم ہے مگر باوجود اس کے ان اوراق کو جن پہ خدا کا کلام لکھا ہوا ہے اور اُن نقوش و حروف کو جو کلام الٰہی کی نقل ہیں ہم مخلوق مانتے ہیں معبود نہیں سمجھتے۔ اس کی طرف سجدہ نہیں کرتے اس سے مراد نہیں مانگتے تو وہ پتھر جو مسجد میں لگا دیا گیا ہے ہمیں کیونکر دھوکا دے سکتا ہے مسجد میں ہونے کی وجہ سے ہم اسکو پاک سمجھتے ہیں لیکن جناب فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان میں پکار کر کہتے ہیں کہ وہ ایک پتھر ہے اور ہمیں کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا‘‘۔

بجا و بیجا استعمال

پھر سوچا وہ پتھر کہیں سے آیا اور اس کی تعظیم کیسی ہی توہم پرستی سے شروع ہوئی۔ ہم مسلمانوں کے تمام عقائد اور اعمال کا ماخذ نبی عرب صلوٰۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے اور حضرت نے ہمیں فرما دیا کہ تم اس پتھر کو فلاں غرض کے واسطے استعمال کر دیں بس ہمارے لئے پہلی سب باتیں کالعدم اور جو ہدایت ہمارے ہادی (صلوٰۃ اللہ علیہ) نے دی ہے اس کا اتباع واجب۔ اسے بے جان پتھر سمجھتے ہیں اور اس پر ہاتھ رکھکر خدا سے معاہدہ کرتے ہیں ہماری اس نیت اور اس عمل میں دیکھو کیا قباحت ہے۔

معترض کو غصہ آتا ہے کہ اسلام نے پتھر کی عزت پر دوام کی مہر لگا دی۔ مگر خدارا کوئی بتائے وہ کونسی ناواجب اور مشرکانہ عزت کی مہر لگائی گئی۔ کیا مسلمانوں نے اسے قاضی الحاجات سمجھا؟ اس کے آگے سجدہ کیا؟ اس سے مرادیں مانگیں؟ غیر اسلامی اثر نے مسلمانوں سے تعزیہ کے آگے سجدہ کرایا۔ قبروں سے مرادیں منگوائیں مطلب یہ کہ مشرکانہ ترغیب ہو تو مسلمان بھی شرک کرنے لگتے ہیں۔ مگر حجر اسود کے سامنے کسی مشرکانہ فعل کا رواج نہ ہوا تو وجہ کیا کہ اس پتھر کی نسبت شرک آمیز تعظیم ہی نہیں دیگئی۔ بت خانہ سے ایک ٹھاکر کی مورتی اکھاڑ لائیں اور صحن مسجد میں فرش کے اندر لگا دیں تو اس قدر تعظیم اس کی بھی کرینگے کہ جوتا لیکر نہ چڑھینگے

اس پر پاخانہ پیشاب نہ کرینگے کسی اور جگہ نماز پڑھیں تو جگہ کی طہارت و نجاست کا خیال کرنا ہوگا مگر اس مورتی پر بے تکلف سجدہ کر دینگے۔ کیا اس فعل سے اور بت پرستی کی اتنی تعظیم سے ہم بت پرست ہو گئے؟ اگر نہیں ہوئے تو جس پتھر کو کفار عرب معظم سمجھتے تھے آسمانی ہونے کے خیال سے ہم نے اس کو ذریعہ حلف ہونیکا اعزاز دیا تو کونسا شرک کیا کیا کسی چیز کے بیجا استعمال سے وہ چیز ہی ایسی نجس ہو گئی کہ جائز استعمال کے قابل بھی نہ رہی کیا تلوار بے گناہ کی گردن پر چلنے سے ایسی ناپاک ہو جاتی ہے کہ اسکو مظلوم کی حمایت میں بلند کرنا بھی جائز نہ ہوگا ٭

حجر اسود کی آنکھ اور زبان

معترض کو تعجب ہے کہ قیامت کے دن حجر اسود کی آنکھ اور زبان ہوگی۔ مگر کیا نرگسین چشم محبوب کو ہی آنکھ ہونے کی عزت حاصل ہے یا جادو بیان لیکچرار ہی زبان رکھتا ہے۔ دوستو! ہماری آپ کی آنکھ اکثر دھوکا کھاتی اور زبان اکثر دھوکا دیتی ہے مگر ایسی چیزوں کی آنکھ اور زبان سے غلطی کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ شہر کے جس رستہ سے بارش کا پانی گذرتا ہے کیا کسی نے اُس کی آنکھ اور زبان نہیں دیکھی؟ وہاں سے ایک انچ پانی گذرے یا دس فٹ وہ پانی کی مقدار کو دیکھنے اور اس کا اندازہ بتانے میں کبھی غلطی نہیں کرتا یعنے جو نقش اس پر ایک انچ پانی کے بہنے سے ہوا ہے ایک گھونٹ کم یا زیادہ ہو تو وہ نقش نہ ہوگا۔ مگر ہاں ہم نے غلط کہا ہمارے کان اور آنکھ میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی بتائی ہوئی مقدار کو من و عن سمجھ لیں لیکن حجر اسود کی آنکھیں جن لوگوں کو ہاتھ لگاتے اور بوسہ دیتے دیکھتی ہیں اور اس کی زبان جس شہادت کو ادا کریگی اس کو سمجھنے والا قادر مطلق ہے۔ وہ حجر اسود کے ہر ایک نقش اور ہاتھوں اور لبوں کی ہر ایک ضرب کو جو اس پر لگی ہے جانتا ہے یہی تو وہ مسئلہ ہے جس کو آج سائنس یقینی طور پر مانتی ہے کہ انرجی (طاقت) کبھی ضائع نہیں ہوتی اور جو ہلکی سی ضرب انگلی سے آپ میز پر لگائیں اسکا اثر انگلی پر اور میز پر اور تموج جو ہوا میں پیدا ہوا ہے اس کا سلسلہ ابدالآباد تک قائم رہیگا ہم آنکھ نہیں رکھتے مگر خدا ان سب اثروں کو دیکھتا اور اثر پیدا کرنے والے کو جانتا ہے اور یہی وجہ ہے جو کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہمارے ہاتھ اور پاؤں اور دیگر جوارح ہمارے اعمال کی شہادت دینگے یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ اس دن ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور انکے پاؤں انکے خلاف ان کی بداعمالیوں کی شہادت دینگے۔) اور شہادت یہی ہے کہ جو اثر ہم نے اپنے اعمال سے اپنے اعضاء پر اور طواف کرنے کی گردش سے فضا میں اور بوسہ دینے سے حجراسود پر کیا ہے وہ قیامت تک باقی رہیگا اور ہمارے عمل کا ثبوت ہوگا۔

سعی کا ماخذ

مکہ معظمہ میں سب سے معظم اور مقدس یادگار مسجد الحرام ہے۔ مگر صرف یہی یادگار نہیں وہاں مذہبی وارفتگی کے بہت منظر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا حکم ہوتا ہے کہ اپنی پیاری بیوی اور شیر خوار لخت جگر کو یکہ و تنہا ایسے جنگل میں چھوڑ آؤ جہاں کوسوں تک آب و گیاہ کا نام نہ ہو۔ وہ تیار ہو جاتے ہیں۔ بچہ شیر خوار ہے اسے کیا خبر مگر بیوی اولوالعزم پیغمبر کی ہمخوابہ ہے۔ وہاں کا ہیبت ناک منظر دیکھتی ہی لیکن شوہر کی اطاعت اور حکم خداوندی کی تعمیل سے انکار نہیں کرسکتی۔ لق و دق میدان میں بچے کو چھاتی سے لگا کر بیٹھ جاتی ہے مختصر خوراک اور پانی جو ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے تو بھوک اور پیاس کی تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کا عزم کرتی ہے لیکن چھاتی میں دودھ نہیں رہتا اور بچہ بلکنے لگتا ہے تو بشریت کا تقاضا اضطراب کی شکل اختیار کرتا ہے۔ بچے کو زمین پر لٹا کر پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑاتی ہے۔ کبھی ایک ٹیلہ پر چڑھتی ہے کبھی دوسرے پر۔ یہ منظر اپنی ضرورت کیلئے جائز کوشش کرنیکا سبق ہی اور ساتھ ہی یہ ہدایت کہ جبتک فضل ربانی شامل حال نہ ہو انسانی کوشش کچھ نہیں کرسکتی اور وہ چاہے طرفۃ العین میں رحمت کا دریا بہا دے۔ خدا کو اسی بربادی کے اندر سے آبادی کا جلوہ دکھانا تھا اور خداشناسی کے تخم سے جو بیکس ضعیفہ کے دل میں بویا گیا تھا ارشاد و ہدایت کا تناور درخت پیدا کرنا تھا وہ دیوانہ وار پہاڑوں پر دوڑتی پھرتی ہے ادھر بچہ کے پاؤں تلے آب خوشگوار کا چشمہ پھوٹ نکلتا ہے۔ دور سے دیکھتی ہے تو سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کہتی ہوئی لپکتی ہی اور اپنی پیاس بجھاتی ہی اور بچہ کو دودھ سے سیراب کرتی ہے۔ کچھ عرصہ میں وہی بے آب و گیاہ جنگل ادھر ادھر کے خانہ بدوشوں کا مسکن ہو جاتا ہے۔ بیوی بچہ کو چھوڑ کر جانیوالا خبر لینے آتا ہے تو قدرت کاملہ کا تماشا دیکھ کر حمد و شکر کا ترانہ گاتا ہے۔ اور عزیز بچہ کو چھاتی سے

لگاکر کلیجہ ٹھنڈا کرتا ہے ۔

رمی جمار کا ماخذ

خدا کا عشق اور مخلوق کی محبت ایک دل میں جمع ہو تو غیرت ربانی جوش میں آتی ہے۔ بچہ کی محبت دیکھکر آزمائش کا ہونا ضرور تھا۔ بچہ ہوشیار ہو گیا ہے۔ دوڑتا پھرتا ہے۔ شیریں کلامی اور خوش اطواری سے ماں باپ کو خوش کرتا ہے۔ حکم نازل ہوتا ہے کہ خدا کے نام پہ بچے کو قربان کرو۔ عشق ربانی میں فنا ہونے کی یہ مثالیں اور کہاں نظر آئینگی۔ باپ بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے نکلتا ہے۔ آسمان زمین میں تہلکہ پڑ جاتا ہے۔ روحانیوں میں شور اٹھتا ہے۔ شیطان بھی انسان کے ساتھ ہے وہ بہکانے کے درپے ہوتا ہے۔ اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنیکی مذمت کرتا ہے اور رحم و شفقت کا واسطہ دیتا ہے اور نہ صرف باپ کو بلکہ بیٹے کو بھی بہکانے اور باپ کے حکم سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شیطان کو پرانی اصطلاح میں ایک جداگانہ مخلوق مانو جو دل پر تصرف کرتی ہے۔ یا معقول پسندوں کی زبان میں بدی کی طرف لیجانیوالی خواہش کہو۔ کچھ بھی کہو وہ شیطان ہے اور اس کے تصرف سے نکلنا آسان نہیں مگر باپ تو ابو الانبیا تھا ہی بیٹا بھی پیغمبر کا بیٹا اور پیغمبر بننے والی روح ہے۔ وسوسونکا وہاں کیا اثر۔ چنانچہ دونو اس کے وسوسونکو دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ باز نہیں آتا تو جھنجھلا کر فرط غیض سے ہاتھ کے ساتھ بھی وہی حرکتیں کرتے ہیں جو کسی شخص کو بھگانے کیلئے دھکا دیکر اور پتھر مار کر کیجاتی ہیں۔ ایسا خیال چلتے چلتے تین بار دل پہ وارد ہوتا ہے اور تینوں دفعہ اسکو دور کرنیکی حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ یہ رمی جمار یعنے کنکر مارنے کی اصلیت ہے اور خدا کے حکم پہ قائم رہنے اور اپنے جذبات اور خواہشونکو دبانے کا بے مثال واقعہ۔

سعی اور رمی جمار کی حکمت

حج کا مدعا اطاعت خداوندی کی ایسی ایسی اعلیٰ و بے نظیر مثالوں کو یاد دلاتا ہے۔ قصہ کہانیوں کا اثر جو کچھ ہوتا ہے معلوم۔ ہم وہاں جاکر خود صفا مروہ پر دوڑتے ہیں۔ انسانی کوششونکا نقشہ پیش نظر ہوتا ہے۔ سامنے چاہ زمزم رحمت ایزدی کی موجیں دکھاتا ہے۔ رمی جمار کرتے ہیں سب سے بڑے راستبازونکا رویہ یاد آتا ہے اور ان کی تقلید میں خدا کی اطاعت کے اندر اپنی جان مال اور اولاد کی

محبت سے دست بردار ہونے اور شیطانی وساوس سے نفرت کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے لَبَّیْكَ یَا رَبِّ لَبَّیْكَ کہتے ہوئے سنت ابراہیم پر کاربند ہونے کی دعا مانگتے ہیں اور قربانی کے ساتھ اس مذہبی ڈرامے کو ختم کرتے ہیں۔ یورپ کے نوجوان ڈراموں کے اندر کروسیڈ کے ہیروز کی نقل کرتے ہیں اور بھارت ورش کے بلونت مہابھارت کے سورماؤں کا سوانگ بھرتے ہیں اور قومی جوش پیدا کرنے کا ذریعہ جانتے ہیں۔ ہم حج کے اندر نفس و شیطان سے جہاد کرنیوالے اور راہِ خدا میں جان دینے والے بہادروں کے کارناموں کو زندہ کریں تو کونسا جرم ہو گیا۔ ناٹکوں میں چند ایکٹر سوانگ بھرتے ہیں باقی تماشہ دیکھتے ہیں کھیل بنجاتا ہے۔ وہاں نہ کوئی تماشہ دیکھتا ہے نہ کسی کو دکھاتا ہے۔ ہر شخص اپنے فعل سے اپنے تئیں فنا فی العشق کا سبق دیتا ہے اور ایک ہی رنگ میں رنگین ہونیکی وجہ سے روحانی لہر برقی رو کی طرح دلوں کو روشن کرتی اور گذشتہ گناہوں کی آلودگی سے پاک کر دیتی ہے۔ معرفت ربانی کی جن شاندار روایتوں کو تازہ رکھنے اور مشعل راہ ہدایت بنانے کیلئے حج فرض ہوا ہے یہ بندے ان ہی کو بے معنی کہتے ہیں۔

جو بات سمجھ میں نہ آئے اُسے لغو اور بے معنی کہدینا آسان ہے۔ مگر جو کام بامعنے اور مفید کہلاتے ہیں ان سے مقابلہ کرو اور دیکھو کہ ایک انڈیا کا گریجوایٹ مسلمان کوٹ پتلون پہنے چھڑی ہاتھ میں لئے سیٹی بجاتا ہوا عرفات کے میدان میں آنکلتا ہے کچھ ترک۔ کچھ مصری۔ کچھ جاوی اور کچھ بخاری جنٹلمینوں کو لے کر کانفرینس کا اجلاس منعقد کرتا ہے کچھ سیاسی۔ کچھ تمدنی اور کچھ مذہبی قطع و برید دلچسپ ریفارم کے ریزولیوشن پاس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ حج ہو گیا۔ اُدھر پرانی طرز کے سیدھے سادھے مسلمان امیر و غریب ننگے سر ایک لباس اور یکسان* سادہ وضع میں طواف کرتے ہیں حمد و ثنا کے الفاظ زبان پر ہوتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کا خیال دل میں۔ حجر اسود کو بوسہ دیکر یا ہاتھ لگا کر دعائے ابراہیم کے پورا ہونے کی التجا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں

---

* احرام کا لباس اور اس کی وضع ابراہیمی زمانے کی نقل ہے۔ ایک چادر نیچے اور ایک چادر کندھوں پر۔ سر برہنہ اور بال بڑے۔ حضرت ابراہیم کا اور ان کے زمانے کا دستور تھا۔

سعی صفا و مروہ کے وقت ایک باخدا ضعیفہ اور شیر خوار بچے کی صحرائی زندگی کے مصائب اور پھر رحمت ایزدی کا نزول یاد آتا ہے۔ رمی جمار کے وقت باپ کے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری رکھنے کا واقعہ اور انسانی طبیعت اور محبت خداوندی کے مابین کشمکش ہونے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ قربانی کرتے ہوئے اس کا فضل و کرم یاد آتا ہے جس نے بے نظیر آزمائش کے صلہ میں بیٹے کی جگہ جانوروں کی قربانی منظور فرمائی اور ہم گنہگاروں کیلئے اپنی راہ میں اولاد کے بجائے صرف مال سے دست بردار ہونا کافی قرار دیا۔ کانفرنس کرنے والے نے ریزولیوشن پاس کئے اچھا کیا (خدا کرے انکو ریزولیوشن یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی عادت بھی ہو) مگر خدارا انصاف سے بتاؤ کہ مذہبی جذبہ کو زندہ کرنے اور محبت ربانی کے خیالات کو ابھارنے کا فائدہ اُس جنٹلمین کو ہوا یا اُن سادہ مسلمانوں کو؟

اِشعار قربانی حج کے خاتمے پر ہوتی ہے مگر اسکی تیاری اور جانور مہیا کرنیکا کام پہلے سے کرنا پڑتا ہے اور قریب تر ممالک کے حجاج اکثر ایسے جانور ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ دستور قدیم سے تھا اور کفار عرب اگرچہ کشت و خون کے دلدادہ اور غارت گری میں دلیر تھے مگر ایسے جانوروں کو لوٹنے سے اجتناب کرتے تھے اور نشان یہ مقرر تھا کہ جس جانور کے کوہان یا شانہ پر زخم ہوا اور گلے میں ایک چمڑے کا ٹکڑا لٹکا ہوا ہو وہ قربانی کا جانور سمجھا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ سے پہلی دفعہ مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے ہیں اور جس سفر میں بیعۃ الرضوان کا واقعہ پیش آیا ہے صرف اس سفر میں مروی ہے کہ حضرت نے جانوروں کے کوہان پر دائیں جانب زخم دیا اور گلے میں چمڑا لٹکایا۔ زخم کرنے کو اشعار اور چمڑا لٹکانے کو تقلید کہتے ہیں۔ دوسرے سفر میں عمرۃ القضا کو تشریف لے گئے ہیں تو حلبی کہتا ہے کہ اشعار کرنا مروی نہیں البتہ تقلید کی گئی تیسرے عمرہ میں جو فتح مکہ کے بعد مقام جعرانہ سے جا کر کیا ہے۔ قربانی کو ساتھ لے جانے کا ذکر نہیں۔ چوتھے سفر یعنے حجۃ الوداع میں نہ اشعار کا ذکر ہے نہ تقلید کا حالانکہ قربانی کے ۶۳ جانور حضرت کی ذات خاص کے ہمراہ تھے۔ غرض پہلی بار اشعار و

تقلید دونو۔ دوسری بار محض تقلید کی گئی۔ بعد میں دونو کا ذکر نہیں اور واقع میں جس قدر اسلام کا زور بڑھتا جاتا تھا راہ میں غارت گری کا اندیشہ کم ہوتا جاتا تھا۔ اس بنا پر امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اشعار ہدی (قربانی پر نشان لگانا) ایک وقتی ضرورت کا فعل تھا۔ بعد میں ضرورت نہ رہی تو اب جانور کو بے وجہ زخمی کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے ؛

اشعار اور رمل

امام اعظم کے سوا اکثر ائمہ دین (رحمہم اللہ) اس فعل کو سنت یا مستحب کہتے ہیں۔ اس سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ضرورت کے واسطے اور نہب وغارت سے بچانے کے لئے یہ فعل کیا گیا تھا مگر فعل رسول علیہ السلام سمجھکر اس کو ہمیشہ بجا لانے کا حکم دیتے ہیں جیسے رمل یعنی طواف کعبہ میں جلد خرامی کا حکم ایک مصلحت خاص کے لئے دیا گیا تھا۔ لیکن باوجود ضرورت نہ رہنے کے سب کے نزدیک دائمی سنت سمجھا جاتا ہے۔ ہم پر نہ امام ابی حنیفہ کی تقلید فرض ہے نہ معاذ اللہ دیگر ائمہ اسلامؒ سے نفرت۔ مدعا حکم رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سمجھنے اور اس پر کاربند ہونے سے ہے۔ اور اس مسئلہ میں جو استدلال امام اعظمؒ کی طرف سے پیش ہوتا ہے۔ قوی تر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو سفر حدیبیہ کے سوا اس فعل کا صدور خود آنحضرت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مروی نہیں۔ دوسرے قرآن کریم لغو یعنے بے فائدہ کام کو ترک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۵ (وہی فلاح پانے والے ہیں جو لغو سے بھی اعراض کرتے ہیں) رمل کا مسئلہ اس کی ضرورت عمرۃ القضا میں پیش آئی تھی جبکہ مکہ معظمہ پر کفار کا تصرف تھا اور وہ مسلمانوں کی آہستہ خرامی کو اُن کے ضعف ونقاہت پر محمول کرتے اور اُن پر غالب آنے کی خوشی مناتے تھے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر رمل کا حکم دینے کے علاوہ حجۃ الوداع میں بھی رمل کیا جبکہ کفار کی بیخ کنی ہوچکی تھی اور کوئی مسلمانوں کی کمزوری پر ہنسنے والا نہ رہا تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ فعل رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے نہیں ہوسکتا اور اس وقت

شماتت کفار کی مصلحت باقی نہ رہی تھی تو ضرور کوئی اور وجہ ہوگی اور اپنی استطاعت کے موافق اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر رعب ڈالنے کے علاوہ تیز خرامی سے ذوق شوق کا بھی اظہار ہوتا ہے کسی قابل تعظیم بزرگ کی خدمت میں بیٹھنا یا کھڑے ہونا ہو تو سر جھکانا نظر کو نیچی رکھنا اور عجز و مسکنت کا اظہار کرنا مقتضائے ادب ہے لیکن اسی بزرگ کے کسی حکم کی تعمیل چلنا پھرنا ہو تو اس وقت کی آہستہ خرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید وہ اس کام کو کرنا نہیں چاہتا اس لئے اطاعت شعار بندہ بے اختیار یا عمداً اپنی حرکات سے رغبت و شوق کا اظہار کرتا ہے اور جو کام کرنا ہو اُس کی طرف تیزی سے لپکتا ہے۔ نیز چلنے سے تکلیف ہو جب بھی پہلے چند قدم ضرور جلدی اُٹھاتا ہے۔ بعد میں رفتار کو نرم کر دے تو سمجھتا ہے کہ معذور سمجھا جائے گا۔ ہاں متانت کو بالکل چھوڑ دینا اور لمبے ڈگ بھرنا اس وقت بھی نازیبا ہوتا ہے۔ یہی کیفیت نماز اور طواف کی ہے کہ نماز میں عجز و تضرع کے لئے فروتنی کا اظہار مناسب سمجھا گیا ہے اور طواف میں چست خرامی کو جو متانت اور خوش رفتاری سے ملی ہوئی ہو شوق و محبت کا نشان قرار دیا گیا ہے اور وہ بھی سات چکروں میں سے صرف پہلے تین میں جیسے بالعموم آقا کے سامنے فرمان پذیر غلاموں کی عادت ہے پس اس فعل کا ارتکاب کبھی بھی لغو نہیں ہو سکتا ٭

اخروی فائدہ پہلے اور دنیوی مفاد پیچھے

یہ ہے حج اور یہ ہیں اس کے چند اسرار جو ہم جیسے نادانوں کو بھی معلوم ہو سکتے ہیں ورنہ ہمارے مالک کے احکام بے شمار فوائد سے معمور ہیں اور ان کا ایک نکتہ بھی ایسا نہیں جو لغو اور بے معنی کہا جائے۔ لوگ تجارت۔ مبادلۂ خیالات۔ اصلاح رسوم وغیرہ محض دنیوی فوائد پر نظر رکھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کو یہی فوائد منظور خاطر نہیں ہیں۔ اور مسلمانوں کا نصب العین محض دنیا کو عیش و آرام سے گذارنا کبھی بھی قرار نہیں پایا۔ اگر کوئی شخص صرف دنیا چاہتا ہو تو بے شک اسلام کو چھوڑ دے۔

دنیوی ترقی اس درد سر سے آزاد رہ کر بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ اسلام میں پابند رہنے کی نسبت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اسلام کسی بے ایمانی۔ خیانت ظلم اور تعصب کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر دنیوی فوائد اکثر بد دیانتی اور بے ایمانی سے (اگر یہ کام ذرا دوراندیشی اور دانائی سے اور پالیسی کی آڑ میں کئے جائیں) اس قدر حاصل ہو سکتے ہیں کہ ایمانداروں کے وہم و خیال میں بھی نہ آئیں پس ایماندار رہنے کا فائدہ اگرچہ دنیا میں بھی ہے مگر بہت کم۔ اس کا حقیقی فائدہ آنجہانی بہتری اور ابدالآباد کی راحت ہے اور یاد رکھو کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کبھی بھی میسر نہ آئے گی اور نیز اسلام کے کسی حکم کو اپنی نادانی سے خلاف عقل سمجھکر اور کسی چھوٹی سے چھوٹی ہدایت سے منہ پھیر کر بھی ابدی راحت میں ضرور نقص واقع ہوگا۔ معاذ اللہ کیا حج اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اقوام عالم کے حالات معلوم ہوں اور ہم تجارت و صنعت میں ترقی کریں۔ حاشا و کلا۔ یہ اسلام کے نادان دوستوں اور جیفۂ دنیا کے عاشقوں کا اتہام ہے۔ اسلام معرفت ربانی کی طرف بلاتا ہے اور اس کا ہر ایک فریضہ خدا کی عظمت و جبروت کو دل میں راسخ کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ اس کے ساتھ جو دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ ہم خرما و ہم ثواب۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم جیسے شپر چشم مسلمان جو نور آفتاب کو دیکھ نہیں سکتے نہ حج سے نور ہدایت لے کر آتے ہیں نہ نماز روزہ اور دیگر احکام کو بجا لا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہمارا اپنا قصور ہے کہ دوا کا پیالہ مُنہ کو لگاتے ہیں اور پیتے نہیں یعنے محض رسم کی پابندی کرتے ہیں اور غرض و مدعا سے غافل رہتے ہیں۔ نسخہ بتانے اور ہدایت کی راہ دکھانے والا ہماری محرومی قسمت سے قابلِ ملامت نہیں ہو سکتا۔

ایک ترانہ کے بعد دوسرا

اس باب میں ان ہی معذرت ہائے بیجا کا ذکر مطلوب تھا جو اہل زمانہ ادائے فرائض کی نسبت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے نماز کی نسبت غور ہو تو اوقات فرصت کو

تلاش کرتے ہوئے ضمن میں مغربی رسم و رواج اور وہاں کے تجارتی انہماک کا ذکر آگیا۔ اس کو جہاں تک طبیعت کا اقتضا تھا۔ طول دیا مگر دیکھا تو یہ بحث بجائے خود بہت بسیط ہے کیونکہ تجارت نے جو شکل اختیار کر لی ہے اسے اسلامی معیار کے مطابق پرکھنے اور دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس میں فضولیات کی آمیزش کس قدر اور واقعی ضرورتیں کیا ہیں اور اسلامی احکام کے روسے واقعی ضرورتوں کو سرانجام دینے کی کیا شکل ہو سکتی ہے۔ یہ مضمون بہت طویل ہے مگر اسیقدر مہتم بالشان ہے طول سے اجتناب ہو تو واقعات روشن نہ ہو سکیں گے آئندہ باب اس مضمون پر وقف ہے +

باب چہارم

تجارتی نظام

تجارت کا موجودہ اہتمام

تجارت کی موجودہ تشکیل نظام تمدن کے بہت بڑے انقلاب کا نتیجہ ہے۔ گذشتہ زمانوں میں تجارت۔ زراعت اور دیگر تمام کاروبار بالعموم چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر چلائے جاتے تھے۔ تجارت بیشک ممالک دور دراز تک ہوتی تھی اور سوداگر بڑے بڑے جتھے باندھکر سفر کرتے تھے۔ مگر یہ اجتماعی تشکیل صرف رستہ کے خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے تھی۔ ورنہ سرمایہ اور سامان تجارت مہیا کرنے میں ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ وار تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے۔ بڑے بڑے سرمایہ کی چند مختلف دکانیں ہوتی تھیں جو رہزنوں کے خوف سے جمع ہو کر سفر کرتی تھیں اور کسی آبادی میں پہنچکر سب اپنے اپنے خوانچے لگا کر اور کمبل بچھا کر بازار لگا دیتے تھے۔ خشکی میں اونٹ یا گدھے اور تری میں ایسی کشتیاں استعمال ہوتی تھیں جن کا سرانجام اگرچہ صرف کثیر چاہتا تھا پھر بھی ان کی تیاری انفرادی کوشش سے ممکن ہوتی تھی۔ اس کے خلاف فی زمانہ تجارت کا اہتمام سلطنت کے اہتمام سے کم نہیں۔ ہم گھر میں بیٹھکر گلی کے بنئے اور بازار کے بساطی کو سوداگر کہیں اور اُس کی کوڑی پیسہ کی آمد کو کافی سمجھیں تو اور بات ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جن کے ہاتھ میں تجارت کی باگ ہے وہ اگر چاہیں تو اس بنئے اور بساطی کو ہم سمیت فاقہ سے ہلاک کر دیں۔ وہ لوگ کروڑہا پونڈ کے سرمائے سے کام شروع کرتے ہیں۔ ہزاروں آدمی نوکر رکھتے ہیں۔ تمام ملکوں میں کچی جنس کو خریدنے نئی صنعتوں کیلئے نمونے تلاش کرنے۔ خام جنس کو مختلف صورتیں دینے۔ کارخانے کھولنے اور

؎ ایک چھینٹیں چھاپنے والے ہزاروں روپیہ اس مد پر خرچ کرتے ہیں کہ لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں پھریں۔ کوئی دلکش منظر دیکھیں تو اس کا عکس لیلیں۔ کوئی خوبصورت پھول۔ کوئی عجیب جانور مچھر۔ بھنگا۔ تیتری وغیرہ نظر پڑے تو بجنسہ یا عکس اُتار کر وہاں پہنچائیں اور وہی نقشہ چھینٹوں پر اُتارا جائے ؛

وسائل نقل و حرکت کو مہیا کرنے کے لئے گماشتے مقرر کرتے ہیں۔ اشیائے تجارت تیار کرنے کے لئے لاکھوں روپیہ کی مشینیں اور دیگر سامان۔ سفر کیلئے کروڑوں روپیہ کے تجارتی جہاز اور اندرون ملک میں مختلف قسم کی گران قیمت سواریاں مطلوب ہوتی ہیں۔ اور اس شان سے تجارت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تھوڑے سرمایہ سے اُن کی سی ایک آدھ چیز بنائے تو مقابلہ کیلئے لاکھ دو لاکھ کا نقصان اُٹھا کر بھی کچھ عرصہ کے لئے اپنی چیز سستی بیچنے لگتے ہیں اور حریف کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیتے ہیں ؁

بینک کی ضرورت

تجارت کی ایسی بڑی قوت اور سرمایہ کا اتنا بڑا اہتمام ظاہر ہے کہ ایک دو بلکہ سو پچاس آدمیوں کے بس کا بھی نہیں اور اس کی صورت موجودہ تمدن نے یہی پیدا کی ہے کہ ملک کے چھوٹے چھوٹے اور بڑے سے بڑے سرمائے ایک مرکز پر جمع کر دیتے ہیں جس کو بینک کہتے ہیں بینک سرمایہ داروں کو مختصر سود ادا کرتا ہے اور خود اس سے بڑے سود پر تاجروں کو قرض دیتا ہے۔ تاجروں کی ایک ایک کمپنی اپنے موجودہ ذخیرے کی کفالت پر بسا اوقات لاکھوں بلکہ کروڑوں پونڈ قرض لیتی ہے اور جس قدر سود ادا کرتی ہے اس کا بار تجارتی اشیا پر ڈال دیتی ہے۔ مگر ایسے بڑے سرمایہ سے جو گراں بہا سامان اشیائے تجارت کے مہیا کرنے کا پیدا ہوتا ہے اس سے تجارتی اشیا باوجود سود کا بار برداشت کرنے کے انفرادی کوششوں کی نسبت ارزان پڑتی ہیں اور تجارت کرنے والوں کو بے حد نفع بخشتی ہیں پس حقیقت میں وہ تمام ملک کا سرمایہ ہوتا ہے جو مقررہ سود کی امید پر ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے اور اس سرمایہ کی امداد سے ایسی بڑی تجارت کا سرانجام ہو سکتا ہے۔ نیز جیسا کہ پروفیسر مارشل ژ لکھتے ہیں:۔

> تجارت کے لئے سودی کاروبار کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں وہی لوگ تجارت کرتے تھے جو اپنا سرمایہ رکھتے تھے۔ مگر ان میں سے اکثر کاروباری قابلیت سے بے بہرہ ہوتے تھے اور نقصان اُٹھاتے تھے۔ لیکن اب جو لوگ روپیہ رکھتے ہیں وہ سود کے لالچ سے تاجرانہ قابلیت والوں کو مدد دیتے ہیں اور وہ لوگ کام کو ہاتھ میں لیکر خوش اسلوبی سے چلاتے اور نفع حاصل

ژ دی پرنسپلز آف اکنامکس۔ مقالہ لا باب ملا پیرا ملا صفحہ ۶۵ سنہ ۱۹۰۷ء

کرتے ہیں"

غرض دنیا نے جس قسم کی تجارت تک ترقی کی ہے وہ اگر اسی پیمانے پر کوئی اور قوم اختیار کرنا چاہے تو اس کے لئے موجودہ حالات میں کامیابی کی یہی ایک صورت ہے۔ اور جو قوم سود لینے اور دینے پر رضامند نہیں ہوتی وہ نہ ملکی سرمایہ کو خاص مرکزوں میں جمع کرسکتی ہے نہ اتنی بڑی تجارت کا اہتمام کرسکتی ہے۔

تجارتی ذخیروں کے لئے سود کی ضرورت

اس پیمانہ کی تجارت سے نیچے اتریں تو وہ لوگ نظر آتے ہیں جو صنعتی کارخانوں سے بڑے پیمانے پر مال منگواتے ہیں اور چھوٹے دوکانداروں کے ہاتھ بیچتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی اپنے ذاتی سرمایہ سے اور کبھی دو۔ چار۔ دس شریک ہوکر کام شروع کرتے ہیں۔ مگر آجکل کی دنیا مقابلہ کا دنگل ہے۔ اگر صرف اسیقدر مال منگوائیں جس قدر روپیہ دست بدست دے سکتے ہوں تو کامیابی نہیں ہوتی اور مقابلہ کرنے والے بازی جیت لیتے ہیں۔ یہ کام کرنا ہو تو اسکی صورت بھی یہی ہے کہ علاوہ نقد روپیہ کے اپنے اعتماد سے بھی کام لیں اور یونہی ہوتا بھی ہے یعنے نقد روپیہ سے شاذ ونادر ہی مال خریدا جاتا ہے۔ بلکہ مال منگوا لیا جاتا ہے اور ایک کاغذ اس رقم کے واجب الادا ہونے کا دے دیا جاتا ہے۔ اور کسی تجارت میں چھ مہینے کے بعد اور کسی میں تین مہینے کے بعد روپیہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس میں سہولت یہ ہوتی ہے کہ نقد ادا کرنا نہیں پڑتا اور پاس دس ہزار موجود ہے تو اعتماد ہونے کی صورت میں تیس ہزار کا مال منگوا سکتے ہیں اور نقصان یہ ہے کہ اس دستور نے نقد بیوپار کی نسبت چیزوں کا بھاؤ گران کردیا ہے اور وہ گرانی گویا اس عرصہ تک روپیہ نہ ادا کرنے کا سود ہے اور اگر وقت مقررہ پر بھی قیمت ادا نہ ہو تو پھر اور سود دینا پڑتا ہے اور تمام سوداگر یونہی سودا کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی بھلا آدمی صرف نقد کا لین دین رکھے تو اس قدر مال نہ منگوا سکیگا جس قدر اور کوٹھیوں میں ہوگا اور خسارہ میں رہیگا اور اگر منگوائے اور ان ہی کی طرح سود کا بار برداشت کرے تو آگے جن دکانداروں کے ہاتھ وہ بیچیگا ان میں بھی یہی دستور ہے اگر ان سے نقد مانگے تو بکری نہ ہوگی اور اگر اعتماد کا لین دین کرے اور سود کی رقم نہ چڑھائے جب بھی گھاٹے میں رہیگا۔ اور جب

یہ صورت ہے تو اعلیٰ پیمانہ کے کارخانے ایک طرف تجارتی کوٹھیاں اسی طرح چل سکتی ہیں۔ کہ ایک طرف سود دیا جائے اور دوسری طرف سے لیا جائے +

تجارت سے اجتناب کرنے کی قباحت

اب فرض کرو کہ جو قوم سود سے نفرت کرتی ہے وہ دونو قسم کی تجارت نہ کرے اور صرف معمولی بنئے بساطی کی دوکانداری پر قانع ہو تو اول موجودہ سرمایہ کے ساتھ کسی نہ کسی قدر مال میعادی قرض پر اُس کو بھی لینا ہوگا اور خود سود لینے سے احتراز کرے تو دینا ضرور ہی پڑیگا اور دوسرے دیدۂ دوربین سے اُن نقصانوں کو دیکھیں جو فی زمانہ تجارت سے اجتناب کرنے پر رونما ہوتے ہیں تو وہ بہت ہی خطرناک ہیں۔ کیونکہ ایسے ملک اور ایسی قوم کی تمام ضروریات کا سرانجام غیروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جس جس قسم کی مراعات اور سہولتیں تجارت کو جاری رکھنے کیلئے اُن کو مطلوب ہوتی ہیں اگر اُن سے انکار کیا جائے تو ایک طرف ملک کی خود اپنی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اور دوسرے وہ لوگ اس قدر دباؤ ڈالتے اور اپنی ثروت اور دولتمندی کی وجہ سے دباؤ ڈالنے کے وسائل رکھتے ہیں کہ ان کی ہر ایک درخواست کو قضائے مبرم سمجھکر ماننا پڑتا ہے اور جو قوم تجارتی حقوق رکھتی ہے وہ رفتہ رفتہ ملک کی مالک ہو جاتی ہے۔ نہ صرف بدیں معنے کہ اہل ملک اس کی رعایا ہیں بلکہ اکثر اوقات اس طرح پر کہ اہل ملک غلاموں کی زندگی بسر کرتے ہیں اور طرح طرح سے برباد ہوتے ہیں ہمارے زمانے میں ممالک اسلامیہ پر جس قدر اغیار کا دباؤ پڑا ہوا ہے اس کی بنا اکثر و بیشتر انہی تجارتی حقوق سے پڑی ہے۔ ہم نے تجارتی معاملات میں سہل انگاری سے کام لیا اور اس پیشہ کے تمام شعبے اغیار کے ہاتھوں میں جاتے دیکھے اور اُس کی آئندہ مضرتوں کو نہ سمجھے۔ ایک ناول میں ایران کا ایک شاعر اپنا حال بیان کرتا ہے کہ میری طبیعت رسا تھی اور مشینری کے کام کو سمجھ سکتا تھا میں نے چاہا کہ طہران میں کپڑے کا کارخانہ کھولوں۔ بادشاہ سے امداد کا خواستگار ہوا اُس نے جواب دیا کہ تم شاعرانہ مضامین کی ساخت و پرداخت میں مصروف رہو۔ ایسی فضولیات میں نہ پڑو۔ ہمارے لئے کپڑا بنانے کا کام فرنگی کرتے ہیں تو درد سر مول لینے کی ضرورت کیا۔ یہ اگرچہ فرضی قصہ ہے لیکن ہمارے حالات واقعی

کا پورا آئینہ بھی ہے۔ ممالک اسلامیہ کے با اقتدار افراد بیشک اسی بے راہ روی اور غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں اور ہوس رانیوں کو چھوڑ کر منفعت بخش کاروبار کی طرف متوجہ نہیں ہو سکے آہ پہلا قصور اپنا ہے اس کے بعد اگر اغیار اپنا مطلب نہ نکالیں تو قصوروار ہیں +

غرض فی زمانناکوئی قوم جان مال اور عزت کو تاجرانہ قابلیت کے بغیر قائم نہیں رکھ سکتی اور ایسی بڑی تاجرانہ فتحمندی جو قوم کو برتری کے کمال تک پہنچائے سرمایہ کی بہت بڑی مقدار لگاکر دوسروں سے مقابلہ کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور سرمایہ کی اتنی بڑی مقدار ایک مرکز پر جمع نہیں ہو سکتی جب تک امیر غریب سب کو سود کا لالچ دیکر ان کی جیب سے پیسہ پیسہ نہ نکلوا لیا جائے۔ جو قوم یہ فیصل نہ کریگی وہ زیست کی تمام ضروریات میں اغیار کی محتاج رہیگی اور جو لوگ ضروریات بہم پہنچائینگے وہی ہر طرح غالب رہینگے اور مغلوب کو جس طرح چاہینگے نچائینگے۔ بلکہ اگر وہ مغلوب قوم کو زندہ رہنے دینگے تو محض اسلئے کہ ان کے خون سے اپنے اعضا رجوارح کو خوراک دیتے رہیں۔ ورنہ وہ اگر فنا کرنا چاہیں تو توپ و تفنگ سے مارنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ اپنے واٹر ورکس کا ایک بٹن دباکر تمام آبادی کو پانی سے محروم کر سکینگے انگلی ہلاکر برقی روشنی گل کر دینگے کسی مشین سے زہریلی گیس چھوڑ کر تمام جانداروں کو دم بھر میں بیجان بنا دینگے۔ غرض تجارتی برتری پست اقوام پر وہ بلائیں لا سکتی ہے جس سے نجات پانے کی کوئی سبیل نہیں سوا اس کے کہ جو قومیں ابھی تک شیر تہذیب کے پنجہ میں گرفتار نہیں ہوئیں یا گرفتار ہیں مگر کچھ ہاتھ پیر ہلا سکتی ہیں وہ صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف رجوع کریں اور اس میدان کی تمام صعوبتوں پر غالب آکر اغیار کے ساتھ تجارتی مقابلہ کا کھیل کھیلیں۔ اگرچہ دنیا میں تہذیب جدید کے جھنڈے ہر طرف گڑے ہوئے ہیں اور وہ لوگ برتری کے اس درجہ تک پہنچ چکے ہیں کہ پست اقوام میں اُن سے مقابلہ کرنے کی قوت باقی نہیں رہی لیکن اگر زندہ رہنے کا امکان ہے تو محض تجارتی جدوجہد سے اور جس قوم میں یہ جذبہ نہ ہو اُس کی قومی موت میں کوئی شبہ نہیں +

---

* بعض مقامات میں سیاسی چپقلش کے اندر ایسا ہوا ہے اور گھنٹہ دو گھنٹہ کے اندر تمام آبادی بلبلا اٹھی ہے +

ملک رانی کیلئے سودی کاروبار کی ضرورت

اصول ملک رانی کو دیکھا جائے تو اگرچہ ملک گیری کا دستور بہت بڑے عرصہ سے جاری ہے اور سلطنت کے مصارف ہمیشہ کثیر الانواع اور عظیم المقدار رہے ہیں لیکن مصارف کے جس بار کے نیچے آجکل کی حکومتیں دبی ہوئی ہیں پہلے اس کا نشان نہ تھا۔ پہلی تاریخ کسی سلطنت کے مقروض ہونے سے بہت کم آشنا ہے اور بادشاہ ہو کر لوگوں سے قرض کی درخواست کرے اور نہ صرف کسی جنگ کے موقعہ پر بلکہ ملک کے اندرونی کاروبار کے واسطے۔ ایسا منظر پہلے شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہوگا۔ مگر آجکل بقول مسٹر فاسٹ

> "قریباً یورپ کا ہر ایک ملک محاصل سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور کمی بہت بڑی حد تک قرضہ سے پوری کی جاتی ہے"۔ (پولیٹیکل اکانمی۔ مقالہ ۲۔ باب ۴۔ صفحہ ۱۴۲۔ سنہ ۱۸۸۸ء) ٭

اس کی شکل یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ریل یا نہر یا اور اسی قسم کا کام کرنا ہوتا ہے تو حساب کر لیا جاتا ہے کہ اس کام سے خرچ کے بعد کس قدر پس انداز ہوگا اور قرض لیا جائے تو سود کس قدر ادا کرنا پڑیگا اگر خرچ اور سود نکالنے کے بعد منفعت ہو سکتی ہے تو قرض لیکر وہ کام کر لیا جاتا ہے اور اس دستور سے ایسے بڑے بڑے اور پر منفعت کام سرانجام پاتے ہیں جو ملک کی خالص آمدنی سے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ بری اور بحری قوت مہیا کرنے کا اور آجکل ہوائی قوت کے سرانجام کا صرف اس قدر ہے کہ ایک ایک جہاز پر ایک ملک کی آمدنی خرچ ہوتی ہے اور ایسے کام بھی روپیہ نہ ہو تو قرض لیکر کرنے پڑتے ہیں جس ملک کے اندر بینک اور تجارتی کوٹھیاں موجود ہیں وہ آسانی سے قرض حاصل کر سکتا ہے لیکن ایسے ممالک کی دشواریاں اخبار دیکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں جو بینکوں کے دستور سے ناواقف ہیں اور سودی کاروبار نہیں کرتے۔ وہ قرض لیکر فوج کو درست نہ کریں تو ملک جاتا ہے۔ قرض لیں تو غیروں سے درخواست کرنی پڑتی ہے وہ طرح طرح کی کفالتیں چاہتے ہیں بعض صیغوں پر قبضہ کرتے ہیں بعض کے انتظام میں دخل رکھنے کی شرط لگاتے ہیں اور حتی الوسع ایسی بندشیں عائد کرتے ہیں کہ نہ قرض سے سبکدوشی ہو نہ پورے طور پر وہ مقصد پورا ہو جس کے لئے قرض لیا گیا ہے اور انتظام کی پیچیدگیوں سے ملک یوماً فیوماً اغیار کے قبضہ میں آتا جائے ٭

پست اقوام کی تباہی

غرض صنعت۔ تجارت اور ملکرانی کی تمام صورتیں ایسی ہوگئی کہ جب تک تمدن کی یہ رفتار ہے بینک کے دستور اور تجارتی سود کا لین دین کرنے کے بغیر ان میں سے کوئی کام سرسبز نہیں ہو سکتا اور ان سب سے قطع نظر کی جائے اور قناعت کے آغوش میں بیٹھکر سب کام چھوڑ دینے کا عزم کرلیں جب بھی امن نصیب نہیں ہوتا اور جو مصیبتیں کاروبار کے حقداروں کی طرف سے نازل ہونی شروع ہوتی ہیں وہ جب تک امریکہ کے دیسی باشندوں اور آسٹریلیا کے وحشیوں کی طرح نابود نہ کریں۔ یا غلامی کی بندشوں میں نہ جکڑ دیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ پروفیسر مارشل اپنی کتاب میں آدم سمتھ کی زبان سے کہتے ہیں کہ (پرنسپلز آف اکنامکس۔ مقالہ ۱ باب ۳۔ صفحہ ۲۴۔ ۱۹۰۷ء)

"آبادی کی افزائش سے جو دباؤ ذرائع معاش پر پڑتا ہے اس کا میلان اس جانب ہوتا ہے کہ ایسی قوموں کو نابود کردیا جائے جو نظام نہ ہونے کے سبب یا اور وجوہ سے اُس جگہ کے بہترین مفاد کو حاصل کرنے کے ناقابل ہوں جہاں وہ رہتے ہیں"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ پست اقوام کو نابود کرنے کے لئے مہذب اقوام کے بہترین دل و دماغ منطقیانہ دلائل بھی پیدا کر لیتے ہیں اور جو ظلم کرتے ہیں اسے بھی علمی روشنی سے چمکا لیتے ہیں +

سود کا مفاد

سود کی اس قدر ضرورت کو دیکھنے کے بعد اس مفاد کو بھی دیکھنا چاہیئے جو کسی شخص کو سودخواری کا پیشہ اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کا نتیجہ چنداں حوصلہ بخش نہیں بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ سودخوارونکا سرمایہ سینکڑوں سے ہزاروں اور لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ زمیندار نہیں ہوتے مگر کچھ عرصے میں بڑی بڑی جاگیروں کے مالک نظر آتے ہیں۔ جھونپڑوں میں کام شروع کرتے ہیں اور سر بفلک عمارتیں وارثوں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر اس کی ایک تو یہ صورت ہے کہ عیاشوں کو سو روپیہ قرض دیتے ہیں دو سو لکھوا لیتے ہیں اور سود چڑھا کر عدالت سے پانسو کی ڈگری لیتے ہیں یا ناخواندہ زمینداروں کا شہادت کے نام سے بہی پر انگوٹھا لگواتے ہیں اور اوپر معقول رقم کا وثیقہ لکھ لیتے ہیں یا اور اسی قسم کا جعل کرتے ہیں۔ یہ آمدنی بیشک بہت ہے مگر کوئی عقلمند اپنی قوم کو ایسے فعل کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرضخواہ ضرورت کے مارے بیقرار ہی سودخوار کا شکار

کا موقع پاتا ہے۔ بازار میں روپیہ فیصدی ماہانہ سود ہے۔ وہ روپیہ پیچھے دو آنے ماہوار مانگتا ہے قرض خواہ روپیہ ملنے کو غنیمت سمجھتا ہے اور شکر گذار ہو کر دستخط کر دیتا ہے میعاد ختم ہونے پر بے باقی کی سبیل نہیں ہوتی نالش کے خوف سے وثیقہ تجدید کرتا ہے۔ سود اصل میں شامل ہو کر نیا حساب شروع ہو جاتا ہے اور سو روپیہ کے قرضہ میں کچھ عرصہ کے اندر ہزار ڈگری ہوتی جائداد خالصے لگ جاتی ہے۔ پروفیسر مارشل ہندوستان کے انگریزی حکام کی زبان سے سچ کہتے ہیں کہ:-

> "ساہوکار لوگوں کی بدقسمتی کے موقع پر لین دین کرنے اور ان کی مصیبت سے فائدہ اٹھانے کے وقت ہمدردی کے بہانے سے مظلوموں کو دفن کرنے کے لئے گڑھے کھودتے ہیں۔"
>
> (مقالہ ۶ باب ۱ صفحہ ۵۸۴)

غرض آمدنی اس صورت میں بھی معقول ہے اور قانون بھی اس پر زیادہ گرفت نہیں کرتا مگر جس بے دردی سے کام لیا گیا ہے کوئی دل اگر وہ انسان کا دل ہے ایسے مال کی تمنا نہ کریگا تیسری صورت یہ ہے کہ ساہوکار کسی گاؤں سے سودی لین دین رکھتا ہے۔ روپیہ دینے کے وقت جو معین رقم سود کے نام سے لکھواتا ہے اس کے علاوہ جب تک قرض باقی رہتا ہے ساہوکار اور مقروض میں مالک و مملوک یا بادشاہ و رعیت کی نسبت رہتی ہے۔ ہر قسم کی جنس جو مقروض پیدا کرتا ہے ساہوکار کا نذرانہ ادا کرنے کے بغیر صرف نہیں کر سکتا اور سو پچاس زمینداروں سے لین دین رکھنے والا ساہوکار ہمیشہ ایندھن جلاتا ہے تو اسامیوں کے سر سے۔ گائے بھینسوں کو چارہ اور راتب دیتا ہے تو انکی گرہ سے اور تمباکو شکر روئی ہر قسم کا تازہ اناج اور ہر قسم کی ترکاری جو اسامیوں سے مل سکے اپنی گرہ سے نہیں خریدتا اور باینہمہ اصل اور سود قائم رہتا ہے۔ اس عمل میں سخت گیری نمایاں نہیں ہوتی مگر سود ایک سے دہ چند ضرور ہو جاتا ہے اور زمیندار کو قرض لینے کا فائدہ بہت گراں پڑتا ہے پس خالص سود کا مفاد یہ بھی نہیں ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ ساہوکار سودی کاروبار بھی کرتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی جو کام فائدہ کا نظر آئے اس سے غفلت نہیں کرتا کسی جنس کے گراں ہونیکا خیال ہو فوراً خرید کر کوٹھیاں بھر لیتا ہے اور وقت پر منفعت حاصل کرتا ہے۔ کوئی زمین یا مکان سستے

داموں بکتا ہو خریدنے میں تامل نہیں کرتا۔ کوئی کارخانہ کھولنے کا موقع ہو۔ دریا دلی سے روپیہ لگا دیتا ہے۔ ایسا شخص کہلاتا ساہوکار ہی ہے مگر اس کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہوتی ہے نہ سودخواری +

خالص سود کا مفاد

غرض سود خوار جو عظیم الشان منافع حاصل کرتے ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر حصہ جعل۔ بے ایمانی اور سخت گیری کا ہوتا ہے یا کسی خاص صورت میں دیگر کاروبار تجارت کا۔ ورنہ خالص سود کا عام نرخ ہندوستان میں ایک روپیہ فیصدی ماہوار ہے اور ایک ہزار روپیہ سود پر لگا کر دس روپیہ ماہوار کما لئے جا سکتے ہیں جس سے ایک بھلا مانس بسر اوقات نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر روپیہ کے ساتھ محنت بھی مل جائے اور اسی ہزار کے سرمایہ سے بساطی کی دوکان کھول لیں تو کنبہ کی پرورش کر سکتے ہیں پھر اُن واقعات کو ساتھ ملاؤ جو ساہوکاروں کو کبھی کبھی پیش آتے ہیں کہ اُن کی کوئی اسامی نادہند نکل آتی ہے۔ جائداد نہیں رکھتی یا کسی طرح کا جُعل دیگر جائداد کو ضائع کر دیتی ہے اور اس طرح پر ہر ایک ساہوکار کی کوئی نہ کوئی رقم سود سمیت کھاتے پڑ جاتی ہے تو عام ساہوکار ایسے واقعات کا مقابلہ اسی تدبیر سے کرتے ہیں کہ ایک جگہ اصل رقم ضائع ہوتی ہے اور دس جگہ سود کو اصل سے دو چند وصول کر لیتے ہیں۔ اس تدبیر کو دیانتداری کے خلاف سمجھیں تو پھر خالص سود سے ہزار پر دس روپیہ کا ملنا بھی یقینی نہیں۔ نیز سود کی یہ شرح اور اس سے بڑی شرحیں بھی اسی لئے رائج ہیں کہ لوگ قمار بازی۔ عیاشی یا شادی غمی کی فضول رسموں سے مجبور ہو کر قرض لینے کے لئے بے طرح بیقرار ہوتے ہیں اور جب یہ خواہشیں قابل نفرت اور لائق انسداد ہیں تو جو مفاد اُنکی وجہ سے سود کی شکل میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی قابل تحسین نہ ہوگا انکو چھوڑ کر کاروبار کی معقول ضرورتوں کو دیکھیں تو اُن کیلئے شرح سود اس سے بھی کم ہے یعنے آٹھ آنے فیصدی ماہوار اور بڑی رقموں میں پانچ روپیہ فیصدی سالانہ! اور انگلستان وغیرہ کاروباری ملکوں میں اس سے بھی کم یعنے کہیں تین اور کہیں دو فیصدی سالانہ اور یہ نرخ روز بروز کم ہوتا جاتا ہے پس دس ہزار کی رقم ایسی جگہ دیکر پچیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس روپیہ ماہوار آمدنی ہو سکتی ہے حالانکہ دس ہزار سرمایہ کی دوکان اس سے بدرجہا زیادہ منفعت بخش ہے +

سود کی ہوس خام

غرض خالص سود کی آمدنی سرمایہ کے تناسب سے کبھی حوصلہ افزا نہیں ہوتی اور اگر تیس چالیس ہزار کی رقم سود پر لگا کر ستر اسی روپیہ کا منافع حاصل بھی ہو تو جن واقعات سے اور جس قسم کی محنت اور جانفشانی سے یہ تیس چالیس ہزار کی رقم جمع ہوئی ہی حقیقت میں وہی کام منفعت بخش ہے اور آئندہ کے لئے ایسے کاروبار کو چھوڑ دینا اور صرف سود پر قانع ہونا حقیقت میں تنزل اور نقصان ہے نہ کہ ترقی اور منفعت کیونکہ جو کام تیس چالیس ہزار کی رقم جمع کرسکتا ہی وہ اگر اتنی بڑی رقم کے ساتھ جاری رکھا جائے تو اور بھی زیادہ مفید ہوگا لیکن سود پر لگانے سے ایک حقیر رقم کے سوا کچھ حاصل نہیں اور اس قدر روپیہ اس کے حق میں بیکار رہتا ہے۔ حیرت ہی کہ خوانچہ والا بارہ آنے کے چنے ابال کر اور مرچ مصالح لگا کر بازار میں جاتا ہی۔ شام کو روپیہ لیکر اُٹھتا ہے۔ روزانہ چار آنے خالص منفعت لیتا ہے۔ یہ ہاتھ پیر ہلانے کی برکت ہے ہم بے دست و پا ہو کر سو روپیہ ڈاکخانہ میں ڈال چھوڑتے ہیں اور ایک مہینہ کے بعد چار آنے لیتے ہیں پس واقع میں سود کا بیوپار دنیا کے کاروبار سے کمتر اور سب سے قلیل منفعت کا کام ہے اور یہ خیال بالکل غلط ہی کہ دیگر اقوام سود سے دولت مند ہوتی ہیں اور مسلمان سود نہ لینے کی وجہ سے مفلس ہوئے جاتے ہیں نہیں حقیقت میں ثروت اور افلاس کا مدار اُن کاموں پر ہے جن سے بڑی رقمیں جمع ہوں اور بہت سود مل سکے اگر کبھی مسلمان ایسے کاموں کی طرف توجہ کرینگے اور ہزاروں لاکھوں کی رقمیں جمع کرنے کے قابل ہوجائینگے تو اس کے بعد بھی وہ جس للچائی ہوئی نظر سے آجکل سود کو دیکھ رہے ہیں اگر محض سود پر جھک پڑینگے تو عملی طور پر پھر بھی ویسے ہی مفلس ہوجائینگے جیسے آجکل ہیں اور حقیقت میں فائدہ وہی لوگ اُٹھائینگے جو ان گانٹھ کے پوروں کو سود دیکر سرمایہ پر قابض ہونگے اور کاروبار تجارت میں عرق ریزی سے کام کرینگے ٭

پیشۂ سود خواری کی اخلاقی قباحت

اس حالت کو دیکھنے کے بعد ان روحانی نقصانوں کو دیکھیں جو کسی ممنوع فعل سے پیدا ہوتے ہیں تو اگرچہ میرا ایمان ہے کہ صاحب شریعت جن افعال کو ممنوع ٹھہراتا ہے ان کے بہت سے نقصان روحانی نظر کے

سوا محسوس نہیں ہوتے اور عقل انسانی کی گرفت میں نہیں آتے اور جس طرح بیمار کو محض طبیب کے حکم سے بعض چیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے گو وہ اسکی وجہ نہ سمجھتا ہو اسیطرح اہل مذہب جس شخص کو صاحب شریعت اور روحانی طبیب مان چکے ہیں اس کے فرامین پر بے چون وچرا کاربند ہونے سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی اسلام کے تمامتر احکام کی کوئی نہ کوئی وجہ قابلِ فہم بھی ہے اور ہم اس نفع ونقصان کو دیکھکر جو سمجھ میں آسکتا ہے قیاس کر سکتے ہیں کہ روحانی طور پر غالباً اس سے بھی نفع ونقصان ہوگا۔ پس سود کی تمام شکلیں جائز ہوں یا سب ناجائز ہوں یا کوئی شکل جائز ہو اور کوئی ناجائز۔ ان سب خیالات سے یکسو ہو کر سود خواری کو بطور ایک پیشہ کے دیکھیں تو اس میں ایک قباحت یہ نظر آتی ہے کہ دنیا کے اور تمام پیشہ ور تجارت کرتے ہوں یا حرفت وزراعت سب اپنے پیشہ کی سرسبزی اسی میں دیکھتے ہیں کہ گاہک خوشحال اور صاحب ثروت ہوں حتے کہ گورکن اور دوا فروش بھی جنکی گذر لوگوں کی بیماری اور موت پر ہے غریبوں کی نسبت دولتمندوں سے زیادہ مفاد حاصل کرتے ہیں لیکن سود خوار اپنے پیشہ کے لئے یہ آرزو رکھنے پر مجبور ہے کہ لوگ اپنی ضروریات انجام دینے پر قادر نہوں اور قرض کیلئے درخواست کریں۔ کوئی قمار بازی کی عادت سے برباد ہوتا ہو۔ عیاشی کی چاٹ سے بے اختیار ہو یا عیالداری کے مصارف برداشت نہ کر سکتا ہو تو لوگ اس کی حالت پر افسوس کرینگے مگر ساہوکار اپنے دل میں مسرت محسوس کرتا ہوگا کہ حسب دلخواہ سود حاصل کرنے اور جائداد پر قابض ہونے کا موقع یہی ہے۔ یہ ایسی خواہش ہے جس سے مذہبی نقطۂ خیال سے تمام نیک جذبات برباد ہو جاتے ہیں اور ہمدردی خلائق جو تمام مذاہب میں سب سے اعلیٰ وصف ہے دل میں موجود نہیں رہتی۔ اس سے بڑھکر جب کوئی شخص اپنا تمام اثاثہ برباد کر چکتا ہے اور گھر کا برتن کپڑا یا رہنے کا مکان باقی رہ جاتا ہے۔ ڈگری دار دستک لے کر آتا ہے مکان پر قفل لگا دیتے ہیں۔ گھر کی ایک ایک چیز پر ساہوکار کی نظر ہوتی ہے نیلام کی بولی ہونے لگتی ہے۔ عورتیں کہرام مچاتی ہیں۔ بچے چیختے چلاتے ہیں۔ سب کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ جو چیز اپنی سمجھکر اٹھاتے ہیں زبردستی چھین لی جاتی ہے۔ تمام انسان اسوقت کا منظر دیکھکر افسوس کرتے ہیں مگر ساہوکار کو

اس کا پیشہ مجبور کرتا ہے کہ ہمدردی کا کوئی خیال دل میں نہ آنے دے اور ہر چیز کو مالک سے جدا کرنے میں سخت گیری کا حق ادا کرے۔ بے شک یہ حالت قرضدار کے خود اپنے فعل سے پیدا ہوتی ہے اور ساہوکار قصوروار نہیں۔ مگر عورتوں اور بچوں کے بے خانمان اور ٹکڑے کو محتاج ہونے سے ہر شخص کو فطرۃً افسوس ہوتا ہے اور یہ پیشہ سودخواری کی برکت ہے کہ ساہوکار اس مصیبت ناک منظر کو اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور اطمینان و مسرت کا لطف اٹھاتا ہے۔

تجارتی سود میں کیا قباحت ہے

لیکن یہ بیدردی اور قساوت صرف سودخواری کے پیشہ میں دیکھی جاتی ہے اور جو لوگ اپنا روپیہ تجارتی بینکوں میں رکھتے ہیں وہ ان کمینہ خیالات کا شکار نہیں ہوتے۔ انکا روپیہ وہ لوگ لیتے ہیں جو بڑے بڑے فائدہ بخش کام کرتے ہیں اور اصل اور سود ادا کرتے ہیں کوئی زحمت نہیں اٹھاتے نہ یہ لوگ اپنے گاہکوں کی خستہ حالی اور بے مائگی کے منتظر رہتے ہیں نہ ان کو بے خانمان کرنے پر کامیابی کا انحصار سمجھتے ہیں پس ایسے سود کے ناجائز ہونے کی وجہ وہ نہیں ہو سکتی۔ مگر ایک دو بڑے نقص اس میں بھی نظر آتے ہیں انکو دیکھنے کے بعد فیصلہ ہوگا کہ تجارتی سود کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔

آرام طلبی

ایک قباحت جس کو شاید خفیف سمجھا جائے مگر حقیقت میں خفیف نہیں یہ ہے کہ یہ آمدنی محنت کو چھوڑنے اور آرام طلب ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔ ہم اپنے ملک میں اور تمدن کے اس درجہ میں جو رکھتے ہیں اکثر لوگوں کو اس خواہش میں مبتلا پاتے ہیں کہ اگر کسی طرح سے اس قدر روپیہ میسر آجائے جس کے سود پر گذر ہو سکے تو کاروبار چھوڑ کر آرام کی زندگی بسر کریں۔ یہ قباحت اس ملک میں اور تمدن کے اس درجہ میں محدود نہیں ہے بلکہ متمدن اور مہذب ملکوں میں بھی یہ میلان پایا جاتا ہے اور بعض اوقات قابل افسوس حد تک پہنچ جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے گوشہ نشین ہونیکا باعث ہوتا ہے جو کاروباری دماغ اور تاجرانہ قابلیت رکھنے میں ممتاز ہیں چنانچہ انگلستان کے اندر قیمتوں کی گرانی نے جو سنہ ۱۹۸۲ء میں انتہائی درجہ تک پہنچ گئی تھی روپیہ

قرض لیکر تجارت کرنے والوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اور لوگ نہایت کثرت سے قرض لے کر تجارت کرنے لگے۔ سودی روپیہ کی زیادہ مانگ ہوئی تو جو لوگ پہلے تجارت کرتے تھے اور مالدار ہو چکے تھے اپنا روپیہ سود پر لگا کر اور اس آمدنی کو کافی سمجھکر کاروباری دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس وقت تجارت کی طرف عام آدمیوں کے ہجوم لانے اور تاجرانہ دماغ والوں کے گوشہ نشین ہونے پر بقول پروفیسر مارشل کے مسٹر بیج ہاٹ افسوس کرتے ہیں۔ (مقالہ ۶ باب ۶ پیرا ۵ صفحہ ۶۰۲ سنہ ۱۹۰۷ء) اور کہتے ہیں کہ

> "اگر وہ خاندان تجارتی دنیا میں دیر تک قائم رہتے جو پہلے ملک التجار تھے تو ملک کو کس قدر فائدہ پہنچتا مگر خیر یہ گذری کہ سنہ مذکور کے بعد اب تک (سنہ ۱۹۰۷ء) کچھ تو چیز دکھا بھاؤ گرتا گیا جس سے سودی روپیہ کی مانگ کم ہوئی اور کچھ اسباب عیش کی افزائش ایسی ہو گئی جس کے مصارف اکثر حالات میں محض سود کی آمدنی سے نکل نہ سکے اس لئے اب لوگ اپنے آبائی کاروبار کو خوشی سے اختیار کرنے لگے ہیں۔"

پس جب دنیا کے ایک سب سے کاروباری ملک میں سودی آمدنی کی امید لوگوں کو افسوسناک حد تک بیکار اور آرام طلب کر دیتی ہے تو کیا حال ہوگا ایسے لوگوں کا جو پہلے ہی کاروبار سے نفور اور عیش و آرام پر فریفتہ ہیں اور جہاں وسائل زیست کے ارزان ہونے سے نسبتاً بہت ہی کم آمدنی بسر اوقات کیلئے کافی ہوتی ہے۔ یہاں ایسی تدابیر کا اجرا جس سے لوگوں کو بے غل و غش بسر کرنیکا موقع میسر آئے انگلستان سے زیادہ افسوسناک حالت پیدا کر سکتا ہے اور دوسرا افسوس یہ ہے کہ یہاں ابھی تک ایسی افسوسناک حالت کو محسوس کرنے کی قابلیت نیز تجارتی حالات کے اندازہ لگانے کا سامان بھی موجود نہیں ہے لیکن کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ قدرت نے دنیا کا تمامتر انتظام محنت پر رکھا ہے اور بالخصوص انسان اپنی زیست کیلئے قدرتی پیداوار کو محنت کے ساتھ مہیا کرنے کا محتاج ہے۔ اسکی زندگی سراسر کوشش اور جانفشانی پر منحصر ہے پس ایسا فعل جو نوع انسان کے کارکن افراد کو سست اور کاہل بنانے کا باعث ہو وہ صرف سستی اور کاہلی پیدا کرنے کا عیب نہیں رکھتا۔ اس میں نوع انسانی کو نابود اور فنا کرنے کی تاثیر بھی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہٹے کٹے مضبوط آدمی پنشن لیکر یا کسی اور وجہ سے

کام کو چھوڑ کر بیکاری میں زندگی بسر کرتے ہیں تو کچھ عرصہ کے اندر کئی طرح کے عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اکثر نہایت سرعت کے ساتھ آخری سفر کو تیار ہوتے ہیں۔ زندگی کے لئے جیسی ہوا پانی اور خوراک کی ضرورت ہے اسی طرح کی ضرورت مصروفیت کی بھی ہے۔ مصروفیت نہ رہے تو لوازم زیست کا اہتمام تندرست رکھنے کے لئے کافی نہیں ہوتا پس جس تدبیر سے آدمی مصروفیت سے محروم ہو جائے وہ نوع انسانی کیلئے بلا ہے نعمت نہیں۔

سرمایہ پر قابض ہونیکے فوائد

اس تباہ کن خواہش کے علاوہ تجارتی سود کے اندر ایک اور قباحت ہے جس سے کئی طرح کے بدنتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ پولیٹیکل اکانمی محنت اور سرمایہ کے باہمی موازنہ میں جو رائے رکھتی ہے۔ اسکو جیڈ یوں ظاہر کرتا ہے کہ

"دولت پیدا کرنے کے لئے اول درجہ کا کارکن محنت ہے اور سرمایہ محنت ہی کا نتیجہ ہے اس لئے اسے دوم درجہ کا کارکن سمجھنا چاہیئے" (دیکھو پولیٹیکل اکانمی مصنفہ جیڈ مقالہ ۱ حصہ ۱ صفحہ ۶۹ سنہ ۱۹۱۰ء)

مگر اس کے خلاف مسٹر فاسٹ کے الفاظ یہ ہیں:-

"صنعت کے لئے سرمایہ محنت سے کم ضروری نہیں اور اس لئے اپنا مناسب معاوضہ پانے کا ناقابل تردید دعوےٰ اس سے کمتر نہیں رکھتا" (دیکھو پولیٹیکل اکانمی فاسٹ مقالہ ۲ باب ۱۰ صفحہ ۲۶۶ سنہ ۱۸۸۸ء)

ان دونو متناقض خیالوں کو چھوڑ کر عملی حیثیت سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا مالک اگر محنت اور سرمایہ نہ رکھتا ہو تو صرف زمین سے کوئی فائدہ نہیں لے سکتا۔ علیٰ ہذا محنت کش کو بھی محض محنت سے بغیر زمین اور سرمایہ کچھ نہیں ملتا۔ اور صرف سرمایہ بھی اپنے دونوں رفیقوں (زمین اور محنت) کے بغیر کارآمد نہیں۔ مگر سرمایہ جس کے پاس ہو وہ محنت اور زمین کی اعلیٰ سے اعلیٰ قسم اور بڑی سے بڑی مقدار صرف سرمایہ کے زور پر آسانی سے مہیا کر سکتا ہے اور زمین اور محنت میں ایسی آسانی کے ساتھ اپنے رفیقوں کو ساتھ ملانے کی ہمت نہیں پس اگرچہ دولت کمانے کے ان تینوں ذرائع میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے بغیر گذر ہو سکے۔ مگر ان میں سے

سرمایہ کو اس لحاظ سے سب سے برتر کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اپنے دونو رفیقوں کو ساتھ ملانے کی قوت ہے اور جس قدر سرمایہ کی افراط ہو اسیقدر عمدہ اور وافر سامان سب ضروریات کا موجود ہو سکتا ہے اور اسیقدر زیادہ منفعت اور منفعت حاصل کرنے والوں کو اسیقدر زیادہ تمدنی اور سیاسی تفوق اور رسوخ حاصل ہوتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ دستور تجارت میں ایسی بڑی خدمت کرنے والی چیز کو ادنیٰ سود کے لالچ پر کبھی غیر قوم کے قبضہ میں دیدیتے ہیں اور کبھی اپنے ہی ملک میں ملک کے تمام افراد سے لیکر ایک محدود جماعت کے تصرف میں لے آتے ہیں +

سرمایہ پر غیر کے قابض ہونے کی قباحت

پہلی صورت میں یعنے جبکہ سرمایہ اپنی قوم سے باہر نکل جائے سود کا فائدہ بے شک ہوگا مگر اور تمام منفعتیں اور ہر طرح کا اثر جو سرمایہ کے استعمال کرنے والونکو حاصل ہوتا ہے نہ صرف اپنی قوم اس سے محروم رہتی ہے بلکہ غیروں کے ہاتھ میں ایسا حربہ دیدینے سے ہمیشہ طرح طرح کی مصیبتوں کا نشانہ بنتی ہے۔ اپنی قوم کے محروم رہنے کی شہادت میں مسٹر فاسٹ کا قول سند ہوگا جو کہتے ہیں کہ

> "روپیہ باہر بھیجنے سے اگرچہ قومی سرمایہ میں کمی نہیں آتی۔ مگر ملکی کاروبار میں نسبتاً کم روپیہ لگ سکتا ہے اور اس سے اکثر حالات میں وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو سرے سے اس قدر سرمایہ پس انداز کرنے کی صورت میں ہوتا" (مقالہ ۲ باب ۵ صفحہ ۱۸۱)

اور سرمایہ کے باہر بھیجنے سے اپنے اوپر اغیار کے غالب آجانیکا اندیشہ آجکل کی تمام مہذب طاقتوں کے روزانہ رویہ سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ غیر ملکوں میں سرمایہ خوشی سے اسی صورت میں لگاتی ہیں جبکہ انکے اپنے آدمی وہاں جاکر اس سرمایہ سے ریل اور نہر اور کان کنی وغیرہ کے کارخانے کھولیں۔ ورنہ جس صورت میں کوئی غیر قوم اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنے طور پر خرچ کرنے کے لئے سرمایہ مانگے تو قرض دینے کے وقت ایسی سخت شرطیں لگاتے ہیں جن کی وجہ سے سرمایہ لیکر مقروض تو ہو جائیں مگر کوئی تجارتی یا سیاسی تفوق نہ حاصل کر سکیں۔ ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ سود کے لالچ پر سرمایہ غیر قوم کے ہاتھ میں دیدینا ملکی صنعت کو نقصان پہنچنے کے لحاظ سے اور اغیار کے غالب آنے کے اندیشہ سے دونو طرح خطرناک ہے۔ اور اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے سے غالب ہیں اور قرض دیکر بھی اس کے صرف

کرنے میں اپنا اختیار اور دخل رکھ سکتے ہیں +

بعض افراد کے قابض ہونیکا نتیجہ

دوسری صورت میں یعنے اپنے ملک کے اندر سرمایہ کو چند مرکزوں میں جمع کردیں تو حسب قواعد اکنامکس نہ قومی ثروت میں کمی ہوتی ہے نہ اغیار کے دست برد کا اندیشہ۔ بلکہ اب سرمایہ سے وہ کام لئے جاتے ہیں جو اس صورت کے بغیر ممکن نہیں۔ مگر اس صورت میں بھی یہ قباحت ہے کہ سرمایہ اور محنت کا جو تناسب ہونا چاہیئے وہ قائم نہیں رہتا۔ سرمایہ ملک والوں کا ہوتا ہے محنت مزدوروں کی اور اہتمام تاجروں کا اور نفع میں ایک معین اور مختصر حصہ سرمایہ کا نکالا جاتا ہے اور اسی طرح کا معین اور مختصر حصہ مزدوروں کو ملتا ہے باقی تمامتر مفاد انتظام کرنے والے تاجر لے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ دار سود کی آمد پر قانع اور سرمایہ کی خوشی میں مگن ہے۔ مگر مزدور چلا اٹھے ہیں اور حق مانگنے کے لئے کام چھوڑنے کے واقعات مہذب ممالک کی ہمہ گیر وبا اور ایسی مصیبت بن گئے ہیں جسکا انتظام حکومتیں بھی نہیں کرسکتیں۔ وجہ یہی کہ محنت ملک کے مزدور کرتے ہیں اور منفعت تاجر لیتے ہیں۔ سرمایہ ملک جمع کرتا ہے اور مفاد خاص افراد کے قبضہ میں رہتا ہے +

مقابلہ کا اعتراض

اس کے متعلق عذر یہ کیا جاتا ہے کہ تجارت کی منفعت زمین کے کرایہ۔ کارکنوں کی اُجرت اور سرمایہ کے سود سے زیادہ نہیں ہوتی اور جو مفاد تاجروں کے پاس رہنے کا خیال کرتے ہو وہ ان کے اہتمام کی اجرت ہے اور باہمی مقابلہ اس اجرت کو مقدار تناسب سے بڑھنے نہیں دیتا۔

مقابلہ ناقص ہے

بیشک یہ اکنامکس کا مسلمہ اصول اور پختہ قانون ہے کہ مقابلہ سے اعتدال قائم رہتا ہے مگر قانون ہونا اور بات ہے اور اسکا موجود ہونا اور۔ اس جواب سے حیرت تو ہوگی۔ مگر مسٹر فاسٹ کو سنو۔ وہ کہتے ہیں کہ

> "علوم جو قانون دریافت کرتے ہیں انکا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اگر دیگر قوانین قدرت اس کے مزاحم نہ ہوں اور صرف وہی واقعات پیش آئیں جن کا اس قانون میں تذکرہ ہے تو بے شک نتیجہ بھی اس قانون کے مطابق ہوگا۔ مگر دنیا میں ایسا ہونا بہت ہی کم ہے کہ ایک طرح کے واقعات دیگر واقعات سے جدا ہو کر پیش آئیں کشش ثقل کا اندازہ کیا گیا ہے کہ وہ کسی جسم کو

> ایک سیکنڈ میں سولہ فٹ نیچے لاتی ہے مگر صرف کشش ثقل کا عمل ہو اور دیگر اسباب موجود نہ ہوں ایسا ہوتا کہاں ہے۔ کُرہ کے گرد ہوا محیط ہوتی ہے اور آنے والے جسم کی مزاحمت کرتی ہے۔ اوپر سے ایک پر گرتا ہے۔ زمین پر آنے میں کئی منٹ صرف ہوجاتے ہیں۔ دیگر اجسام بھی اپنی اپنی مقدار کے موافق ہوا کی مزاحمت کو روکتے ہوئے کشش ثقل کا اثر قبول کرتے ہیں اور ایک سیکنڈ میں سولہ فٹ مسافت اکثر طے نہیں کرسکتے۔ یہی حالت اکانمی کے قاعدوں کی ہے۔"

اس نے مقابلہ کو بیشک زبردست طاقت مانا ہے اور درست مانا ہے مگر سب جگہ مقابلہ کی ایک ہی صورت ہوتی کہاں ہے اسی مسئلہ کو دیکھو۔ ملک کا سرمایہ چند مرکزوں میں جمع ہوجاتا ہے تو ایسے بڑے بڑے کارخانے جاری ہوتے ہیں جو انفرادی قوت اور ایک ایک شخص کے سرمایہ سے نہیں ہوسکتے اور بسا اوقات ایسی عظمت کے ایک دو یا چند کارخانے اس قدر سامان پیدا کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام قابل گذر حصوں کو کافی ہوں۔ اس صورت میں اور لوگ جو وہی سامان چھوٹے پیمانہ پر تیار کرنا چاہیں مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے اور ویسے ہی بڑے پیمانہ کے اور کارخانے اکثر ایسے میدان میں قدم نہیں رکھتے جہاں پہلے ہی کافی یا کافی سے زائد ذخیرہ موجود ہو یا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو اپنی ساخت میں کوئی جدت پیدا کرتے ہیں جو مفید یا خوبصورت زیادہ ہو یا کم از کم فیشن بدلنے کا انتظار پورا کرے اور اگر ان کی ایسی چیز مقبول ہوجاتی ہے تو پہلے کارخانے ماند پڑجاتے ہیں یا قائم نہیں رہتے۔ غرض ان سب صورتوں میں ملک کا روپیہ ایک جا کرلے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کے بہت زیادہ کارخانے نہیں ہوسکتے۔ اور جو چند ایک ہوتے ہیں ان کی محدود کشمکش سے وہ ارزانی پیدا نہیں ہوتی جو عام مقابلہ سے ہونی چاہیئے نتیجہ یہ کہ مال ہمیشہ گراں بکتا ہے اور نیز دنیا کے بہت بڑے بڑے کارخانے مثلاً ریل بجلی اور نہر وغیرہ جو سراسر سودی سرمایہ سے چلتے ہیں ان کی صورت یہ ہے کہ ایک علاقہ کے اندر جو کمپنی ریل یا نہر نکالتی ہے تو اس علاقہ میں دوسری کمپنی ایسا کارخانہ جاری ہی نہیں کرسکتی اور ایک علاقہ کی ریلوے دوسرے علاقہ کی ریلوے سے انتظام میں۔ کارکن عملہ میں اور سامان آسائش میں کیسی ہی کمی رکھے اور کرایہ میں کیسی ہی بیشی کرے گاہکوں کو ممکن نہیں

کہ اس سے قطع تعلق کریں۔ اس وجہ سے ایسے کارخانوں کے مفاد پر مقابلہ کا اثر ہو بھی تو ذکر کے قابل نہیں ہے +

قانون منفعت کا اثر مقابلہ کے خلاف

اور یہ چیز منفعت کی کمی زیادتی کا ایک قاعدہ ہے پروفیسر مارشل لکھتے ہیں:-

"وہ غریب آدمی جن کا سرمایہ کم ہو واقفیت کچھ نہ ہو کوئی چیز ایسے لوگوں کے ہاتھ بیچیں جن کے سرمائے محفوظ اور معلومات وسیع ہوں تو وہ بہت کم نرخ پر بیچ سکتے ہیں؛ اور اس کے خلاف جب سودا کرنے والا گاہکوں کی نسبت زیادہ باخبر اور زیادہ دولتمند ہو تو گراں فروخت کرتا ہے مثلاً جو لوگ دور دراز ساحلوں پر گھونگے جمع کرتے پھرتے ہیں اور کوئی سرمایہ نہیں رکھتے کہ گھونگے نہ بکیں تو چار دن بیٹھکر کھا سکیں نہ علم رکھتے ہیں کہ ان کے سوا اور کس قدر آدمی اس تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور کس کس مقام پر گھونگوں کی کس قدر مانگ اور ضرورت ہے وہ لوگ فروخت کرتے ہیں ان دوکانداروں کے پاس جو کافی سرمایہ رکھتے ہیں اور جلدی سودا چکانے کیلئے بے قرار نہیں ہیں اور جانتے ہیں کہ اس قسم مال مختلف لانے والوں کے پاس سے مل سکتا ہے اور اس قدر منفعت پر آگے فروخت کر سکتے ہیں اس تمام تفاوت کا نتیجہ یہ ہے کہ گھونگے بیچنے والے بہت کم قیمت لینے پر مجبور کئے جاتے ہیں اور وہ اپنی محنت کا کافی معاوضہ حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے برخلاف کامیاب بیرسٹر یا ڈاکٹر وغیرہ گاہکوں کی نسبت اعلیٰ حیثیت اور بڑے معلومات رکھتے ہیں اور جس قدر اجرت چاہتے ہیں باوجود مقابلہ کے اپنے خریداروں سے وصول کر سکتے ہیں۔" (مقالہ ۶ باب ۴ پیرا ۶ صفحہ ۵۶۹) +

یہی کیفیت بڑے کارخانہ داروں کی ہے کہ سرمایہ کی انہیں کمی نہیں اور سرمایہ کے خرچ سے واقفیت بھی ایسی وسیع حاصل کر لیتے ہیں کہ تمام دنیا کے اندر جہاں کہیں انکا مال کھپ سکتا ہے اور جس قدر فروخت ہو سکتا ہے اور خریداروں کو جس قدر ضرورت ہے اور جس قدر شوق ہے اور جس فراخ دلی یا تنگ چشمی سے وہ خرچ کرنے کے عادی ہیں وہ ان تمام امور سے واقف ہوتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں کون کون شخص کس مقدار اور کس حیثیت کا

وہی مال تیار اور فروخت کرتا ہے ان تمام معلومات کی بنا پر اور اپنے سرمایہ کے بھروسہ پر وہ نرخ مقرر کرنے میں اپنے مفاد کی پوری حفاظت کر سکتے ہیں۔ اور ایک طرف جو قیمت چاہتے ہیں گاہکوں کی جیب سے نکلوا لیتے ہیں اور دوسری طرف اسی سرمایہ اور معلومات کی قوت سے مزدوروں کو بہت کم اُجرت لینے پر مجبور کر سکتے ہیں اور اتنی بڑی تجارت کی جس قدر منفعت ہوتی ہے وہ سرمایہ کا سود نکالنے کے بعد اپنے اہتمام کے عوض میں محسوب کر لیتے ہیں۔

مقابلہ میں داناؤں کی جیت اور نادانوں کی ہار

غرض بینک کا دستور جاری کرنے اور تجارت کو بڑے پیمانہ پر چلانے کے بعد کسی کی زبان پر یا کسی تحریر میں گو نہ آیا ہو مگر عملاً گویا قرارداد ہے کہ روپیہ ملک سے مانگو سود کا نرخ کم کرتے جاؤ اور مال انہی کے ہاتھ جہاں تک ہو گراں بیچو محنت مزدوروں سے لو اور اُجرت اسیقدر کافی سمجھو کہ اس کے گھر میں چار آدمی ہوں تو سب کھانے پر خرچ ہو جائے اور کپڑے کیلئے ایک پیسہ نہ بچے۔ اہتمام اپنے ہاتھ میں رکھو اور اُس کی اجرت یہاں تک بڑھاؤ کہ عالیشان محلوں میں رہنے اور شاہانہ مصارف میں خرچ کرنے کے بعد بھی کروڑپتی اور ارب پتی بنتے چلے جاؤ۔ پروفیسر مارشل کہتے ہیں کہ:-

> "پہلے مزدور کی آمدنی کا نصف اس کی خوراک پر صرف ہوتا تھا اور اب وہ ایک چوتھائی کھانے پر خرچ کرتا ہے"۔ (مقالہ ۴ باب ۲ پیرا ۳ صفحہ ۱۸۹ سنہ ۱۹۰۷ء)

اس حساب سے اگر مزدور کے کنبہ میں چار آدمی ہوں تو اس کی تمام تنخواہ کھانے پر صرف ہو جاتی ہے اور مان لو کہ اس میں مزدوروں کے مقابلہ کا اثر ہے لیکن اگر اہتمام کی اجرت بھی اسیطرح مقابلہ کی پوری پابندی کے ساتھ مقرر ہوتی اور ہر کارخانہ دار دوسرے پر غالب آنے کیلئے اہتمام کی اُجرت کم کرتا تو اس کثرت کے ساتھ وہ لوگ باوجود شاہانہ مصارف رکھنے کے کروڑوں روپیہ پس انداز نہ کر سکتے اور وہاں کی یہ حالت نہ نظر آتی کہ دولت مند ہیں تو ایسے بڑے کہ انکو اپنی دولت کے صرف کرنے کے موقعے باوجود تلاش کے نظر نہیں آتے اور غریب ہیں تو ایسے کہ ایسی مفلسی کا بھی کہیں اور نشان نہیں ملتا۔ نہیں بیشک وہاں مقابلہ ہے مزدوروں کا مزدوروں سے اور کارخانہ داروں کا کارخانہ داروں سے لیکن باوجود اس کے جو لوگ

با اختیار ہیں انکا گویا باہم سمجھوتہ ہو گیا ہے کہ مزدوروں کو مقابلہ میں آزاد چھوڑ دیتے کہ وہ اس کشمکش کے اندر اُجرت یہاں تک کم کر دیں کہ مزدور اگر مجرد اور تنہا رہے تو اجرت میں بسر کر سکے لیکن بیوی رکھتا ہوا اور دو بچے پیدا ہو جائیں تو چار دن سردی میں ٹھٹھر کر مریں اور تن کے لئے کپڑا نہ پیدا کر سکیں۔ مزدور اس موت مرتے ہیں تو الزام مقابلہ کے سر دھرو اور انہیں مرنے دو لیکن کارخانہ دار باوجود مقابلہ کے کبھی اہتمام کی اُجرت اس قدر تجویز کریں کہ اپنی تمام جائز اور ناجائز خواہشوں کو پورا کرنے کے بعد بھی بڑی بڑی رقمیں پس انداز کرتے جائیں۔ اس حالت کو دیکھ کر غور کرنے والے جو موجودہ سسٹم کے مدّاح ہیں اس کا نقص تو نہیں سمجھتے اور سمجھیں تو کر بھی کیا سکتے ہیں مگر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور کہتے ہیں کہ :-

> "ملک جس قدر دولت مند ہو اسی قدر دولت اور مفلسی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مضبوط اور قابل افراد غالب اور کمزور کمتر قابلیت کے لوگ مغلوب ہوتے جاتے ہیں اور اس کا علاج کرنے کے لئے کچھ مقدار نیک دلی کی مطلوب ہے اور وہی موجودہ زمانے میں بہت کم نظر آتی ہے" (پولیٹیکل اکانمی مصنفہ فاسٹ۔ مقالہ ۲ باب اول صـ۱ و صـ۱۰۲ ۱۸۸۸ء)

یمحق اللہ الربوا

مگر یہ سب کچھ ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ سرمایہ کے حقوق اور اختیارات سرمایہ سے جدا نہیں ہو سکتے اور سرمایہ کو سود کا لالچ بہت سے مالکوں سے لیکر چند کے پاس جمع کر دیتا ہے جس سے سرمایہ دینے والے اور مزدور دونوں کو عملاً مفلس ہونا پڑتا ہے اور یمحق اللہ الربوٰ سود خواری گھاٹے کا باعث ہی کی پیشین گوئی جسکی تفسیر دنیا کا پہلا رواج نمایاں نہ ہونے دیتا تھا اسی زمانے میں واضح ہوئی ہے یعنے جس طرح شراب قلیل مقدار میں نقصان نہیں پہنچاتی مگر ترقی کرتی ہوئی آخر کو مہلک ثابت ہوتی ہے اسیطرح سود خواری کا چسکا ترقی کرتا ہوا ایسی شکل اختیار کر لیتا ہے جس سے سود لینے والوں کو تو سود ملے مگر تمام موجودہ دولت اور آئندہ کیلئے اس کی تمام پیداوار معدودے چند کام کرنے والوں کے پاس ضرورت سے زیادہ جمع ہو جائے اور باقی تمام ملک جس کی متحدہ کوشش سے وہ جمع ہوئی ہے اور جس میں سود خواروں کے سرمایے اور مزدوروں کی

محنت سے بڑی خدمت لیگئی ہے وہ سب اپنے واجبی استحقاق سے محروم رہیں آرام طلبی کے خوگیر بنیں اور اپنے ہی روپیہ سے بنی ہوئی چیزوں کو گراں قیمت پر خریدیں۔ غرض ایک سود کے لالچ میں کئی طرح کا مالی خسارہ اٹھائیں ٭

سیاسی نقائص

یہاں تک اقتصادی قباحتوں کا ذکر تھا جو سود کی فوری آمدنی کے سامنے نمایاں نہیں ہوتیں اور بتدریج پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد سیاسی حیثیت سے دیکھا جائے تو ظاہر ہے کہ جو اشخاص سرمایہ سے کام لیتے ہیں اور اسکی منفعت حاصل کرتے ہیں کمالات کے حاصل کرتے ہیں اور ملک کے اندر ہر طرح کا رسوخ اور اقتدار پیدا کرتے ہیں وہی لوگ سب پر فائق ہو سکتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے تو دنیا میں یہی اثر نظر آتا ہے۔ یہاں ہندوستان میں مسلمان آئے اور یہاں بود و باش اختیار کی تو اگرچہ انہوں نے سودی لین دین نہیں کیا مگر جس طرح سود دینے والے ملکوں میں بڑے بڑے صنعتی اور تجارتی کارخانوں پر بہت بڑا سرمایہ جمع کرنے والوں نے قبضہ کر لیا ہے اور سرمایہ دار سود پر روپیہ لگا کر ان کے دست نگر ہو گئے ہیں اسطرح یہاں تمام تاجرانہ کاروبار مسلمانوں نے غیروں کے ہاتھ میں رہنے دیا اور خود اس میدان میں قدم نہ رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی انکو کوئی قباحت نظر نہ آئی مگر قباحت کی بنیاد موجود تھی اور اثر کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی حکومت کے جاتے ہی نظر آگیا کہ اب جو اقتدار اور جو نفوذ اغیار کو حاصل ہے اسلئے کہ وہ سرمایہ رکھتے اور سرمایہ سے کام لینا جانتے ہیں اور پُرمنفعت کاروبار کرنے کی وجہ سے ان کو تمام پیش آنیوالے معاملات میں نفع و نقصان کے تمیز کرنے کی لیاقت اور نفع مند کام کرنے کی ہمت ہے وہ اقتدار اور وہ نفوذ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہو سکتا اسلئے کہ انہوں نے حکومت کے سوا اور کسی کام میں ہاتھ ڈالا نہ تھا اور فائدہ حاصل کرنے کے موقعوں کو تشخیص کرنے اور فائدہ بخش کام پر فوراً توجہ کرنے کی مہارت نہ رکھتے تھے۔ اور اس لئے نہ صرف تجارتی کاروبار میں بلکہ حکومت کے تمام شعبوں میں اغیار کو ایسا دخل ہو گیا کہ مسلمانوں کے لئے دخل پانے کی گنجائش نہ رہی یہی کیفیت پیش آسکتی ہے اس صورت میں جبکہ آبادی کا ایک حصہ محض مزدوری کرتا ہو اور سرمایہ داروں کی بہت بڑی تعداد اپنا سرمایہ سود کے لالچ

ہیں دوسروں کی تحویل میں دے چھوڑتا ہو کہ اب بھی منفعت حاصل کرنے کا موقع اور حق سے زیادہ منفعت لینے کا بہانہ اور نفع و نقصان میں تمیز کرنے کی قابلیت اور نفع مند کام پر فوراً توجہ کرنے کی مہارت اور ان تمام اوصاف کے نتیجہ میں تمام ملک پر نفوذ و اقتدار پیدا کرنے کا حق اسی گروہ کو حاصل ہوگا جو عملاً سرمایہ پر تصرف رکھتے ہیں اور سود لینے والوں کو اور مزدوروں کو ان کا دست نگر اور ان کے زیر اثر رہنا پڑیگا۔ اور یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے چنانچہ مہذب ممالک میں ملک پر دخل و تصرف رکھنے کے تمام منصبوں کیلئے مالدار ہونا شرط ہے اور کسی کام میں دخل رکھنا ایک طرف وہاں کام کرنے والوں کو اور پارلیمنٹ کے ارکان کو منتخب کرنے کے لئے محض ووٹ دینے کے واسطے بھی یہی شرط ہے کہ جو لوگ بسر اوقات کے قابل نہیں یا مقروض ہیں اور قرضہ ادا نہیں کر سکتے یا دیوالہ نکال چکے ہیں وہ جب تک اس حالت میں رہیں ووٹ دینے کے قابل نہ سمجھے جائیں۔ (کانسڈریشنز آن ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ مصنفہ مل۔ ص ۱۶۳ سنہ ۱۹۰۵ء) پس جب مفلس لوگ کسی شخص کو اپنا وکیل بھی مقرر نہیں کر سکتے تو ملک کا وکیل مقرر ہونے کیلئے ضرور وہی لوگ سب سے زیادہ حقدار ہونگے جو بڑے بڑے کارخانوں کے مالک اور بڑے بڑے محاصل رکھنے والے ہیں اور جنہوں نے سرمایہ جمع کرنے اور محنت کرنے کا کام ملک سے لیا ہے۔ وہی ملک میں تمام سفید و سیاہ کے مالک ہو سکتے ہیں اور وہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر روسو انگریزی حکومت کے انتظام پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ:۔

> عوام کی بالادستی براہ راست ہونی چاہیئے نہ کہ وکلا کی وساطت سے اور انگریزی قوم صرف پارلیمنٹ کے انتخاب کے وقت آزاد ہوتی ہے بعد میں اسکا کوئی اختیار نہیں رہتا"
>
> (ڈیولپمنٹ آف یورپین پالیٹی مصنفہ ہنری سجوک ص ۲۱۴ سنہ ۱۹۰۳ء) +

اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ پارلیمنٹ کو انتخاب کرنے کے وقت بھی مالداروں ہی کی آواز سنی جاتی ہے۔ اور مفلسوں کیلئے اُس وقت بھی اپنی بہتری کو سوچنے کا موقع نہیں مل سکتا پس تمام قوم کو آزادی اس وقت بھی نصیب نہیں اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ ملک پر سب سے بڑے مالداروں کا اثر ہے اور وہ سب سے پہلی شرط مالداری کو قرار دیتے ہیں حالانکہ ملک کی بہتری کیلئے دانشمندی اور انصاف پسندی کا جو تقاضا ہے وہ مسٹر مل کے الفاظ میں یوں ظاہر کیا جاتا ہے کہ

> "کسی حکومت کی فوقیت بلحاظ موجودہ خوشحالی کے دو امر پر موقوف ہے ایک یہ کہ لوگ دشمنکی طرف سے بدی پہنچنے سے اسیقدر محفوظ رہ سکتے ہیں جس قدر وہ خود اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہوں دوسرے یہ کہ وہ دنیوی کاروبار میں اسیقدر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں جس قدر وہ اپنے مفاد کیلئے خود اپنی ہمت سے کام لینے کے قابل ہوں اور اس بات پر بھروسہ نہ رکھتے ہوں کہ اور لوگ ان کے فائدہ کیلئے کوشش کریں" (کتاب مذکور ص۵۲ ۱۹۰۵ء)

اس اصول کو پیش نظر رکھکر دیکھو کہ سود خوار دنیوی کاروبار میں اپنی ہمت کو خرچ نہیں کرتا اور اپنی محنت کا تمام فائدہ دوسرنکی نذر کر دیتا ہے۔ وہ لوگ ہر کام میں اپنے فائدہ کو مقدم رکھتے ہیں اور یہی کر سکتے ہیں پس جب قوم کے اکثر افراد اپنا سرمایہ سود پر لگا دینے کے عادی ہو جائیں وہ قوم بحیثیت قوم کے دیگر اقوام پر یقیناً غالب آئیگی مگر اس کا اندرونی انتظام جمہوریت سے تنزل کرتا ہوا حکومت امراء کی شکل اختیار کرتا جائیگا اور ایسا انقلاب اگرچہ ہوگا بہت دیر میں لیکن کسی طرح اصلاح نہ ہو تو ہو کر رہیگا اور پھر اس کا نتیجہ اگرچہ ہے بہت ہی دور مگر وہی ہوگا جو پروفیسر سجوک لکھتے ہیں کہ:-

> "حکومت امراء کا فرانس اور جرمنی میں یہ تجربہ ہوا ہے کہ آخر ملک حصوں میں منقسم ہو گیا"
>
> (کتاب مذکور ص۳۱۷) +

اور کم حیثیت کے لوگ ارباب دول کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اپنے حقوق کی پامالی سے تنگ آتے ہیں تو

> "ان کو اس ابتری سے بچنے کے لئے ایک مطلق العنان بادشاہ کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے جو ان کی پشت و پناہ ہو" (کتاب مذکور ص۳۱۷ سجوک) +

یوں جمہوریت کا انجام خود مختار اور جبار بادشاہوں کی حکومت پر ہوتا ہے اور ملک کے بڑے حصہ کی آرام طلبی۔ مزدور طبقہ کی خستہ حالی اور بعض افراد کا کاروبار پر قابض ہونا یہی وہ قباحت ہے جس سے ایک عرصہ کے اندر خواہ وہ عرصہ کیسا ہی طویل ہو ایسے نتائج پیدا ہوا کرتے ہیں ◆

عقلی غور و فکر کے نتائج غرض جہانتک غور کیا گیا ہے اگر اس میں غلطی نہیں تو ذیل کے

نتائج پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) سود خواری کے ساتھ بے ایمانی اور فریب دہی شامل نہ ہو تو مفاد بہت کم ہے +

(۲) سود خواری کا پیشہ دل کو سخت اور بیرحم بنا دیتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی مصیبت سے خوش ہوتا ہے +

(۳) تجارتی سود میں ایسا کوئی نقص نہیں تو تناسب کا قصور ضرور ہے جس سے مزدوروں کی طرح سرمایہ دار بھی خدمت کے مناسب معاوضہ سے محروم رہتے ہیں +

(۴) آرام طلب بننے کی ترغیب پاتے ہیں +

(۵) ایک خاص جماعت کو ملک کی قسمت کا مالک بناتے ہیں +

(۶) باوجود اس نقص کے موجودہ نظام معاشرت میں تجارتی سود ایک ضروری عنصر ہے جس کے بغیر تجارت ناممکن ہے +

(۷) تجارت کے بغیر کوئی قوم قومی اور نیز افرادی لحاظ سے کبھی امن و راحت نہیں پا سکتی +

مذہب کیا فیصلہ کرسکتا ہے

پس اب اگر مذہب ایسے خدا کو مانتا ہے جو رب العالمین اور تمام دنیا کا مہربان آقا ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (فاتحہ)

اور اگر وہ تمام انسانوں کو اور تمام کائنات کو ایک ہی پروردگار کی عزیز مخلوق جانتا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج	وہی خدا تمہارا پروردگار ہے۔ ہر چیز
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى	کا خالق ہے۔ اُس کی عبادت کرو وہ ہر چیز
كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (۷ پارہ۔ انعام ع ۱۳)	کا کارساز ہے +

اور اگر وہ نہ صرف اپنے ہم مذہبوں کی۔ بلکہ غیر قوم ہمسایوں کی اور بلا قید مذہب تمام بیکسوں اور غریبوں کی مدد کرنے کی تاکید کرتا ہے +

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	والدین کے ساتھ احسان کرو اور قرابت داروں سے
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ	اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور غیر ہمسایہ سے اور ہمنشین سے اور مسافر سے اور ان
وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (پارہ۵۔ نساء ع۶)	لوگوں سے جو تمہارے ماتحت ہیں ÷

اور اگر وہ کسی قوم سے عداوت رکھنے اور ظلم برداشت کرنے کے وقت بھی جادۂ انصاف سے منحرف ہونے کو ممنوع قرار دیتا ہے ÷

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ	نہ آمادہ کرے تمکو کسی قوم کی عداوت کہ اُس نے تم کو خانہ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (پارہ۶۔ مائدہ ع۱)	کعبہ سے روک دیا ہے۔ تم زبردستی کرو ÷
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا	نہ آمادہ کرے تمکو کسی قوم کی عداوت کہ زبردستی کرو۔ بلکہ
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پارہ۶۔ مائدہ ع۲)	انصاف کرو یہی خدا ترسی کے مناسب ہے ÷

اور اگر وہ برسرپیکار ہونے کے زمانے میں دشمنونکو قید کرنے کے بعد ان پر احسان کرنیکا حکم دیتا ہے:۔

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا	جنگ کے بعد قید کرو اور پھر اُن پر احسان کرو۔
فِدَاۗءً ۵ (پارہ۲۶۔ محمد ع۱)	اور چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔

اور اگر مذہب انسان کے مال پر مصیبت زدہ سائلوں اور ناداروں کا حق بناتا ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۵	اور اُن کے مال میں سوالی کا اور مال دنیا سے محروم
(پارہ۲۶۔ ذاریات ع۱)	رہنے والونکا حق ہے ÷

اور اگر مذہب مال کی ضرورت ہونے اور اس سے محبت رکھنے کے باوجود ناداروں اور محتاجوں کی مدد کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور کسی معاوضہ کی امید رکھنے اور احسان جتلانے سے نفرت دلاتا ہے۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى	اور نیک بندہ وہ ہے جو باوجود مال کی محبت کے اسے رشتہ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ (پارہ۲۔ بقرہ ع۲۲)	داروں اور یتیموں اور مسکینوں وغیرہ پر صرف کرتا ہے۔
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا	نیک بندے وہ ہیں جو کھانیکی ضرورت رکھنے کے باوجود غریبوں
وَّيَـتِـيْمًا وَّاَسِيْرًا ۵ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ	یتیموں اور قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم خدا کیلیے
لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا ۵ (پارہ۲۹۔ دہر ع۱)	کھلاتے ہیں تم سے کوئی بدلہ نہیں اُنکے شکریہ نہیں چاہتے۔

اور اگر مذہب کا یہ فرمان ہے کہ جو شخص بندوں پر رحم نہ کرے خدا بھی اس پر رحم نہیں کرتا (ترمذی)

تو ایسا مذہب

۱۔ قرض کے بہانے سے بے ایمانی اور فریب کاری کا حامی نہیں ہوسکتا۔

۲۔ ایسے پیشہ کو جائز نہیں ٹھہراسکتا جو لوگوں کو بے خانمان اور محتاج بنانے ہیں اپنی کامیابی سمجھے اور تمام رحم اور ہمدردی کے موقعے اس کے لئے حصول زر کے وسائل ہوں۔

اور نیز اگر مذہب روزی کمانے کو فرض ٹھہراتا ہے اور روزی کو فضل خدا کے نام سے پکار کر معاش حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي — جب نماز سے فارغ ہو تو ملک میں پھیل جاؤ
الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ — اور خدا کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

(پارہ نمبر ۲۸ جمعہ ع ۲)

اور اگر مذہب عبادت کی غرض سے بھی محنت سے جی چرانے کو منع فرماتا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا — لوگوں نے گوشہ نشینی کی بدعت ایجاد کرلی ہے ہم نے
عَلَيْهِمْ (پارہ نمبر ۲۷ حدید ع ۴) — اسے ان پر فرض نہیں کیا۔

اور اگر مذہب بے وجہ اور ناجائز شکل سے لوگوں کا مال کھانے کی ممانعت کرتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ — نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر اور نہ حاکموں
وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا — کو مال کا کچھ حصہ دیکر ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھانے
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ — کا ذریعہ پیدا کرو۔ جب کہ تم جانتے ہو کہ یہ کام
تَعْلَمُوْنَ (پارہ نمبر ۲ بقرہ ع ۲۳) — گناہ ہے۔

اور اگر مذہب یہ قانون جاری کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنی کوشش کے مناسب نفع و نقصان پہنچنا چاہیئے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ — ہر انسان کیلئے ہی جو وہ کمائے اور ہر ایک کو ضرر پہنچنا چاہیئے اسیقدر جتنا
(پارہ ۳ بقرہ ع ۸) — اسکا قصور ہو

اور اگر مذہب یہ فرماتا ہے کہ انسان کو اس کی اپنی کوشش سے زیادہ کچھ نہیں ملتا۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (پارہ ۲۷ نجم ع ۳)	انسان کو نہیں ملتا مگر وہی جتنا کوشش سے حاصل کرے۔

اور اگر مذہب کا حکم ہے کہ انسان کو ذرہ برابر نیک اور ذرہ برابر بد عمل کا عوض ملتا ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ	جو شخص ذرہ کے برابر نیکی کریگا اور جو شخص ذرہ کے برابر
یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ط (پارہ ۳۰ زلزال)	بدی کریگا دونو کا عوض پائیگا ؞

تو ایسا مذہب

۳۔ اُس دستور کو بھی پسند نہیں کرسکتا جس میں بیکاری اور آرام طلبی کی ترغیب ہو۔

۴۔ لوگوں کو ان کی خدمت کا مناسب معاوضہ نہ مل سکے۔

۵۔ معدودے چند افراد تھوڑے سے مفاد کا لالچ دیکر لوگوں کے حقوق پر قابض ہوں اور دوسروں کو مفلس بنا کر خود حد سے زیادہ دولت و ثروت جمع کرلیں۔

لیکن اگر مذہب انسان کی جائز ضرورتوں کا حامی اور اس کی کمزوری پر رحم کرنے والا ہے ؞

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ	خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں
بِکُمُ الْعُسْرَ (پارہ ۲ بقرہ ع ۳)	چاہتا۔
لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔	خدا کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف
(پارہ ۳ بقرہ ع ۸)	نہیں دیتا ؞

تو ضرور ہے کہ ایسے مذہب میں

۶۔ اُن مجبوریوں کا بھی لحاظ ہوگا جن میں زمانے کی رفتار نے ڈال دیا ہو۔ اور جن کے کسی قاعدہ پر عمل نہ کرنے سے کسی ملک یا قوم کو ہلاکت اور تباہی کا اندیشہ ہو۔

ان حالات کو پیش نظر رکھکر دیکھنا چاہیئے کہ تجارت اور سود کے بارہ میں مسلمانوں کو اُن کے مذہب نے کیا حکم دیا ہے ؞

قانون بنانے کا قاعدہ

مگر سود یا کوئی اور مسئلہ دریافت کرنے سے پہلے ایک قاعدہ اس کی عقلی وجہ معلوم کرنے کے لئے اور ایک قاعدہ شرعی

حکم تلاش کرنے کے لئے قابلِ لحاظ ہے عقلی توجیہ معلوم کرنے کے لئے یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ قانون بنانے کے واسطے نہ صرف اُن قباحتوں اور خوبیوں کو دیکھا جاتا ہے جو بالفعل موجود ہوں بلکہ ان تمام نتائج کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے جو عقلی نظر سے آئندہ زمانے میں دکھائی دیا چنانچہ مہذب ممالک میں مزدوروں کی حالت ایسی نازک ہے کہ اکثر حالات میں وہ تنہا رہ کر صرف اپنے ذاتی مصارف کا بار برداشت کر سکتے ہیں اور شادی کرنے یا بال بچوں کو پالنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور خصوصاً وہ مزدور جو زراعت کے کام پر لگائے جاتے ہیں بہت ہی خستہ حالی میں بسر کرتے ہیں۔ ان کی اس حالت پر ملک کے عقلا اور اہلِ دل ترس کھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسیطرح ان کی حالت درست ہو۔ مگر جب اس معاملہ میں غور کرتے ہیں تو ایسے موقعوں پر بھی وہ اُجرت کو بڑھانا مناسب نہیں سمجھتے جہاں فی الحال موجودہ اُجرت میں تنہا رہنے والے مزدور کا بھی پیٹ نہیں بھرتا اور وہ کام کو خوبی سے نہیں کر سکتے اور اگر انکی اجرت قانوناً بڑھا دیجائے تو نہ صرف مزدوروں ہی کا فائدہ ہو بلکہ وہ زیادہ قوت کے ساتھ کام کریں تو تاجر بھی پہلے سے زیادہ منفعت حاصل کریں چنانچہ مسٹر فاسٹ زراعت کے کارندوں کی ایسی حالت بیان کرتے ہیں (مقالہ ۲ باب ۸ صفحہ ۲۲۵ وغیرہ) اور آگے چل کر زراعتی مزدوروں کے بارہ میں صرف یہی ایک وجہ مزدوری نہ بڑھانے کے لئے پیش کرتے ہیں کہ:-

> "اگر ایسا قانون بنایا جائے اور وہ لوگ نسبتہً خوشحال ہو جائیں تو شادیاں زیادہ کرینگے اولاد پیدا ہوگی اور آبادی میں افزائش ہو جانے کے بعد خود مزدوروں میں ایسا مقابلہ ہوگا کہ اُجرت اس وقت سے بھی زیادہ گھٹ جائیگی"۔

غرض ایسے موقع پر جب بیچاروں کو بھوکے رہ کر کام کرنا پڑتا ہے اور عوارض میں مبتلا ہو کر قبل از وقت موت کے مُنہ میں جانے پر مجبور ہوتے ہیں اس وقت بھی ان کی بہتری کے لئے قانون نہیں بنایا جاتا اس لئے کہ آئندہ نسلوں میں قباحت پیدا ہوگی حالانکہ ایسی دور اندیشی کے اندر بیرحمی کا عنصر شامل ہونے میں کلام نہیں تو ان موقعوں پر جہاں بالفعل جان جانے یا رہنے کا سوال نہ ہو موجودہ حالات کے ساتھ آئندہ نتائج کا لحاظ رکھنا قانون کا فرض

اولین ہے +

شرعی حکم دریافت کرنے کا قاعدہ

اس اصول کو مد نظر رکھنے کے بعد کسی مسئلہ میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے یہ قاعدہ کلیہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بد اور نیک افعال کی شکلیں ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہیں اور جس زمانے میں حکم صادر ہوا ہے اگر فعل کی اسی شکل پر منطبق کیا جائے جو اس زمانے میں مروج تھی تو اکثر احکام آئندہ کے لئے بے سود اور مہمل ہو جاتے ہیں مثلاً عرب میں دختر کشی کا رواج تھا اور شکل یہ تھی کہ لڑکی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہ بیرحمی کی انتہائی شکل تھی۔ بعد میں یہ شکل قائم نہیں رہی تو کہیں لڑکی کو پیدا ہونے کے بعد دودھ نہیں دیتے۔ وہ خود ہی مر جاتی ہے۔ کہیں گلا گھونٹ کر یا زہر دیکر مار دیتے ہیں کہیں مارتے نہیں تو اس کی پرورش اہتمام سے نہیں کرتے۔ لڑکے لاڈ پیار سے پلتے ہیں۔ لڑکیاں مار پیٹ کے نیچے۔ لڑکوں کو علم و ہنر سے بہرہ ور کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو جاہل رکھتے ہیں۔ جائداد لڑکے لیتے ہیں لڑکیاں محروم ہوتی ہیں حکم دینے والے نے لڑکیونکو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا اور حکم میں خاص لفظ مَوْؤُدَۃُ (زندہ درگور) استعمال کیا ہے سُننے والے خاص اسی شکل کو ممنوع سمجھیں اور زہر سے مارنا یا دودھ نہ دینا جائز نہیں۔ یا تربیت میں کوتاہی کرنے علم و ہنر سے بے بہرہ رکھنے اور جائداد کا حصہ نہ دینے سے ان کی زیست کو برباد کریں اور جرم نہ سمجھیں تو قصور سمجھنے والوں کا ہوگا ورنہ حکم دینے والے نے زندہ دفن کرنے سے منع اسی لئے کیا ہے کہ ظلم ہے پس اور جس شکل میں لڑکیوں پر ظلم روا رکھینگے اسی حکم کے ماتحت جواب دہ ہونگے۔ البتہ ہر شکل میں جس قدر ظلم پایا جائیگا اسی حد تک جرم سنگین یا خفیف سمجھا جائیگا۔ زندہ دفن کرنا سخت ظلم ہے۔ جرم بھی نہایت سنگین ہوگا۔ پرورش کرنا لیکن اُن کی زیست کو خوشگوار بنانیکا خیال نہ رکھنا اگر اس سے کم ہے تو جرم بھی نسبتہً خفیف ہوگا۔ اگرچہ شریعت اسلام میں لڑکیوں کی نسبت اور احکام بھی مفصل مذکور ہیں اور اسیطرح دیگر مسائل میں بھی مناسب صراحت سے دریغ نہیں ہوا مگر میرا مدعا یہ ہے کہ ہر ایک حکم میں ان وجوہ و علل کو دیکھنا چاہیئے جن پر حکم کی بنیاد ہے اور صرف اس شکل کو دیکھکر جو زمانہ صدور احکام میں رائج ہو حکم کو اسی شکل سے مخصوص

کرنا اکثر حالات میں غلط ہوگا ٭

سود کے بارہ میں شرعی احکام

اس قاعدہ کو مان کر سود کو دیکھتے ہیں تو زمانہ ختم رسالت میں سود کی یہ شکل رائج پاتے ہیں کہ کوئی شخص قرض لیتا ہے میعاد گذرنے کے بعد ادا کی صورت نہیں ہوتی تو قرض کو دگنا کر دیتا ہے اور تازہ میعاد مقرر کرتا ہے اس کے گذرنے پر پھر یہی عمل ہوتا ہے اور سود اصل سے کئی حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس شکل میں صریح ظلم ہے اور قرض کی بنا پر باوجود ہمدردی کا موقع ہونے کے انسان کو تباہ کیا جاتا ہے۔ اب یہ شکل نہیں تو اس کی جگہ اور کئی شکلیں اسی قسم کی سخت اور ناگوار پیدا ہو گئی ہیں مثلاً

زیادہ مقدار کا سود

میعاد گذرنے کے بعد سود کو اصل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور تمام رقم پر سود چڑھنے لگتا ہے اور ہر ایک میعاد پر اسی طرح سے اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے علاوہ جب تک قرض موجود ہے قرضخواہ قرضدار کی تمام زمینداری پیداوار کا کچھ نہ کچھ حصہ وصول کرتا رہتا ہے۔ رقم اس طرح بھی کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے اور ملکیتوں سے محروم کر دیتی ہے ظلم اس شکل میں بھی ظاہر ہے اور جہاں اضعافاً مضاعفہ سود کی ممانعت ہے وہاں سود سے اجتناب کا حکم دینے کے ساتھ ہمدردی اور احسان کی خاص تاکید کی گئی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ہمدردی اور احسان کی ضرورت ہی اس امتناع کی علت ہے پس سود خواری کی ایسی تمام شکلیں جو احسان اور ہمدردی کے جذبات کو فنا کریں اس آیت کے رو سے ممنوع ہونگی۔ ارشاد ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اے ایمان والو دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔ اور خدا سے ڈرتے رہو تا تم فلاح پاؤ اور بچو اس آگ سے جو کفار کے لئے تیار کی گئی اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو تا تم پر رحم کیا جائے اور جلدی کرو خدا کی مغفرت کے اندر آنے کی اور جنت میں داخل ہونے کی جس کی وسعت آسمان

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (پارہ ۴ - آل عمران ع ۱۴) +

زمین کے برابر ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوشحالی میں اور تنگدستی میں خیرات کرتے ہیں غصہ کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو پیارا جانتا ہے +

سود اور جعل

اسی طرح بعض لوگ سود بھی لیتے ہیں اور دوسرا جعل یہ کرتے ہیں کہ جعل دیکر کسی نادان سے دستخط کروا لیتے ہیں اور قرض کا وثیقہ لکھ لیتے ہیں۔ یا کسی ضرورتمند کو قرض اس شرط پر دیتے ہیں کہ سو کی جگہ دو سو اصل لکھا جائے اور سود دو سو کا لگایا جائے اور پھر ایسے لوگ اپنے تئیں غریب مسکین ثابت کرنیکے لئے اپنی شکل نہایت پارسایانہ بنائے رکھتے ہیں۔ خیرخواہی و ہمدردی کے خیالات ظاہر کرتے رہتے ہیں لباس۔ خوراک و دیگر ضروریات میں نہایت سادگی و تنگ چشمی برتتے ہیں۔ یہ شکل ہر چند شمار ختم ربا میں نہ ہو مگر ظلم ہے اور ناجائز ہے۔ گذشتہ آیت کے تحت میں آسکتی ہے مگر ایک اور آیت جس میں یہود کی سود خواری اور بیجا ستانی کا ذکر ہے اس شکل پر پوری منطبق ہوتی ہے اور ایسے سود خواروں کا اپنے ذاتی مصارف میں نہایت بخل سے کام لینا بھی یہود سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ بھی خدا کے اسی غضب میں گرفتار تھے کہ جس چیز کو حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کا مکر و فریب جائز سمجھتے تھے اس سے کوئی لطف نہ اٹھاتے تھے ارشاد ہے:-

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ط (پارہ ۶ النساء ع ۱۲)

جو لوگ یہودی کہلاتے ہیں اُن کے ظلم کی وجہ سے ہمنے اُنپر وہ پاک چیزیں حرام کردیں جو انکے لئے حلال تھیں اور یہ سزا خدا کے رستہ سے روکنے کی وجہ سے اور سود کھانیکی وجہ سے حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا اور لوگوں کا مال ناجائز مکر و فریب کے ساتھ حاصل کرنیکی وجہ سے انکو دیگئی ہے اور ان میں سے جو کافر ہیں انکے لئے ہمنے آخرت میں بھی دردناک عذاب مہیا کیا ہے۔

سود اور مظلومیت

۳۔ اب اُن لوگوں کو دیکھو جو کسطرح سے مال و زر جمع کر لیتے ہیں اور اس سے اس قدر محبت رکھتے ہیں کہ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے بھی تجارت یا اور کسی کاروبار کی جوکھوں میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ دوں ہمتی اور کاہلی سے کاروبار کا

اہتمام نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ روپیہ محفوظ رہے اور پیسہ دھیلہ جو کچھ مل سکتا ہو بے درد سر مل جائے پس ایسے بینکوں کی جستجو کرتے ہیں جو اپنے ہوں یا غیر قوم کے مگر پختہ اور قابل اعتماد ہوں اور سود خواہ اور جگہ سے کم ملے لیکن پیسہ کا نقصان نہ ہو۔ ایسے لوگ کاہلی اور کمینہ پن کی عادت میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنی دولت سے جس قدر فائدہ حاصل کرنے کی قدرت خدا نے ان کو عنایت کی ہے اس تک نہیں پہنچ سکتے اور جس خدا نے ان کو اتنی دولت دی ہے آئندہ کاروبار میں لگا کر اس کو بڑھانے کے اندر اسی کریم خدا پر بھروسہ نہیں کرتے اور جب اپنے جسمانی فائدہ پر روپیہ لگانے سے ڈرتے ہیں تو اپنی قوم کی ضرورتوں میں اور غربا کی ہمدردی میں صرف کرنے کی توقع ان کی ذات سے کب ہو سکتی ہے کیونکہ قومی مصارف کا فائدہ تجارت کے فائدہ سے بھی دور ہے۔ یہ وہ ظلم ہے جو وہ اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر کرتے ہیں اور اس کے علاوہ حقیر لالچ میں مبتلا ہو کر جو سامان دولت اور دولت کے ساتھ قوت حاصل کرنے کا غیر قوم کو دیتے ہیں اس کی وجہ سے اپنے تئیں اور اپنے ساتھ اپنی قوم کے اکثر افراد کو غیروں کے دست نگر اور ذلیل بناتے ہیں یعنے اپنے تئیں اور اپنے جیسوں کو ایک خاص جماعت کے زیر اقتدار لاتے ہیں اور دولت کے ہاتھ پیر رکھنے کے باوجود بیدست پا ہو کر تمام سیاہ و سفید کا اختیار دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں پس کیا صداقت ہو سکتی ہے اس خیال میں کہ بینک کا سود جائز ہونا چاہیئے اور یہ کہ اسلام نے قدیم تشکل کا سود حرام کیا ہے بیشک وہ سود بھی حرام ہے کیونکہ ہمدردی کے جذبات کو فنا کرتا ہے مگر یہ سود بھی کیونکر جائز ہو سکتا ہے جس نے غریب طبقہ کو امرا کا غلام بنا دیا ہے اور اُن کی زندگی اور موت کی کنجی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ وہ لوگ خفیف سود کا لالچ دیکر اپنی قوم کے ادنیٰ طبقہ کا خون چوسنے سے باز نہیں آتے تو وائے بر حال اُن اقوام کے جو اغیار کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر اپنا روپیہ ان کے بینکوں میں دیکر اُن کے ہاتھوں کو اپنی تباہی کیلئے اور مضبوط کئے جاتی ہیں بیشک جس فعل سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو وہ ناجائز ہے اور کسی بیکس کو اس کی سخت ضرورت کے وقت قرض دیکر بدلے سود کے وصول کرنا بیدردی ہے اور ناجائز ہے مگر ایسا ہی ناجائز وہ فعل ہے جس میں اپنی ذات کو تھوڑا فائدہ ہوا اور زیادہ نقصان۔ اسی اصول کی بنا پر قمار بازی ناجائز ہے اور اسی اصول کے مطابق کسی مصیبت سے بچنے کیلئے خودکشی کا ارتکاب ناجائز ہے یہی اصول بر سر کار آتا ہے

یہاں جبکہ سود کی حقیر مقدار حاصل کرنے کے ساتھ ہمارے تمام تر نفع و نقصان کے مالک وہ اشخاص ہو جاتے ہیں جو اپنے حالات اور اپنے خیالات کے اندر ہم سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتے۔ بلکہ اس اصول کے علاوہ یہاں قومی نفع و نقصان کا سوال پیدا ہوتا ہے اور ایک حقیر فائدہ کے مقابلہ میں قوم کی بہت بڑی تعداد با اختیاروں کے ظلم کا نشانہ بنتی ہے اور اغیار کے ساتھ لین دین ہو تو یہی حقیر رقم ایک قوم کو دوسری قوم کا حلقہ بگوش بنائے رکھتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ دو قومیں جو ایک دوسرے کے ماتحت نہیں ہیں یہی سودی لین دین آپس میں کرنے لگتی ہیں اور ایک قوم کا سرمایہ بڑی مقدار میں دوسری قوم میں پھیل جاتا ہے تو زبردستوں کو زیردستوں کا ملک دبا لینے کے لئے یہ بھی ایک معقول بہانہ مل جاتا ہے کہ وہاں ہمارا سرمایہ لگا ہوا ہے اور ہم وہاں کے ملکی انتظام سے بے تعلق نہیں رہ سکتے۔ یہ مظالم ہیں جو کہیں سود لینے والے کرتے ہیں اور کہیں سود دینے والے اور ہر طرح سود خواری لعنت ہے اور جو فعل اس قدر قباحتیں رکھتا ہو کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ اسلام اس کے جواز کا حامی ہوگا ٭

بیشک بینک کا سود اضعافاً مضاعفہ وصول نہیں ہوتا اور اس میں دھوکا اور فریب سے بھی کام نہیں لیا جاتا اور مذکورہ بالا آیت کے تحت میں نہیں آتا۔ مگر قصور یہ لوگ بھی ایسا کرتے ہیں جو خودکشی اور قوم فروشی کہلانے کا مستحق ہے اور خسارہ دنیا کا بھی ہے اور آخرت کا بھی اور اس لئے انکا فعل اُن آیات کے تحت میں ضرور آ جاتا ہے جو اور جگہ انہی قباحتوں کی بنا پر سود کو حرام کہتی ہیں۔ پہلے اس سزا کا خیال کرو جو ان آیات میں سودخواروں کیلئے تجویز کی گئی ہے۔ کہ بہت معنی خیز ہے۔ یعنے ہاتھ پیر کو نہ ہلانے مسکینوں کی مصیبت کا احساس نہ رکھنے اور حقیر سود لیکر اغیار کا تختہ مشق بنے رہنے سے انکو بالکل ایسے شخص سے تشبیہہ دے سکتے ہیں جس کو بحس اور بےخبر ہونے کی وجہ سے لوگ کہا کرتے ہیں کہ اس پر جن کا سایہ ہو گیا ہے اور اس وجہ سے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے بول نہیں سکتا۔ چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے مگر ہوش و خرد کی کوئی علامت ظاہر نہیں کرتا یہی بینک کے سود پر بسر کرنے والوں کی حالت ہوتی ہے کہ کرنیوالوں کو کام کرتے دیکھتے ہیں خود کچھ نہیں کر سکتے ان کے روپیہ پر قبضہ کرنے والے انہی پر حکومت کرتے

اور وہ غلاموں کی طرح اطاعت کے سوا چارہ کار نہیں دیکھتے۔ یہ انکی حالت ہے جو انہوں نے خود پیدا کی ہے اور یہی قیامت کے دن انکی سزا ہوگی کہ مخبوط الحواس اور بدہوش اٹھینگے۔ ان کے جرم کی یہ خاص صفت ہے جو اور جرموں میں نہیں پائی جاتی۔ یہ سزا بھی ان کے لئے خاص ہے جو قرآن میں کسی اور جرم کیلئے تجویز نہیں ہوئی۔ پھر آیات کے اس معجز نما اظہار کو بھی دیکھو کہ ارشاد ہوتا ہے سود کو چھوڑ دو نہ ظالم ہو نہ مظلوم۔ ظالم بننے کی شکل ہمیشہ نظر آتی رہی ہے اور سود خوار قرضداروں پر طرح طرح کے ستم کرتے رہے ہیں۔ مگر سود خوار ہو اور مظلوم ہو یہ شکل نہ اس وقت تھی جبکہ قرآن نازل ہوا ہے نہ اس کے پہلے اور پیچھے کبھی نظر آئی ہے یہ پیشینگوئی آج اس قدر عرصہ گذر جانے کے بعد پوری ہوئی ہے جبکہ لوگوں نے بینک میں روپیہ داخل کرنے کی عادت ڈالی اور سود خواری کا پیشہ عام ہوا۔ اس وقت سود لینے والے خود ہی اپنا روپیہ ان لوگوں کو دیتے ہیں جو انکے روپیہ سے کام لیکر کارخانوں کے اندر مزدوروں پر جبر کرتے ہیں اور اپنی سرمایہ داری کے بل پر حکومت کے انتظام میں دخل پاتے ہیں تو تمام پبلک کو جس طرح چاہتے ہیں ناچ نچاتے ہیں اور پارلیمنٹوں پر قابض ہوکر سرمایہ داروں کی خواہش کے مطابق قانون بناتے ہیں۔ اس حالت کی طرف تیرہ سو سال پہلے اشارہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تجارت کی بجائے سود لینے کا پیشہ اختیار کروگے تو گھاٹے میں رہوگے۔ سود کو پیشہ قرار دینے سے آمدنی کا کم ہونا بھی بینک کے سود میں نظر آیا ہے پہلے یہ صورت بھی نہ تھی۔ غرض اس موقع کا تمام بیان معجزہ ہے پہلے برابر دو رکوع میں مال کو بہتر طریق پر صرف کرنے کی تاکید ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس سے تمہارا مال بڑھیگا اور نقصان کا وسوسہ شیطان ڈالتا ہے۔ اس کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ پھر تیسرا رکوع یوں شروع ہوتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا
كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ

جو لوگ اپنا مال رات اور دن پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں ان کو خدا کی طرف سے عوض ملتا ہے اور ان کو کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ جو سود کھاتے ہیں وہ قیامت کو اس حالت میں اٹھینگے کہ گویا ان کو جن کے مس کرنے سے جنون ہو گیا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں بیع

مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ؕ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى
الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا
مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝
(پارہ ۳ بقرہ ع ۳۸)

اور سود برابر ہے۔ حالانکہ بیع خدا نے جائز کی ہے اور سود حرام ٹھہرایا ہے، جس کو یہ نصیحت پہنچے اور وہ باز آئے تو جو گذرا گذر چکا وہ خدا کے سپرد ہے جو سود خواری کی طرف لوٹیگا وہ دوزخی ہے اس میں ہمیشہ رہے گا۔ خدا سود میں گھاٹا دیتا ہے اور خیرات سے برکت دیتا ہے اور اللہ ناشکر اور گنہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور نماز ادا کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیں ان کو اجر ملتا ہے ان کے رب کی طرف سے اور انہیں کوئی خوف نہیں ہے نہ وہ رنج کریں گے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے چھوڑ دو اگر مسلمان ہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار رہو اور اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تم کو لینے کا حق ہے۔ نہ دوسروں پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کرے +

سود اور قومی امداد

۴۔ اگر کسی قوم میں تجارت اور دیگر مفید کاروبار کا شوق ہو محنت سے جی نہیں چراتے۔ روپیہ خرچ کرنے کے موقعے اور اس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور جس قدر کام کر سکتے ہیں اس میں کسی کوتاہی اور کم ہمتی کو روا نہیں رکھتے لیکن جس قدر روپیہ اپنے کاروبار سے زائد ہوتا ہے اور خود اس کو صرف نہیں کر سکتے اسے بیکار نہیں چھوڑتے۔ دیگر تجارتی کاروبار کو مدد پہنچانے کیلئے اپنے قومی بینکوں میں جمع کر دیتے ہیں اور ایسے ایسے سرمایوں کے ایک جا ہونے سے اُن کی اپنی قوم کے کچھ افراد تجارتی کارخانے بڑے پیمانہ پر چلانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ اپنے سرمایہ

سے خود بہت کم منفعت پاتے ہیں اور وہ قوم کے چند افراد ہوتے ہیں جو اس طرح کی متفرق رقموں سے عظیم الشان سرمایہ جمع کر لیتے ہیں اور بے انتہا مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اور اگرچہ اس تدبیر سے دولت و ثروت کا بہت بڑا حصہ بہت تھوڑے سے معاوضہ پر خاص جماعت کے قبضہ میں چلا جاتا ہے اور سرمایہ اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا اور دنیوی حقوق چونکہ بیشتر دولت و ثروت کے امتیاز پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے وہ خاص جماعت ملک کے سود و بہبود پر قابض ہو جاتی ہے اور جیسا کہ پہلے بھی مفصل ذکر ہو چکا ہے یہ بڑا نقصان ہے لیکن اوّل تو یہ روپیہ ایسا فرض کیا گیا ہے جو سرمایہ داروں کی ضرورت اور ان کے کاروبار کی وسعت سے زائد ہے اور وہ اسے بینک میں نہ دیں جب بھی کوئی اور مفید کام اس سے نہیں لے سکتے اور سرمایہ کا اس قدر حصہ بیکار رہتا ہے۔ حالانکہ روپیہ بیکار رکھنے کی چیز نہیں۔ دوسرے اس شکل میں یہ بھی فرض کیا گیا ہے کہ ان کی اپنی ہی قوم ہے جس کے بینکوں میں روپیہ جمع کرتے ہیں۔ کوئی غیر نہیں جس کو اپنے اوپر اور اپنے بھائیوں پر قابض کرتے ہوں۔ نیز ملک کے کچھ سرمایہ کا اس طرح قوم کے اپنے ایک مرکز پر جمع ہونا بھی قوم کی ایک ضرورت ہے اور اگر ایسا نہ ہوگا تو اعلیٰ پیمانہ کی تجارت بھی نہ ہو سکیگی اور ایسی تجارت کے بغیر کوئی قوم فی زمانہ امن و راحت سے بسر نہیں کر سکتی پس تجارت کا ایسا اہتمام کرنے سے قوم کے بعض افراد تمام ملک پر اقتدار پاتے ہیں اور نہ کرنے سے کل قوم ذلیل بنکر اغیار کی محتاج ہوتی ہے مشکلیں دونوں ہیں اور سب سے بہتر یہی صورت ہے کہ اہل ملک اپنی ضرورتوں کیلئے غیر کے دست نگر بھی نہ ہوں اور اقتدار و دولت کے لحاظ سے باہمدگر ایسا تفاوت بھی نہ رکھیں کہ بعض افراد ایسا شاہانہ اقتدار حاصل کریں اور باقی افراد ذلت میں بسر کریں جبتک تمدن کی ترقی ایسی صورت پیدا نہیں کرتی تو ملکی زیست قائم رکھنے کے لئے ضرورت ہے کہ دونوں میں سے آسان مصیبت کو برداشت کریں اور ہر چیز میں اغیار کا محتاج ہونے کی بجائے اپنے ہی چند افراد کو وہ سامان مہیا کر دیں جس سے ملکی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور ممالک غیر کے ساتھ لین دین کر کے ملکی سرمایہ اور عزت کو ترقی دیں +

اضطراری حالت اور مجبوری

پس یہ فعل گو حقیقت میں قباحت سے خالی نہیں اور جو مفاد ایسے فعل سے حاصل ہوتا ہے باطل کے سوا

کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مگر اس بہت بڑے نقصان سے بچنے کیلئے جو تجارت پیشہ اقوام کے غالب آنے سے اکثر اوقات لوگوں کے جان مال بلکہ مومن کی سب سے زیادہ عزیز چیز یعنے ایمان کو بھی غیر قوم کے تہذیب تمدّن اور مذہب کے حاکمانہ اثر سے برباد کر دیتا ہے۔ ایسی مجبوری پیش آتی ہے کہ کسی قوم کو جو ایسی قباحتوں سے بچنا چاہتی ہو تجارت پر آمادہ ہونے کے سوا اور تجارت کیلئے سود خوری کے ایسے دستور کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں پس جس طرح مردار کا گوشت حرام ہے مگر بھوک سے لاچار ہو کر اضطراری حالت میں اس سے کام لینا جائز ہو جاتا ہے اسیطرح سود اگرچہ شریعت اسلامیہ کے رو سے حرام ہے لیکن اگر قومی حیات و ممات کا سوال ہو اور اگر محض تجارتی اغراض کیلئے کوئی پسماندہ قوم اپنے بینک کھولے اور فضولیات میں خرچ کرنے کیلئے یا نام و نمود کے کاموں پر ضائع کرنے کے لئے بینک کو استعمال نہ کرے بلکہ محض تاجرانہ اغراض کیلئے سودی لین دین کو جاری رکھے اور قوم کا روپیہ خاص اپنے قومی مرکز میں جمع کر کے قومی تجارت کو فروغ دے تو خدا سے ڈر کے اور قومی تجارت کی نازک حالت کا خیال کر کے با دل ناخواستہ ان خطرناک الفاظ کو حوالہ قلم کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ قوم کی مغلوبیت پر اور خستہ حالی پر رحم فرما کر اس جرم سیاہ کو اپنے عفو بندہ نوازی میں پناہ دے تو بعید نہیں +

غرض تاجرانہ اغراض کیلئے سودی لین دین ہی ایک ایسی ضرورت ہے جو تیرہ سو سال کے بعد آج پیدا ہوئی ہے اور اس کے بغیر آجکل کی تجارت میں کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہیں اور چونکہ اسلام خدائی قانون ہے اور زمانہ کی ہر ضرورت کے وقت اس کے احکام میں سبیل کار کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے۔ جن چیزوں کا کھانا حرام ہے۔ اُن کی حرمت کا ذکر کرنے کے بعد اضطراری حالت میں انکے استعمال کی اجازت موجود ہے۔ قومی اغراض اور اعلاء کلمۃ الحق کے واسطے زندگی سے بے پروا ہو کر جانبازی اور سرفروشی کرنے کے احکام نازل ہوئے ہیں۔ مگر جہاں جان کھونے سے کسی فائدہ کی امید نہ ہو وہاں اپنے تئیں ہلاکت سے بچانا فرض ٹھہرایا گیا ہے۔ تو ایسی قومی ضرورت کیلئے جس کا اہتمام نہ کرنے سے تجارتی معاملات میں غلبہ پانے والے پست اقوام کو ہر طرح کی ذلّت اور تکلیف میں مبتلا کرتے شب و روز دیکھے جاتے ہیں۔ ایسی شدید ضرورت کیلئے کیا کوئی طریق شریعت اسلامیہ نے نہ

بتایا ہوگا؟ اس قدر یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ایسی حالت کی تدبیر شریعت غرّا کے اندر ضرور موجود ہے مگر نہ تیرہ سو سال تک مسلمانوں کو ایسی ضرورت محسوس ہوئی نہ اُنہوں نے احکام اسلام میں اسکا حل تلاش کیا۔ اب اگر اس کی طرف توجہ کی جائے تو ممکن ہے کہ اضطراری حالت میں بھی سودی کاروبار کی اجازت نہ ملے لیکن کسی طرح کا تدارک ضرور معلوم ہو جائیگا اور وہ دفاتر شریعت میں یقیناً موجود ہیں مگر ملت اسلامیہ کو جب تک زمانے کے صدمات دیگر تمام اطراف سے مایوس اور شریعت اسلامیہ کی جانب رجوع لانے کیلئے مجبور نہ کرینگے اور جب تک دنیوی چالاکیاں کرتے کرتے اور ناکامیاں اُٹھاتے اُٹھاتے عاجز آکر خدا کے آگے سر نیاز نہ جھکائینگے ان کو صحیح راستہ نظر نہ آئیگا۔ اس وقت تک اگرچہ غور و خوض کی طرف توجہ عام اہل اسلام نے بہت کی ہے مگر چونکہ وہ اسرار شریعت کو دریافت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اسی رستہ پر چل نکلے ہیں جو دنیا والوں نے اپنی عقل سے ایجاد کیا ہے چنانچہ وہ سود کو جائز قرار دیکر اپنا روپیہ اغیار کے بینکوں میں داخل کرنے لگے ہیں اور تھوڑی سی منفعت کو دیکھکر جو بے دردسر ملجاتی ہے اپنے خون سے اغیار کی کشت امید کو سیراب کرنے لگے ہیں اور اپنی بربادی میں خود ہی دشمنوں کے معاون بنگئے ہیں یا اگر کہیں اپنے بینک کھولے ہیں تو اُنکو بھی دنیا کے مروجہ طریق پر چلارہے ہیں۔ کوئی فضول نام و نمود میں برباد کرنے کے لئے ان سے روپیہ قرض لے کوئی عیاشی اور قماربازی میں تباہ ہونے کے لئے ان سے روپیہ کا طالب ہو تو ان کو قومی بینک سے قرض دینے میں تامل نہیں ہوتا۔ کفالت معتبر ہو اور اصل مع سود ملنے کی توقع ہو تو وہ اسلامی بینک کا دروازہ ہر مسرف و عیاش کے مُنہ پر کھولنے کو تیار ہیں۔ یہ سب دنیا داری کے فن ہیں سرتاپا نقصان سے معمور ہیں۔ قومی تجارت کو اس قسم کے عمل سے کوئی تعلق نہیں تو شریعت اسلامیہ کو اس کی اجازت دینے سے کیا واسطہ۔

تجارتی دشواریوں کا ناقص حل

عوام الناس کے علاوہ علمائے شریعت نے بھی سود کی نسبت غور و خوض آغاز کیا ہے مگر ابھی ان کی توجہ اس تجارت کی طرف مبذول نہیں ہوئی جو ثروت کے بڑے بڑے خزانوں کو لگا کر شروع کرتے ہیں اور تمام دنیا میں پھیلا دیتے ہیں یعنے اُنہوں نے مال پیدا کرنے کی ضرورت کو نہیں دیکھا

دوسروں کا پیدا کیا ہوا مال منگوانے کی ضرورت کو دیکھا ہے کہ کارخانوں سے خرید کر مال فروخت کرنے کے لئے دوکانوں میں بھرنے والے بھی بہت بڑی مقدار میں منگواتے ہیں تو فائدہ اٹھاتے ہیں اور ایسے بڑے مال کی نقد قیمت ادا کرنے کے لئے روپیہ پاس نہیں ہوتا اور مال منگوایا جاتا ہے ممالک غیر سے جو جائداد کو دیکھ نہیں سکتے اور معتبر نامعتبر کو پرکھ نہیں سکتے مال منگوانے کا ذریعہ یہی ہوتا ہے کہ کسی معتبر بینک سے معاملہ کیا جاتا ہے اور اسکی کفالت سے مال آتا ہے قیمت وقت پر ادا نہیں ہوتی تو سود دینا پڑتا ہے۔ مال منگوا کر چھوٹے دوکانداروں کو دیتے ہیں تو نقد قیمت وہ بھی ادا نہیں کرتے۔ اعتبار پر مال دیا جاتا ہے اور قیمت کے ساتھ سود وصول کیا جاتا ہے۔ اپنا سود کارخانوں اور بینکوں کو ادا کرتے ہیں۔ سود سے پرہیز ہو تو نہ بینک سے معاملہ ہو سکتا ہے نہ خرید اور فروخت کی قیمتوں کا توازن قائم رہ سکتا ہے۔ تجارت کی صرف اس شکل کو علمائے شریعت کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ مال قرض دیا جائے تو اس کی قیمت نقد سودے کی نسبت زیادہ لگانے کی اجازت فقہ میں موجود تھی جمعیۃ العلمائے ہند کے محترم صدر نے اس کے مطابق فتوے دیا اور قرض مال خریدنے کی وجہ سے جو زائد سود دینا پڑتا ہے اور اس کے مقابلہ میں چھوٹے سوداگروں سے جو زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے اس کا جواز پیدا ہو گیا۔ بینک سے لین دین رکھنے اور سود وصول کرنے کی اجازت بھی محترم صدر اور انکے رفقا نے دیدی۔ مگر سود کو اپنے صرف میں لانے کی ممانعت کی اور غربائے قوم میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ ان دونو فتووں نے خرید و فروخت کرنے والوں کی ضرورت کو ایک حد تک پورا کر دیا اور جو لوگ خدا کی دی ہوئی جسمانی قوتوں کو معطل رکھکر سود کی آمد پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور حرام حلال کو ملا کر مالدار بنتے ہیں انکو سستی میں وقت گذارنے اور نفسانی خواہشوں میں مصروف رہنے سے باز رکھا اور سود کو جائز سمجھنے سے روکا بیشک اسلامی شان ضرورت کے مطابق اجازت دینے کے ساتھ ایسی احتیاط کو مد نظر رکھنے کی مقتضی تھی۔ میں اسکی نسبت اپنا خیال ایک مستقل عنوان کے نیچے ابھی ذکر کرتا ہوں۔ سر دست مفتی صاحب موصوف کی خدمت میں نہایت ادب سے گذارش یہ ہے کہ اس فتوے سے ضرورت حاضرہ کا پورے طور پر اہتمام نہیں ہو سکا۔ کیونکہ نامسلمان تجارت کی نیت سے رقم نکال کر بینک میں دیتا ہی تو اسی وقت سے سود کی

منفعت حاصل کرنے لگتا ہے مسلمان بینک کا سود اپنے صرف میں نہ لائیگا تو اس عرصہ کے لئے رقم بیکار رہیگی اور آجکل مقابلہ کی شدت نے تجارت کی حالت ایسی نازک کر دی ہے کہ وہ ایک حیثیت کے دو سوداگروں کا تھوڑا سا تفاوت بھی ایک کو کامیاب اور دوسرے کو برباد کر سکتا ہے نامسلمان کیلئے بینک کا سود بھی آمد کا مستقل ذریعہ ہوتا ہے جس سے وہ اسی حیثیت کے مسلمان پر غالب رہیگا اور اسے کامیاب نہ ہونے دیگا۔ اس کے علاوہ کارخانے کھولنے اور مال پیدا کرنے کے لئے جو رقمیں بینکوں سے لی جاتی ہیں اور ان کا سود دیا جاتا ہے اس کا سوال الگ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوا۔ نہ بینک قائم کرنے کا فیصلہ ہوا ہے ٭

سوال کی شکل ان تمام دشواریوں کو پیش نظر رکھکر احکام شریعت کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس غرض کے لئے اسلامی دربار میں جو درخواست پیش ہو سکتی ہے۔ اسکا مسودہ یہ ہے:-

۱۔ دنیا کے بہت سے جو ہم سے پہلے تجارت پر قبضہ کر چکے ہیں ہم کو اپنے ساتھ نجاست سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں اور حق سے برگشتہ ہونے پر زور دیتے ہیں ٭

۲۔ ہم ناتوان ہیں۔ حریف طاقتور ہیں ہم کو ہر طرح سے ذلیل کر رہے ہیں ٭

۳۔ ہم تجارت کی کوشش نہ کریں تو اغیار کے تجارتی غلبہ سے تباہ ہوتے ہیں۔ اس سے بچنے کی کیا صورت ہے ٭

۴۔ ہم حرام خور بنکر خدا کے غضب میں گرفتار ہونا نہیں چاہتے۔ قوم کی بہتری کے لئے کوشش کرنی چاہتے ہیں اور اس کوشش میں فضل خدا کے طلبگار ہیں اور جو قصور ہو اُس کی معافی چاہتے ہیں ٭

۵۔ تجارت کی موجودہ شکل میں بعض لوگ بڑے سرمایہ دار بنکر دوسروں پر غالب آ جاتے ہیں۔ ان کی نسبت کیا ارشاد ہے ٭

٦۔ رزق کو فضل خدا قرار دیا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بحالت موجودہ جو تلاش کی صورت ہے اس پہ کاربند ہوں یا نہ ہوں ٭

جواب کی تفصیل ان سوالوں کا جواب قرآن کریم کی آیات ذیل سے ترتیب وار ملتا ہے:-

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ
يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ
عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ط
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ط يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ
رَحِيْمًا ط وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ط
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ
نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ وَلَا
تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط وَسْئَلُوا اللّٰهَ
مِنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ (پارہ ۵ النساء ع ۵

ان آیات کا ترجمہ سوالوں کو سامنے رکھکر دیکھو:۔

۱۔ دنیا کے بندے جو ہم سے پہلے تجارت کے رستہ پر رہ سپار ہو چکے ہیں ہم کو اپنے ساتھ نجاست سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں اور حق سے برگشتہ ہونے پر زور دیتے ہیں	(۱) خدا چاہتا ہے کہ کھولکر بتائے اور تمکو ہدایت کرے ان لوگوں کی روش کی نسبت جو تم سے پہلے رہ سپار ہوئے ہیں اور چاہتا ہے کہ تمہارا عذر قبول فرمائے اور اللہ علم و حکمت کا مالک ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق دے مگر جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم رستہ سے بہت بھٹک جاؤ۔
۲۔ ہم ناتوان ہیں حریف طاقتور ہیں ہم کو ہر طرح سے ذلیل کر رہے ہیں ؛	۲۔ اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری دشواریوں کو کم کرے کیونکہ انسان ناتوان مخلوق ہے۔
۳۔ ہم تجارت کی کوشش نہ کریں تو اغیار کے	۳۔ اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا

تاجرانہ غلبہ سے تباہ ہوتے ہیں۔ اس سے بچنے کی کیا صورت ہے۔	مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو باہمی رضامندی سے ہو۔ تم اپنے تئیں قتل نہ کرو۔ خدا تم پر مہربان ہے۔
۴۔ ہم حرام خور بنکر خدا کے غضب میں گرفتار ہونا نہیں چاہتے۔ قومی بہتری کیلئے کوشش کرنی چاہتے ہیں اور اس کوشش میں فضل خدا کے طلبگار ہیں اور جو قصور ہو اسکی معافی چاہتے ہیں۔	۴۔ البتہ جو شخص ایسا فعل تعدی سے اور ظلم سے کریگا ہم اسے آگ میں جلائینگے اور یہ خدا کے لئے مشکل نہیں ہے۔ اگر تم بڑے بڑے حرام کاموں سے پرہیز کرتے رہوگے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف کردینگے اور تم کو عزت کا ٹھکانا عطا فرمائینگے۔
۵۔ تجارت کی موجودہ شکل میں بعض لوگ بڑے سرمایہ دار بنکر دوسروں پر غالب آجاتے ہیں۔ اس کی نسبت کیا ارشاد ہے۔	۵۔ اور اس کا رشک نہ کرو کہ اللہ تمہارے بھائیوں میں سے بعض کو بعض سے افضل بنا دیتا ہے۔ مردوں کا حصہ ہے جو وہ کسب کریں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔
۶۔ رزق کو خدا کا فضل فرمایا گیا ہے اور اسے تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بحالت موجودہ جو تلاش کی صورت ہے اس پر کاربند ہوں یا نہ ہوں۔	تم خدا سے اسکا فضل مانگو بیشک خدا ہر بات سے آگاہ ہے۔

تفسیر قدما

متقدمین نے ان آیات میں غور کیا ہے تو چونکہ تجارت کی اس شکل کا انکو گمان بھی نہ تھا انہوں نے اپنے حالات کے مطابق اسکو حل کیا۔ انہوں نے پہلے لوگوں کی سنت سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیل کا دین مراد لیا۔ خواہش کی پیروی کرنے والوں سے انکا خیال یہود و نصاریٰ کی طرف منتقل ہوا۔ کیونکہ وہ اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ دشواریوں کو کم کرنے سے وہ سمجھے کہ عبادت میں آسانی اور توبہ کی قبولیت مراد ہے۔ اپنے تئیں قتل کرنے سے یہ مطلب لیا کہ ایکدوسرے کو قتل نہ کرو یا گناہوں سے اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو بعض نے یہ تفسیر بھی کی کہ خودکشی نہ کرو۔

ضرورت حاضرہ کا حل

غرض متقدمین کی تفسیر اُس زمانے کے لحاظ سے ہر طرح مکمل ہے اور جو واقعات اب رونما ہوئے ہیں وہ نہ انکو نظر آ سکتے تھے نہ آیات قرآنیہ میں غور

کرنے کے وقت اُن کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا تھا۔ محض قرآن کا معجزہ ہے کہ اس سے ضرورت حاضرہ کے واسطے ہر وقت ہدایت میسر آسکتی ہے چنانچہ ان آیات میں ہمارے زمانہ کی تمام حالت کا نقشہ صاف نظر آتا ہے۔ ہم کو اگر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دین حنیف پر گامزن ہونے کی ضرورت ہے تو ہمارے زمانہ میں جو لوگ ہم سے پہلے تجارت کا ایک نیا طریق ایجاد کر چکے ہیں ان کے اس طریق کی نسبت بھی ہمیں قرآن سے ہدایت لینے کی ضرورت ہے۔ یہود و نصاریٰ ہم کو دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں تو دنیا والے ہم کو مال و زر کی خواہش میں حرام حلال کی تمیز سے بے پروا کرنا چاہتے ہیں عبادت کے آسان راستوں پر گامزن ہونے کی ضرورت ہے تو معاش پیدا کرنے کے لئے تجارتی کاروبار میں جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں انکی معافی طلب کرنیکی بھی ضرورت ہے ہمکو اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالنے سے روکا گیا ہے تو تجارت میں غفلت کرنے سے جن عظیم الشان قومی خطرات کا سامنا ہوتا ہے ان سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہوگا۔ باطل طریق پر مال حاصل کرنیکے ضمن میں مفسرین کو غصب۔ قماربازی۔ خیانت اور سرقہ کا خیال آیا ہے۔ امام رازی اور بعض مفسرین نے سود کو بھی اسی ضمن میں شامل کیا ہے۔ آمدنی کے ان سب ناجائز طریقوں کی طرف خیال اسی لئے منتقل ہوا کہ یہ سب طریقے موجود تھے۔ تجارت کے اندر حرام کی آمیزش اس زمانے میں نہ تھی نہ اس میں کسی اور ناجائز فعل کی ضرورت ہوتی تھی جس کے لئے خدا کے رحیم کریم ہونے کی بنا پر کسی طرح کی تخفیف اور انسانی کمزوری سے درگذر کرنے کا ذکر مناسب ہوتا پس ناجائز مال کی ممانعت تخفیف کا ذکر اور خدا کے رحیم ہونے کا ذکر اور تجارت کی اجازت۔ یہ چیزیں انہیں ایک دوسرے سے بے تعلق نظر آئیں اور آیت کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ چوری اور حرام خوری ناجائز ہے۔ تجارت جائز ہے یعنے یہ استثنائے منقطع ہے جس میں حرف استثنا کے بعد ایک غیر چیز کا ذکر ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں سب براتی آگئے مگر سواری نہیں آئی" استثنا کی دوسری اور اصلی شکل یہ ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہو اسی قسم کی چیز کو نفی کیا جائے مثلاً "سب براتی آگئے مگر دولھا کا چچا نہ آیا"۔ یہ استثنائے متصل ہے۔ اس کی شکل آیت کے اندر اسی زمانے میں پیدا ہوئی ہے اور اسی زمانے میں اس حکم کے ساتھ تخفیف اور معافی کا تعلق ثابت ہوا ہے۔ سود کا لین دین عیاشوں اور بدمعاشوں سے بھی ہوتا ہے۔ سود کا لین دین شادی غمی کی ضرورتوں میں بھی ہوتا ہے کسی مصیبت کے وقت بھی سودی قرض لیا جاتا ہے

ایسی سب صورتوں میں سود کی آمد ناجائز ہے اور اس سے مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ مگر سودی لین دین تجارت کیلئے بھی ہوتا ہے اس کے ناجائز ہونے میں کلام نہیں مگر آجکل اس کے بغیر تجارت نہیں چلتی اور تجارت نہ کرنے والے تباہ ہوتے ہیں حکم میں تخفیف اور نرمی کرنے کا اور محض تجارت کی غرض سے باطل لین دین کی اجازت دینے کا یہی موقع ہے۔ آیات مذکورہ اس صورت پر بالکل منطبق ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کریں تو چھوٹے گناہوں کے معاف ہونے کی خوشخبری دیگئی ہے۔ ہم سود کی خوفناک صورتوں سے اجتناب کریں۔ اغیار کے بینک میں روپیہ دیکر ان کو کمزور اقوام پر غالب آنے میں مدد نہ دیں۔ عیاشی اور نمائش کرنے والوں کی اعانت نہ کریں مصیبت زدہ کو قرض دیکر اس پر سود کا بار نہ ڈالیں تو ان منہیات کبیرہ کو ترک کرنے کی برکت سے گمان غالب ہے کہ محض قومی تجارت کو فروغ دینے کے لئے قومی بینک کھولنے اور سودی کاروبار کرنے کا گناہ اس وقت تک قابل معافی ہوگا جب تک کامیاب تجارت کے لئے خدا کوئی رستہ نہ کھولے۔ مگر جونہی تجارت کیلئے کامیابی کی کوئی اور صورت پیدا ہو جائیگی سودی کاروبار کی حرمت عود کر آئیگی اور باطل کو اس کے فطری بطلان کی وجہ سے ترک کرنا فرض ہوگا۔

تجارت کا وسیع مفہوم

حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم شامل حال رکھے۔ حرام کو حلال سمجھنے کی لعنت سے ہر مسلمان کو بچائے اور جو قدم حق کے خلاف اُٹھے اُس سے باز آنے کی توفیق دے۔ کسی تازہ ضرورت کیلئے حکم خداوندی کا مدعا دریافت کرنے کے وقت غلطی کھانے کا بہت بڑا اندیشہ ہے۔ مگر سرسری دیکھا جاتا ہے تو وہ تجارتی کاروبار جس میں محض خرید و فروخت پر مدار ہوتا ہے الگ رہا۔ زراعتی کاروبار میں جو نسبتہً کم خرچ سمجھا جاتا ہے آج کل کی ضرورتیں لوگوں کو ایسا مجبور کر رہی ہیں کہ زمینداروں کے قرضہ کا سود جو وہ سالانہ ساہوکاروں کو ادا کرتے ہیں صرف خطہ پنجاب کے اندر حکومت کے سالانہ خراج سے زیادہ ہے اور پھر قرض دینے کے احسان ہیں جو مختلف فرمائشوں اور خدمتوں کا بار زمینداروں پر آئے دن ڈالتے رہتے ہیں۔ وہ الگ رہا۔ ساہوکاروں کے پنجہ سے رہائی پانے کی کوئی صورت نہ تھی مگر سرکار انگریزی کے اہتمام سے اکثر دیہات میں زمیندارہ بینک کھل گئے ہیں جن سے ضرورت کے مطابق قرضہ ملجاتا ہے اور وقت معین پر بالاقساط ادا ہو جاتا ہے

ساہوکاران بینکوں سے تلملا اٹھے اور زمیندار آرام کا سانس لینے لگے ہیں۔ اگرچہ ایک قباحت ان میں بھی ہے کہ دنیوی اصول پر چلائے گئے ہیں اور جو لوگ شادی و غم کی رسمیں پوری کرنے کے لئے یا عیش پرستی اور ہوس رانی میں اڑانے کیلئے قرض طلب کرتے ہیں بینک اپنی شرائط کے مطابق انکو قرض دینے میں تامل نہیں کرتا اور ضرورت کے ساتھ ہوس رانی اور طیب کے ساتھ خبیث آمدنی کو مخلوط کر لینے سے آیات مذکورہ کے تحت میں نہیں آتا اگر یہ نقص دور کر دیں اور ہر قرضدار سے انکی جائز اور ناجائز ضرورت کا ثبوت لینے کے بعد قرض دیں تو زمیندار طبقہ کے لئے یہ انتظام رحمت ہوگا۔ پہلے ساہوکار سے سو روپیہ لیکر ایک عرصہ میں اس کا ایک ہزار تک پہنچ جانا یقینی تھا اور جائداد کو تباہ کئے بغیر بھی کھاتے کے پھیر سے نجات پانا ممکن نہ تھا۔ اب جائداد کو بلکہ آلات زراعت کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے اور کچھ مدت کے اندر تمام قرضہ مع سود بیباق ہوجاتا ہے۔ اگر تمام تجارتی اغراض کیلئے بینک کھلجائیں اور قوم اپنا روپیہ اغیار کو سپرد کرنے کی بجائے اپنے بینکوں کی سرپرستی کرے اور بینک فضولیات میں قرض دینے سے محترز رہیں تو قومی تجارت کے فروغ پانے میں شبہ نہیں۔ اگر یہ خیال[+] صحیح ہے تو خدا کرے قوم اس طرف پوری دیانتداری کے ساتھ تمام توجہ منعطف کرے اور اگر اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار ہے تو حق تعالی مسلمانوں کو اس کا رستہ دکھائے +

مسلمانوں کا طرزِ عمل

سود کی نسبت ایسی رائے قائم کرنے کے بعد مسلمانوں کی حالت دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم باستثنائے قلیل تجارت کے تمام کاروبار سے

+ قریباً ۱۰ سال گذرے ہیں میں نے یہ مضمون کسیقدر تغیر کیساتھ رسالہ تہذیب الاخلاق امرتسر میں دیا تھا۔ اس وقت سے آجتک اس موضوع پر غور کرتا رہا ہوں اور دل سے آرزومند رہا ہوں کہ تاجرانہ مہمات کو پورا کرنے کے لئے سودی کاروبار کے بغیر کوئی سبیل پیدا ہو مگر اسوقت تک سوا اس کے کوئی رستہ نظر نہیں آیا اور آج بھی بحالت مجبوری اسی رائے پر قائم ہوں اب بھی یہ مضمون اسی غرض سے اس تحریر میں درج کرتا ہوں کہ غور کرنے والے دینداری کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے توجہ فرمائیں۔ شاید کسی کو اس سے بہتر تدبیر سوجھے اور مسلمانوں کو تجارت میں دخل دینے کی سہولت پیدا ہو۔ مضمون کو دوبارہ لکھا ہے تو طرز ادا میں کچھ تفاوت ہو گیا ہے اور بعض نکات مکرر بھی ہو گئے ہونگے مگر میں اپنا مدعا پیش کرنے سے غرض رکھتا ہوں تکرار مطالب ناگوار ہوتا ہے تو بعض اوقات نئے مضمون کو دل میں بٹھانے کی تاثیر بھی دکھاتا ہے مطالب قرآنیہ بھی مکرر ذکر ہوئے ہیں اور فائدہ یہی دیکھا ہے کہ مضمون کو بار بار دیکھنے سے کبھی نہ کبھی وہ دل میں گھر کر لیتا ہے اور آدمی کو عندیہ بھی بالآخر صحیح خیال پیدا ہو جاتا ہے +

جاری ہے اور معاش حاصل کرنیکے کسی معقول ذریعہ کو ہاتھ میں نہیں رکھتی انمیں سے ایک حصہ زراعت پیشہ ہے جو اپنی ملکیت میں اور اپنی حیثیت میں بالعموم تنزل کرتا جاتا ہے کچھ کچھ کسی نہ کسی طرح کی حرفت یا دوکانداری کرتے ہیں کہیں کہیں خال خال بڑے پیمانہ کی تجارت بھی کرتے ہونگے مگر جس کو حقیقت میں تجارت کہنا چاہیئے یعنے مال تیار کرنے اور بنانے کا کارخانہ غالباً کوئی ایک مسلمان بھی نہیں رکھتا اور جو کام کرتے ہیں وہ سب بالکل پرانی طرز پر جاری ہیں اور کسی پیشہ اور کسی تجارت میں اصول تمدن کے موافق کسی قسم کا نظام اور آئین نہیں رکھتے اور اسی لئے ان میں سے اکثر محض بسر اوقات پر قادر ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی منفعت اور کوئی سرمایہ جوڑ کرکے قابل ہو مہیا نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کا کوئی ایوان تجارت۔ کوئی یونین۔ یا کوئی بینک سننے میں نہیں آتا۔ ہمارے ملک میں موجودہ بیداری کے اثر سے مسلمان راغب ہوئے ہیں تو اکثر و بیشتر محض ملازمت کی جانب۔ یہی طبقہ یا قانون پیشہ گروہ وہ لوگ ہیں جن میں سے بعض اپنی ضرورت سے زائد سرمایہ پس انداز کرنے پر قادر ہوئے ہیں اور انہی کو اس روپیہ سے کام لینے اور منفعت حاصل کرنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے مگر اتنی سکت کسی میں نہیں کہ کوئی تجارتی کارخانہ یا کوئی مشترکہ سرمایہ کی کمپنی قائم کریں۔ خود منفعت حاصل کریں اور اپنے نمونہ سے قوم میں تجارتی جذبہ پیدا کرنے کا ثواب لیں۔ یا تو اپنے بیش قرار منفعت کے کام کو چھوڑنے پر رضامند نہیں ہو سکتے یا دون ہمتی اور آرام طلبی سے فائدہ کم ہو جب بھی بڑے کام کا حوصلہ نہیں کرتے اور یا کبھی ایسی ہمت کر دکھاتے ہیں تو ہر شخص اپنے رفیقوں کا مال کھانے اور دھوکہ دینے میں ایسا ید طولےٰ دکھاتا ہے کہ اوروں کے ساتھ اپنے تئیں بھی لے ڈوبتا ہے اور کام چل نہیں سکتا اس لئے ہر پھر کے ان کے دیدہ آزا ایسے بینکوں کو گھورتے ہیں جو دیگر اقوام نے اپنی قومی اغراض کیلئے اور اپنے ہم قوموں کو فائدہ پہنچانے کیلئے اطراف ملک میں اور دیگر ممالک میں جاری کر رکھے ہیں۔ ان ہی کا انتظام اچھا نظر آتا ہے اور انہی سے بے دردسر سود کے پیسے یا روپے ملتے رہتے ہیں اور یہی حقیر منفعت ہے جس کے لالچ میں ہمارے دولتمند بھائی سود کے جائز ہونے کی تمنا زاہد کی تمنائے بہشت سے زیادہ رکھتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ انکا موجودہ کاروبار انکو بینک میں جمع کرنے کے لائق روپیہ پس انداز کرنیکا موقع دے رہا ہے اور وہ دولتمند ہیں سود لینے کی کوئی مجبوری پیش نہیں کر سکتے اور جہاں وہ روپیہ لگاتے ہیں

وہ وہی لوگ ہیں جو اپنی تاجرانہ فوقیت اور زبردست اثر سے دینے والوں کی اپنی قوم کا اور خود روپیہ دینے والوں کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں پس جن بیکسی اور مغلوبیت میں وہ اور ان کی قوم مبتلا ہے اسی کے پیدا کرنے والے اسباب کو وہ خود بھی اپنے روپیہ سے مدد پہنچانے کا ثواب لیتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ قوم کے دشمن ہیں۔ اپنے دشمن ہیں اور ہر طرح کا نقصان اور ذلت برداشت کرتے ہیں مگر چند خرمہروں کا لالچ ہے جو اُن کی آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سُننے نہیں دیتا اور دل پر یہ غلط نقش بٹھاتا ہے کہ اکانومی کا اصول شرعاً غلط نہیں ہو سکتا ہاں وہ اصول یقیناً غلط ہے اور اس کے غلط ہونے پر اکانومی مہر لگا چکی ہے۔ غیر اقوام اور غیر ملک کو سرمایہ دینا ایسی قوموں کو بھی گوارا گذرتا ہے جن کے ہاں دولت کے دریا بہ رہے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ قوم جس کا سرمایہ اس کے اپنے کاموں پر کچھ بھی نہ لگا ہو وہ غیروں کو مدد دینے کا فخر کرے؟ نہیں ایسے لوگ یقیناً ظالم ہیں اور چشم بصیرت سے عاری۔ فخر کا مقام نہیں۔ نہ امداد کی کوئی ضرورت جن کو مدد دیتے ہیں وہ ان کی مدد کے بھوکے نہیں ہیں۔ وہ خود تمام وسائل رکھتے ہیں جن سے دوسروں پر غالب آنا اور کاروباری میدان میں اوروں کو شکست دینا انکا حق ہو گیا ہے۔ زمانہ اُنہی کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کے لئے تیار ہوں۔ اُنھوں نے یہ اصول سمجھ لیا ہے اور قدرت کا قانون ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔ اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ غیروں کی فوقیت کا ماتم کرنا کمینہ پن ہے ہمت مردانہ کا مقتضا یہ ہے کہ اپنی درماندہ قوم کو خدا کے بنائے ہوئے اور خدا کے بتائے ہوئے اس قانون پر چلانے کی کوشش ہو جس پر چلنے سے کامیابی قدم چومتی ہے۔ تجارت کا سوال ہے اور تجارت ہی ہر قسم کی خوش حالی اور بالاتری کی کلید ہے اس کی طرف توجہ ہو۔ اس کے کارخانے کھولیں اس کے لئے اپنے بینک جاری کریں اور اپنی قوم کے باہمت افراد کو تجارت کے میدان میں اُترنے کے لئے سہارا دیں اسی وقت سرمایہ داروں کی امداد سچی اور برمحل امداد ہو گی اور اسی وقت اس امداد کا معاوضہ جائز کہلانے کا مستحق ہو گا۔ ورنہ جن سنگریزوں سے اب کام دہن کی تواضع کی جاتی ہے۔ وہ باعث ننگ و عار ہیں اور اُن کے جواز پر زور طبیعت کو صرف کرنا مقام شرم ہے۔

دولت اور خیرات مگر نہیں۔ ان لوگوں کی ایک ضرورت لائق ہمدردی ہے۔ روپیہ

ایسی چیز ہے جو ہاتھ میں آکر ٹھہرتا نہیں اور پاس ہو تو خرچ کی بہت سی ضرورتیں نظر آنے لگتی ہیں اور جس وقت خرچ کا کوئی موقع پیش آتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی ضرورت نہ ہوگی مگر خرچ کرنے کے بعد غور کرتے ہیں اور دیگر ضرورتیں سامنے آتی ہیں تو افسوس ہوتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ جہاں خرچ ہوا اُس کی ضرورت نہ تھی واقعی ضرورت اب پیش آئی ہے غرض انسان کے دل پر خواہشوں کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ اس کا سرمایہ کیسا ہی عظیم الشان ہو صرف کے موقعے اس پر غالب آسکتے ہیں اور روپیہ حاضر ہو تو اس کا بچانا بہت بڑے مرد اور دور اندیش کا کام ہے پس انسان کی یہ واقعی ضرورت ہے کہ روپیہ جیب میں رہنے کی بجائے کسی ایسی جگہ پر محفوظ ہو جہاں سے لے تو سکیں مگر کچھ انتظار کرنا پڑے تا اس انتظار کے عرصہ میں صرف کے ضروری اور غیر ضروری ہونے کا فیصلہ ہو جائے۔ ایسی جگہ انسان کا اپنا گھر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں سے لینے میں دیر نہیں لگتی کسی دوست کا گھر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ روپیہ بُری بلا ہے اس کا واسطہ دوستی راستبازی اور دیانتداری کو معدوم کرنے کی بڑی قوت رکھتا ہے اور ایسے امین بہت ہی کم ہیں جو امانت کے امتحان میں لغزش نہ کھائیں پس روپیہ کے محفوظ رہنے کا سب سے اچھا ذریعہ یہی ایجاد ہوا ہے جس کو بینک کہتے ہیں وہ اگر پختہ اصول پر قائم ہو اور حکومت اس کی نگران ہو تو روپیہ کے تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔ اچھا تو روپیہ کو حفاظت کی غرض سے بینک میں دینا ایک سچی ضرورت ہے مگر صرف اسی حد تک۔ ورنہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ بینک کا سسٹم ہی وہ اصول ہے جس سے اقوام عالم کاروبار میں باہمدگر مقابلہ کرتی اور ایک دوسرے پر غالب آتی ہیں۔ اور غیر قوم کے بینک کو مدد پہنچانے سے اپنی قوم کو ناکارہ اور مغلوب کرنے کا گناہ سر چڑھتا ہے اور اس ذریعہ سے جو آمد ہو وہ کسب حلال نہیں۔ نیز وہ لوگ بھی ایسے فرض کئے گئے ہیں جن کے پاس ضرورت سے زائد سرمایہ محفوظ ہے وہ اس کو محفوظ رکھنے کی فکر میں ہیں۔ ان کو کسی زائد آمدنی کی خصوصاً جبکہ وہ ناجائز ہو کوئی ضرورت نہیں۔ پس اگر وہ غیر قوم کے بینک میں روپیہ امانت رکھیں اور سود وصول کریں تو ناجائز ہے۔ اگر امانت رکھیں اور سود نہ لیں یہ اس سے بھی بُرا ہوگا کیونکہ اپنی قوم کو مغلوب کرنے کے لئے مفت امداد ہے اور گناہ بے لذت۔ امانت

نہ رکھیں تو ایک سچی ضرورت پوری نہیں ہوتی اب صرف ایک صورت باقی رہی اس کی کیفیت یہ ہے کہ اگر روپیہ امانت رکھیں اور غیر قوم کے بینک میں رکھیں تو قصور یہ ہے ان کے تجارتی اور سیاسی غلبہ سے اپنی قوم کو نقصان پہنچتا ہے اور اگر امانت اپنے کسی ایسے قومی بینک میں رکھیں جو موجودہ دستور کے مطابق تجارت اور فضولیات دونو غرضوں کیلئے قرض دیتا ہو تو اس میں بھی یہی قصور ہے کہ ایسا بینک قوم کو فائدہ کے ساتھ نقصان بھی پہنچا رہا ہے اور پاکیزہ کام نہیں کرتا۔ ایسے دونو طرح کے بینکوں میں سرمایہ دینے والے ان سے سود لیں اور خود صرف نہ کریں بلکہ اپنی قوم کے مساکین اور یتامیٰ وغیرہ کی دستگیری میں لگا دیں تو ایک طرح سے اپنی قوم کو فائدہ بھی پہنچائینگے۔ اور ایک ایسی خیرات کو بالالتزام جاری رکھا جائے اور سب سرمایہ دار سود کی آمد قومی فنڈ میں دے دیا کریں تو قوم کی مصیبت بہت کم ہو سکتی ہے اور جس قدر نقصان پہنچایا گیا ہے اس کی تلافی کا احتمال ہے اور قوم میں ایسے نفوس کی کمی نہیں جنکی بے مائگی و مجبوری خنزیر و مردار تک کی شرعی اجازت دلوانے کو تیار ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ ایسے بیکسوں کے منہ میں ٹکڑا ڈالنے کی برکت سے قومی نقصان کی معصیت کا کفارہ ہو۔ اور سرمایہ کی حفاظت بھی ہوتی رہے +

سود کو خیرات کرنیکا شرعی جواز

اس کے لئے شرعی اجازت کی تلاش ہو تو پہلے بارگاہ رب العزت میں اپنی جرأت پر مغفرت طلب کرتا ہوں پھر گذارش کرتا ہوں کہ

اول حسب حکم قرآنی اس آمد کو راہ خدا میں دینے کا حکم ہے جسکی ضرورت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جو لوگ روپیہ کو محفوظ رکھنے کے آرزومند ہیں اُن کو سود کی ضرورت نہیں ۔ ارشاد ہے :۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ　　تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خیرات کریں
(پارہ ۲ ۔ بقرہ ع ۲۷)　　کہدو جو زائد ہو +

دویم ۔ جہاں ربوا کی ممانعت کا ذکر ہے اور قرضداروں سے نرمی کرنے کی تاکید ۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ اگر قرضہ کو خیرات کر دو تو اور بھی بہتر ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام

قرض نہیں تو سود کی رقم کو خیرات میں دینا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔ ارشاد ہے:۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ	اگر مقروض تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دو اور
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ط (پارہ ۳ بقرہ ع ۳۸)	اگر خیرات کر دو تو اور بھی اچھا۔

سوئم۔ محتاجوں کو خیرات دینے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے تمہارے گناہ معاف ہونگے یہاں بالواسطہ قوم کا نقصان ہے۔ بلاواسطہ قوم کی خدمت معافی کی امید غالب ہے۔ ارشاد ہے:۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَاِنْ	اگر خیرات کو ظاہر کرو تو اچھا ہے۔ اگر پوشیدہ
تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ	رکھو اور محتاجوں کو دے دو تو تمہارے لئے
لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ	بہتر ہے اور اسے خدا تمہارے گناہوں کا کفارہ
(پارہ ۳ بقرہ ع ۳۷) +	بنائیگا +

چہارم۔ اہل استحقاق کو امداد پہنچانے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ تا روپیہ کی نقل و حرکت صرف دولت مندوں میں محصور نہ رہے اور قوم کے مفلس افراد بھی اس سے فائدہ لیں پس جہاں غیر قوم کو سرمایہ دینا قوم کا نقصان ہے وہاں سود کو مناسب خیرات میں صرف کرنا قوم کو تونگر بنانے کا باعث بھی ہوگا۔ ارشاد ہے:۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ	(مساکین یتامیٰ وغیرہ کو اس لئے دیا جائیگا) روپیہ
مِنْكُمْ (پارہ ۲۸ حشر ع ۱) +	صرف دولتمندوں میں چکر نہ کھائے +

پنجم۔ جیساکہ ذکر ہو چکا ہے جمعیۃ العلمائے ہند کے محترم صدر بینک کے سود کو خیرات میں صرف کرنے کا فتوے دیتے ہیں میں اس سے بڑھکر صرف یہ جرأت کرتا ہوں کہ قومی بینک اور اقوام غیر کے بینک میں تفاوت سمجھتا ہوں۔ قومی بینک کے موجودہ دستور کو بھی ناجائز تصور کرتا ہوں ایسے بینکوں میں روپیہ امانت رکھنے کی ضرورت ہو تو سودی روپیہ کے خیرات کرنے کا فتوے تسلیم کرتا ہوں۔ البتہ قومی بینک جو محض تجارتی اغراض کیلئے جاری ہو اور فضولیات کے لئے قرض نہ دے اس کی آمد کو اپنے صرف میں لانا جائز سمجھتا ہوں اس لئے کہ آیات کلام اللہ سے اسی نتیجہ تک پہنچا ہوں +

اندریں حالات سب سے بہتر سبیل یہی ہے کہ اشتباہ کے موقعوں سے پرہیز کریں اور جہاں تک ممکن ہو اپنی قوم کو نقصان پہنچانے کے ہر ذریعہ سے اجتناب کریں۔ امانت کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اور طریقے ڈھونڈیں۔ اور قوم کو مدد پہنچانے کیلئے اپنے حلال طیب رزق سے لوازم خیرات بجا لائیں تا ارتکاب جرم کی روسیاہی کو دھونے کی ضرورت نہ پڑے اور قومی درد کا احساس پوری قوت سے موجود رہے لیکن اگر روپیہ کو امانت رکھنے کی کوئی سبیل یا اپنی خواہشوں کو دبانے کی ہمت مفقود ہو تو یہ بھی بسا غنیمت ہوگا کہ مفروضہ زکوٰۃ کے سوا دیگر لوازم خیرات کے لئے سود کا روپیہ ہی اپنے اوپر حرام سمجھیں اور اسی سے اپنے دوزخ کا ایندھن بنانے کی بجائے کسی جان بلب کی جان بچانے کا کام لیں اگر ایسا التزام کر لیا جائے تو بعید نہ ہوگا اگر خدائے کریم ایسے بندہ کے حال پر رحم فرمائے اور اس کے قومی گناہ کو بخشنے کے لئے درماندگان قوم کی عاجزانہ دعاؤں کو وسیلہ بنائے ÷

بیوگان و یتامیٰ کا سرمایہ

اب تک سود کے مسئلہ میں اس حیثیت سے غور کیا گیا ہے کہ اس کو باکاروں اور باروزگاروں سے تعلق ہے مگر سود کا ایک تعلق بے کاروں اور بے کسوں سے بھی ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ بعض صغیر السن یتیم بچوں یا بیوہ عورتوں کو ترکہ میں سے کچھ مال مل جاتا ہے اور اس کی نگہداشت کی فکر اور ان کے بسر اوقات کی سبیل تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے اصول کے موافق ایسے بیکسوں کا انتظام کر دیا ہے اگر مسلمانان درگور کی وبا پھیلی ہوئی نہ ہو تو مسلمانی در کتاب پر عمل کرنے سے انکو کوئی دقت پیش نہیں آسکتی مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ یتامیٰ کو اپنی حفاظت میں لیں۔ خود اسلامی تعلیم کے مطابق آرام طلبی اور دون ہمتی سے نفور ہوں کسب حلال کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے میں ساعی ہوں۔ اسی قسم کے کاروبار میں انکا مال بھی لگا دیں اور اس کو بارور اور پرمنفعت بنا کر ثواب آخرت کے امیدوار رہیں۔ امانتدار ہونا مومن کا لازمی وصف ہے اس لئے اختیار رہے کہ یتیم کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ اور اس کا مال اپنے مال کے ساتھ رکھیں اور حساب صاف رہے یا خرچ اور تجارت دونو کو اپنے سے الگ رکھکر اپنی نگرانی سے نقصان پہنچنے نہ دیں یتیم کا صرف نکلتا رہیگا اس کے مال میں افزائش ہوتی رہیگی۔ ہوشیار ہو جائے تو اصل اور منفعت سب کا حساب

کر کے اُس کی سپرد کردیں اسطرح عورت کے مال کو اسلامی دیانت وتقوےٰ کی برکت سے کوئی اندیشہ نہیں جسکی امانت میں ہوگا وہ جہاں تک بن پڑیگا اس کے قیام وافزائش میں ساعی رہیگا اور بیوہ عورت کو بغیر کسی طعنہ اور عیب چینی کے اختیار ہوگا کہ اور شوہر تلاش کرے اور اپنے مال کو بغیر کسی تردد کے امین سے وصول کرے اور بغیر کسی اندیشہ کے جدید شوہر کی حفاظت میں دیدے۔ قوم میں یہ دستور اور اس دستور کو قائم رکھنے کے لائق اوصاف موجود ہوں تو ایسے موقع پر سود کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مگر آہ یہ باتیں خواب وخیال ہوگئیں۔ ہمدردی راستبازی اور عالی ہمتی مسلمانوں سے ایسی چھن گئی کہ گویا ان کے مذہب میں ان احکام کا ذکر ہی نہیں۔ اس وقت کے بڑے بڑے مولوی اور صوفی بھی ہرچند ہمدرد اور راستباز ہوں عالی ہمتی کا خوگیر اور پست ہمتی سے پاک کوئی بھی نہیں۔ ورنہ جب اسلام اسلام تھا اس وقت کے بزرگان دین بھی دنیوی کاروبار سے واقف اور تجارت وحرفت میں مشاق ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانے میں کوئی اپنے مال کو جائز طور پر بڑھانے کا طریق نہیں جانتا تو یتامیٰ اور بیوگان کی للہ مدد کرنے اور ان کی حیثیت کو ترقی دینے کی امید کس سے ہوسکتی ہے اس وقت ایسے لوگ زیادہ ہیں جنکو لاوارث یتیم اور بیکس بیوہ کا مال لوٹنے میں کوئی باک نہیں۔ قریبی رشتہ دار اور قانونی سرپرست اپنی نگرانی کا استحقاق ثابت کرنیکے وقت بیشک ہمدردی کا وہی احساس نمایاں کرتے ہیں جو پاکبازی کی حالت میں ہونا چاہیئے مگر اس وقت کی نیت کو بعد کا طرز عمل ظاہر کرتا ہے اور ان پر ظلم کرنے اور مال پر قابض ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ یہ صورتیں رات دن پیش آتی ہیں اور استثنا شاید ہی کوئی دیکھتا ہو اور اگر کہیں کوئی پرانے زمانے کی روح سچی ہمدردی کرنے پر آمادہ ہوتی بھی ہے تو زمانے کی ہوا نے جو کاہلی اور تجربہ کاری کا جسم اس روح کو پہنا دیا ہے وہ ایسے رستہ پر چل نہیں سکتا جس سے لاوارثوں کے مال میں افزائش ہو یا کم از کم برقرار رہ سکے پس اس زمانے میں اُن کی خوش قسمتی سے کوئی ہمدرد مل سکے تو بیش از بیش جو وہ کر سکتا ہے یہی ہے کہ مال میں تغلب نہ ہو اور اُن بیکسوں پر خرچ ہوتا رہے مال کو محفوظ رکھنا اور روزانہ یا ماہانہ معین رقم نکالتے جانا بھی ایسا کام ہے کہ جو لوگ اس کا بیڑہ اُٹھائیں وہی حفاظت کی ذمہ داریوں اور نکالنے اور رکھنے کی دشواریوں کو محسوس کرسکتے ہیں ورنہ محفوظ سرمایہ میں سے پچاس کا نوٹ نکال کر پچیس

خرچ کیلئے دے دئے ہیں اور پچیس ہاتھ میں رہے ہیں تو سہل انگاری سے انکا کسی اپنی ضرورت میں خرچ ہو جانا آسان ہے اور اسے یاد رکھنا اور واپس کرنا سخت دشوار۔ نگرانی کرنے والوں کے ہاتھ سے کئی رقمیں اسطرح نکل جاتی ہیں جو مرنے کے بعد یاد آئینگی۔ پھر ہزار میں کوئی ایک ایسی سب احتیاطیں پوری بھی کرے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کہیں یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے اور بیوہ کے مرنے یا ازدواج ثانی کرنے تک مال ختم ہو چکیگا اور وہ فاقہ کشی میں مبتلا ہونگے اور ایسے وقت میں بھی اسلامیوں سے اس ایثار اور ہمدردی کی توقع نہیں جس کی اسلام میں تاکید ہے اور اگر کہیں خرچ کے بعد کچھ روپیہ فاضل ہوگا تو اس قدر نہ ہوگا جس سے یتیم ہوشیار ہونے کے بعد کوئی کام لے سکے یا بیوہ ازدواج ثانی کے بعد شوہر کی نظر میں وہ توقیر رکھے جس کی مالدار ہونے کی وجہ سے مستحق تھی۔ اور کہیں مال کی بہت ہی بڑی مقدار ہوگی تو اس قدر صرف کے بعد کچھ موجود بھی ہیگی مگر اصل سے بہت ہی کم ہوگی حالانکہ انکا حق یہ تھا کہ ان کی بیکسی کے عالم میں ایماندار اور کارکن سوسائٹی کا فرد ہونے کی وجہ سے انکا مال وصول کرنے کے وقت پہلے سے زیادہ ہو کر انکے قبضہ میں جاتا اور اس وقت یہ سب قسم کا نقصان جس میں کہیں مال کا سراسر تغلب ہے اور کہیں تدریجی فنا بیوہ اور یتیم کے کسی اپنے قصور سے نہیں ہوا۔ بلکہ مجرم تمام قوم ہے جس نے یتامی کے بارہ میں انکے اصلاح حال کا تاکیدی حکم بالکل فراموش کر دیا ہے اور بیوگان کے بارہ میں امانتداری کے اندر کوتاہی کرنے کے علاوہ بیوگی کو ایک عیب اور نکاح بیوگان کو ایک جرم ٹھہرا کر نکاح ثانی میں بہت بڑی رکاوٹ ڈال رکھی ہے اور وہ لوگ مالدار ہوں جب بھی ناکردہ گناہ برباد ہوتے ہیں۔

پس اس مجبوری کو دیکھتے ہوئے جو ان بیکسوں پر ہر طرف سے محیط ہے اور اسلام کے ان منصفانہ اور رحیمانہ احکام کو دیکھتے ہوئے جو مجبوریوں کی صورت میں انسان کو کئی طرح کی جوابدہی سے معاف رکھتے ہیں اور سب سے بڑھکر قرآن کے اس حکیمانہ فیصلہ کے بھروسہ پر کہ بدی کا بدلہ اسی قسم کی بدی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا (پارہ ۱۱ یونس ع ۳)

جو لوگ بدی کرتے ہیں ان کا عوض ویسی ہی بدی ہے۔

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (پارہ ۲۵ شورے ع ۴)

بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے۔

اگر یتامیٰ اور بیوگان کا مال قومی اور صحیح تجارتی بینک نہ ہونے کی صورت میں غیروں کے بینک میں یتیم اور بیوہ کے نام سے داخل کیا جائے اور سود سے بسر اوقات ہو تو انکا وقت بھی آسانی سے کٹ جائیگا اور مال بھی محفوظ رہیگا اور چونکہ سود نص قرآن کے رُو سے ناجائز اسی لئے ہے کہ وہ ظلم ہے اور یہاں جن لوگوں پر ظلم ہے وہ خود یتامیٰ اور بیوگان کے بارہ میں ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں اسلئے ایسا فعل بدی کا عوض ہوگا اور غالب امید ہے کہ ناجائز نہ ہوگا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی هٰذَا الْاِحْتِمَالِ ۵۔

پنشن خوار اور سود

سود کی نسبت اس وقت جو ضرورتیں رونما ہیں ان میں حتی الوسع غور ہوا اور سرِ دست یہی واقعات سود کی سفارش کرتے ہیں مگر دکھانے والے دو ایک صورتیں اور بھی دکھاتے ہیں۔ سوال سرسری ہو جب بھی جواب کا انتظار رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی ملازمت کے زمانے میں کچھ روپیہ پس انداز کرتا ہے اور غیر قوم کے بینک میں دیتا ہے۔ جب تک برسرِ کار ہے اسے سود کی ضرورت نہیں لیکن پنشن لینے کے بعد تنخواہ نصف رہجاتی ہے خرچ کرنے کی جو عادت پختہ ہو چکی ہے چھوٹ نہیں سکتی۔ جو لوگ سود کو جائز سمجھتے ہیں اس وقت بھی اُن کی زندگی نسبتاً آرام سے گذرتی ہے۔ یہ رقم خیرات میں دیدیں تو خود اپنے تئیں خیرات خواری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کیوں نہ اِبْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے) کے مطابق اپنے کنبہ کو مستحق سمجھکر سود پر تصرّف کیا جائے۔

جواب یہ ہے کہ بیشک ایسے واقعات پیش آتے ہیں مگر انکی ایک یہ صورت ہے کہ برکاری کے زمانہ میں تمام تنخواہ خرچ کر لیتے ہیں اور بالائی آمد سے کچھ پس انداز ہوتا رہتا ہے۔ اکثر ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کو شاہ خرچی کی عادت پڑ جاتی ہے اور پنشن کے بعد جب کہ تنخواہ کے ساتھ بالائی آمد بھی خیرباد کہتی ہے تو تکلیف اُٹھاتے ہیں مگر حقیقت میں اُس آمد سے ہی ہمدردی نہ ہونی چاہئے جو حق الخدمت سے زائد ہو تو ایسی آمد کا سود جیسا کچھ ہے اس کا کیا ذکر۔ اور اگر بالائی آمد کچھ نہیں تو تنخواہ میں سے پس انداز جبھی ہوتا ہے کہ نہایت شدّت سے کفایت شعاری کا خیال رکھا جائے ورنہ ملازمت پیشہ اصحاب جانتے ہیں کہ تنخواہ کیسی ہی بیش قرار ہو ہر حال میں حیثیت اور نمائش ایسی رکھنی پڑتی ہے کہ اسراف نہ ہو جب بھی تنخواہ کا ایک پیسہ نہیں بچتا پس ایسے کفایت شعا

جو بعض تنخواہ سے سود لینے کے لائق سرمایہ پس انداز کر سکتے ہیں وہ پنشن کی حالت میں نظر باکثر نصف تنخواہ میں بسر کرنے کے بھی قابل ہونگے۔ انصاف سے دیکھیں تو سود کی ضرورت محسوس نہ کرینگے۔ اب اس طبقہ میں سے ان دونو قسموں کو نکال کر ایسے لوگ فرض کئے جائیں جو ناجائز آمد سے بھی محترز ہیں بعض جائز وسائل سے بینک میں دینے کے لائق سرمایہ بھی مہیا کر چکے ہیں پنشن لینے کے بعد دیگر تمام جائز وسائل سے بھی محروم ہو گئے ہیں اور نیز جس قدر صرف کرنے کی عادت بیان کرتے ہیں اور جو پنشن سے پوری نہیں ہوتی وہ بھی سب کی سب مناسب اور ضروری ہے اور اس میں اسراف یا عیش پسندی کا دخل نہیں۔ ایسے متبرک اور قابل رحم بزرگوار دنیا میں شاذ و نادر ہی ہونگے۔ وہ سود کھانا چاہیں تو ایک نظر التفات اس جانب بھی مبذول فرمائیں کہ پیرکہن سال کی وہ کے دن کی زندگی ہے جس کے لئے سود کھانے کی ضرورت ہے مگر اس سرمایہ کو ہاتھ لگانا حرام ہے جو ان کی ذاتی ملکیت سے با امن و امان بینک کے محراب نیاز پر چڑھ چکا ہے اور وہ اولاد مرنے کے بعد عذاب سے رہائی دلوانے کے لئے کونسی زبردست سفارش مہیا کریگی جس کے واسطے اپنی حلال طیب کمائی محفوظ رکھتے ہیں اور پیٹ میں دوزخ کے انگارے بھرنے کو للچاتے ہیں ۔

ہاں مگر دنیا کے واقعات اور تمام انسانی ضرورتوں کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اگر بالفرض کبھی ایسی صورت پیدا ہو کہ مذکورہ بالا تمام شرطیں بھی موجود ہوں۔ سرمایہ کو خرچ کرنے میں کوئی واقعی رکاوٹ بھی حائل ہو اور مناسب بسر اوقات کی کوئی سبیل بھی نہ ہو تو ایسی مجبوری و لاچاری بلکہ اس سے زیادہ کبھی کبھی سرقہ رہزنی وغیرہ جرائم کی بھی محرک ہوتی ہے مگر اس کے لئے کوئی قاعدہ بنایا نہیں جاتا اور مجبوری کا وہ عام قاعدہ جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور شریعت اجازت دیتی ہے تمام اضطراری موقعوں پر جبکہ اضطرار واقعی اور ضرورت قطعاً و یقیناً موجود ہو جاری ہو سکتا ہے اور ایسے وقت میں مردہ جانور کا گوشت کھانا بھی جائز ہے مگر دیکھ لینا فرض ہے کہ وہ روح کیلئے زہر ہے یا امرت۔ اور نفس خبیث کا دھوکا ہی یا بے اختیار مجبوری۔

تجارت کے سوا دیگر ضرورتوں کا سود

یہی کیفیت ہے اس سوال کی کہ مسلمان اپنی ضرورتوں کے لئے سودی روپیہ حاصل کرنے پر بے طرح مجبور ہیں او

جب کسیکو ایسی ضرورت بیقرار کرتی ہے تو وہ ساہوکار کے پاس جاکر ضرور ہی اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈلواتا ہے اور جانتا ہے کہ اس جن کے پنجہ سے رہائی نہ ہوگی مگر سردست روپیہ ملنے پر شکر ادا کرتا اور خوشنود ہوتا ہے ۔ ایسے وقت میں کوئی مسلمان بھائی روپیہ دیدے اور جو سود غیر کو دینا پڑتا ہے وہ اپنی قوم میں رہے تو کیا حرج ہوگا ۔ بے شک اس سوال کے الفاظ میں بہت زور ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومی ہمدردی کی لہر ہے جس نے ایسا سود وصول کرنے کا خیال پیدا کیا ۔ مگر اس سوال کو کھولکر بھی دیکھنا چاہیئے کہ آیا بکری کی کھال اوڑھے ہوئے کوئی بھیڑیا تو نہیں اور غور کرنا چاہیئے کہ وہ ضرورتیں کیسی ہیں جو مسلمان کو سود دینے پر مجبور کرتی ہیں اور اس جوش کی نوعیت کیا ہے جو مسلمانوں کو ساہوکار بننے کی ترغیب دیتا ہے اور ساہوکار بنجائیں تو نتیجہ کیا ہوگا +

سودی روپیہ لینے کی ضرورتیں حسب ذیل پیش آتی ہیں :-

۱- کاروبار چلانے کا سرمایہ مطلوب ہوتا ہے +

۲- بیماری اور اتفاقی حادثوں کا صرف مطلوب ہوتا ہے اور اسی میں داخل سمجھنا چاہیئے وہ موقع جبکہ کسی شخص کا کنبہ زیادہ ہو اور آمدنی اس کی جائز ضرورتوں کو مکتفی نہ ہو ۔ یا سرکار زمیندار سے مالیہ طلب کرتی ہے جو پیداوار سے نکلتا نہیں +

۳- خوراک و لباس کی ایسی عادت جو ضرورت سے اور آمد سے زائد ہو +

۴- عیاشی اور بدکاری کے مصارف +

۵- شادی و غم کی ایسی رسمیں جن کے لئے آمدنی کفایت نہ کرے +

ان میں سے پہلی صورت یعنے تجارتی کاروبار کا ذکر ہو چکا ہے اور اس میں مدد دینا اور اس کا عوض لینا نص قرآنی کے رو سے جائز سمجھا گیا ہے اور دوسری شکل واقعی امداد کا اور انسانی اور نیز قومی ہمدردی کی تحریک کا سب سے بڑا موقع ہے ۔ اس موقع کیلئے آئندہ جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اس سے قطع نظر انسان کی اپنی ضمیر سے اپیل کرتا ہوں اور پوچھتا ہوں کہ اپنے مسلمان بھائی کو ایسی مصیبت میں مبتلا دیکھکر جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد روپیہ بھی ہو اور اس کے دل میں اپنے بھائی کی واقعی ضرورت کا خیال بھی آیا ہو ۔ کیا اس کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اس کی

مصیبت کو قرض لینے کا سچا موقع بھی تسلیم کرے اس کو قابل رحم بھی تسلیم سمجھے اور باوجود اس کے اپنا فاضل روپیہ دینے کے وقت سود کی رقم بھی معین کرے اور یہ معلوم ہو کہ اصل رقم بھی اس کے پاس جاکر محفوظ نہ رہیگی اور اصل و سود کا ادا کرنا یقیناً اس کی کسی آمد یا اثاثہ کو برباد کرنے کا باعث ہوگا اور اس کو اور زیادہ قابل رحم بنا دیگا۔ آیا ان حالات میں روپیہ دینے والے کا یہی فرض ہے جو اس نے تجویز کیا ہے یا انسانیت اسوقت اس پہ کوئی اور فریضہ عائد کرتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو فریضہ رحم کے سچے موقع پہ انسانیت عائد کرتی ہے وہی مذہب کا حکم ہوگا۔ اس دوسری شکل کے سوا باقی تمام قرض لینے کی مذکورہ بالا صورتیں قوم یا افراد کو برباد کرنے والی ہیں اور اس قابل ہیں کہ قوم میں ان کا نشان نہ رہے۔ ایسے امور میں مدد گار ہونا ہی گناہ ہے چہ جائیکہ اس پہ کسی معاوضہ کا بار ڈالیں اور اسے جائز سمجھیں ؞

اب اس جوش کو دیکھو جو قوم کے مالداروں میں اپنے حاجتمند بھائیوں کی مدد کرنے کے واسطے ظاہر ہوتا ہے تو اس کی کئی صورتیں ہیں بعض حوصلہ مند فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ ایک پائی ہو یا ہزار روپیہ واپس لینے کی نیت نہیں رکھتے۔ بعض قرض دیتے ہیں اور صرف اصل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کوئی قرض دینا چاہتا ہے اس شرط پہ کہ اصل کے ساتھ اضافہ بھی ہو۔ ان میں سے پہلے دونو شخص بے شک سچی ہمدردی سے بے قرار ہوتے ہیں اور اگرچہ احسان کی نوعیت مختلف ہے مگر دونو صورتوں میں احسان کے سوا کچھ نہیں تیسرا شخص جو مدد دیتا ہے اس میں بظاہر بہت بڑا نقصان برداشت کرتا ہے۔ انگلستان کے اندر پروفیسر مارشل کہتے ہیں (مقالہ ۶ باب ۸ پیرا ۱ ص ۶۰۹)

“کسی چھوٹے سے ساحلی قصبہ میں معمولی پنساری ایک سو پونڈ کے سرمایہ سے چالیس

یا پچاس فیصدی منافع حاصل کرتا ہے” ؞

اور جگہ یہ نہ ہوگا تو کچھ کم زیادہ ہوگا مگر سو روپیہ قرض دیکر چار پانچ روپیہ سالانہ کا سود تجارت کی منفعت سے بدرجہا کمتر ہے۔ بدگمانی بے شک گناہ ہے مگر جو شخص روپیہ

تجارت پر نہیں لگاتا اور پچاس فیصدی منفعت چھوڑتا ہے اور جوش ہمدردی کا دعویدار ہوتا ہے وہ پانچ روپیہ سالانہ سود پر اصرار کرتا ہے اور اسے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ کیا واقع میں یہ رحم ہی کا تقاضا ہے اور اس فعل کی تشریح ہمدردی کے سوا کسی اور اصول پر نہیں ہو سکتی؟ شاید کسی خاص حالت میں یہ بھی ہو مگر بالعموم اور صورتیں بھی ہوا کرتی ہیں مالدار اپنے روپیہ سے منفعت حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہوتا ہے اور ہر ایک واقعہ کو اس نظر سے دیکھنے کی عادت رکھتا ہے کہ مفاد کا پہلو کیونکر نکل سکتا ہے اور روزانہ سنتا رہتا ہے کہ فلاں ساہوکار نے حقیر قرضہ کے عوض میں فلاں جائداد پر ڈگری پائی اور کل فلاں بنیا کچے گھر میں رہتا تھا آج اس کی سربفلک عمارتیں تمام شہر میں پھیلی ہوئی ہیں پس حقیقت میں یہ ترغیب ہوتی ہے جس سے متاثر ہو کر کسی کے قرضہ لینے کی ضرورت کو سنکر بے چین ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ جب بنیوں کو یہی موقعے محلات اور باغات کے مالک بنا دیتے ہیں تو ہم ان ہی صورتوں سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ اور وہی لچھمی جو ان کا گھر آباد کرتی ہے ہمارے کلبۂ احزان کو رونق کیوں نہ دے پس واقع میں چار پانچ فی صدی کا منافعہ نہیں جس پر اس کو اصرار ہے۔ بلکہ سود کی وہ ظالمانہ شرحیں اور سود در سود کا چکرا اور دیگر جعلسازیاں اور فریب کاریاں جو سو روپیہ میں ہزاروں کی جائداد پر ہاتھ صاف کرتی ہیں اس فعل کی محرک ہوتی ہیں۔ اور جن لوگوں پر ایسی بدگمانی نہیں ہو سکتی ان کی بھی کیفیت واقعی یہ ہوتی ہے کہ مصروف ہوتے ہیں کسی ایسے پیشے میں جو کافی روپیہ مہیا کرتا ہے وہ اپنے پیشہ کو چھوڑتے نہیں اور روپیہ کو کسی مفید تر کام میں لگانے کی فرصت نہیں رکھتے پس اُن کی نظر دوڑتی ہے ان موقعوں کی جانب جہاں تاجرانہ منفعت نہیں تو تاجرانہ سود ہی وصول ہوتا رہے اور روپیہ صندوق میں مقفل رہنے کی بجائے دفینہ نہیں تو بتدریج ترقی کرتا رہے۔ یہ نیت ہے جو مسلمان بھائی کو سودی روپیہ دینے پر آمادہ کرتی ہے ورنہ جو شخص انسانی ہمدردی سے پچاس فیصدی کے قریب تاجرانہ منفعت کو چھوڑ سکتا ہے اور اپنے حاجتمند بھائی کو مدد دینے کیلئے اپنی تجارت کو برباد کرتا ہے وہ پانچ فیصدی سود سے دستبردار نہیں ہوتا۔ گویا

مسیح علیہ السلام کی طرح آسمان سے بغیر کسی وساطت کے دمشق کے مشرقی مینار پہ فروکش ہو سکتا ہے۔ اور مینار سے اُترنے کے لئے سیڑھی طلب کرتا ہے *مسیح علیہ السلام اگر ایسا فرمائینگے تو بجا ہوگا کیونکہ روحانی وسائل روحانی دنیا میں کام دے سکتے ہیں۔ جسمانی دنیا میں جسمانی وسائل کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک ہی قوت ایثار ہے جس کے دکھانے کے وقت پچاس کو چھوڑنے کا دعوے اور پانچ پر اصرار ثابت کرتا ہے کہ جس وصف کا دعوے ہے سرے سے موجود ہی نہیں۔ ورنہ حقیقت میں پچاس حاصل کرنے کی فرصت نہیں۔ پانچ چھوڑنے کی ہمت نہیں تو ایثار کہاں؟

ساہوکار بننے کا نتیجہ دیکھنا ہو تو سعدی علیہ الرحمہ کا کلام دیکھو۔ فرماتے ہیں:-

شنیدم گوسفندے را بزرگے　　رہانید از دہان و دست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید　　روان گوسفند ازوے بنالید
کہ از چنگالِ گرگم در ربودی　　چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

یعنے آدمی ساہوکاری کا پیشہ اختیار کرے گا تو اس پیشہ کی عادتیں بھی پیدا ہونگی اور ترقی بھی کریں گی۔ لوگوں کی مصیبت اس پیشہ کی سرسبزی اور ساہوکار کی خوشحالی کا باعث ہوگی۔ قرض کا وقت پر ادا نہ ہونا سود پر سود چڑھانے کا سبب ہوگا۔ ادائے قرض کی سبیل نہ ہوگی تو جائداد پر قابض ہونے کا موقع ملے گا۔ کچھ میسر نہ آئے گا تو رہنے کا مکان اور گھر کا اثاثہ قُرق ہوگا۔ کوئی مقترض نادہندہ ہوگا اور رقم کھاتے میں پڑے گی تو اور موقعوں پر فریب سے کام لے کر گھاٹے کو پورا کرنے کی ترغیب ہوگی ضرورتمندوں سے سود لینے کی عادت پڑے گی تو عیاشوں اور بدمعاشوں کی درخواستیں بھی آنے لگیں گی وہ سود کا نرخ بڑھانے پر تیار رہینگے تو دامان آز کو کند کرنا دشوار ہوگا مصیبت

---

*مسیح علیہ السلام اگر آسمان پر ہونگے تو وہ جسم رکھتے ہونگے جسکو آسٹرل باڈی کہتے ہیں یعنے نورانی جسم اور دمشق کے مینار پر آجائینگے تو انکا جسم خاکی ہوگا نورانی جسم سیڑھی کی حاجت نہیں رکھتا۔ خاکی جسم اس کے بغیر نیچے آ نہیں سکتا *

زدوں کو تباہ کرنے اور بدکاروں کو مدد دینے میں مزا آنے لگے گا۔ غرض جو کام ہمدردی کے دعوے سے شروع ہوگا آہستہ آہستہ بے رحمی اور سفاکی تک پہنچائیگا۔ اور اغیار کی بجائے خود ہمارے بھائی درندہ اور خونخوار بنکر ہمارا گوشت پوست نوچنے لگینگے۔ غرض وہی بھیڑیا بننے کی خواہش ہے جو بکری کو بھیڑیے سے چھڑاتی ہے۔ بزرگانہ احسان کوئی نہیں ۔

باب پنجم

زنانہ اور مردانہ خصوصیتیں

بڑے بڑے اعتراض جو مغربی تہذیب کی طرف سے اہل مشرق پر وارد ہوتے ہیں ان میں سے ایک عورت کی نسبت ہے اور بیشک آزادی اور خود مختاری کی جس حد تک مغربی عورتیں پہنچی ہوئی ہیں مشرق کا کوئی نظام اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر اس پر جو نتائج مرتب ہوئے ہیں وہ بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں ہیں بیشک مغرب کی عورتیں ہر طرح آزاد ہیں جہاں چاہیں جا سکتی ہیں جس سے چاہیں مل سکتی ہیں علم حاصل کرتی ہیں تو مردوں کے دوش بدوش بیٹھکر اور کام کرتی ہیں تو ان سے سینہ بسینہ ٹکرا کر کسی فن کو حاصل کرنے میں پیچھے نہیں ہٹتیں کسی پیشہ کو اختیار کرنے میں باک نہیں رکھتیں۔ اس کا اثر یہ ہے کہ قدرت نے جو امتیاز زن و مرد کی جسمانی حالت اور ان کے فرائض میں رکھا تھا اس کی طرف سے استغنا ہوتا جاتا ہے۔ قدرت نے عورت اور مرد کا جوڑا بنایا ہے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ کوئی سے دو شخص جو کسی کام میں شریک ہوں ان کے طبعی اختلاف کو ایک حد مناسب تک رکھنے اور مخالفت سے بچانے کے لئے ضرور ہے کہ ایک کو بالادست اور دوسرے کو زیر دست مانا جائے (جسے انگریزی میں سینیر اور جونیئر کہتے ہیں) وہ کام کریں باہمدگر اتحاد اور مشورے سے مگر جہاں اختلاف پیدا ہو وہاں کسی ایک کی رائے کو بالعموم ترجیحی حیثیت حاصل ہو۔ یا بعض معاملات میں ایک کو اور بعض میں دوسرے کو فوقیت دیجائے تو کارخانہ جاری رہ سکتا ہے ورنہ دونو کے اپنی اپنی رائے پر اصرار کرنے سے کام ضرور رک جاتا ہے +

افراط و تفریط

مشرق والوں نے اس اصول کو مانا ہے اور مرد کو مطلقاً ترجیحی حیثیت دے دی ہے تو نقص یہ واقع ہوا ہے کہ بجائے شریک غالب ہونے کے مرد اپنے تئیں حاکم خود مختار اور عورتوں کو رعیت یا غلام بلکہ جانور سمجھنے لگے ہیں مغرب

والوں نے معلوم ہوتا ہے اس اصول کو مانا نہیں یا مانا ہے تو مرد اور عورت میں سے کسی ایک کی ترجیحی حیثیت پر سب کا اتفاق نہیں ہو سکا۔ وہ ملتے ہیں جذبات کے تقاضے سے اور جب تک طرفین میں جذبات کا زور قائم رہتا ہے اختلاف رائے کا موقع کم پیش آتا ہے مگر یہ جوش ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہنے کی چیز نہیں اور دشواری پیدا ہوتی ہے اُس وقت جبکہ اس دریا کا چڑھاؤ ختم ہونے لگتا ہے۔ اس وقت اُنکا تمام سود و بہبود منحصر ہوتا ہے اتفاق پر۔ یعنے اپنے اپنے حالات کے مطابق مرد یا عورت دونوں میں سے کوئی نہ کوئی ترجیحی حیثیت پر قابض ہو جاتا ہے اور دوسرے پر ایک طرح کی حکومت حاصل کر لیتا ہے۔ اب اگر قسمت اچھی ہوتی ہے تو دوسرا فریق مرد ہو یا عورت ماتحتی کو برداشت کر لیتا ہے زندگی اچھی گذر جاتی ہے ورنہ چپقلش شروع ہوتی ہے جو دونوں کی زندگی تلخ کر دیتی ہے یا جدائی پر ختم ہوتی ہے۔ اگر قوم نے اس بارہ میں کوئی قانون تسلیم کیا ہوتا اور مرد یا عورت کسی ایک کی فوقیت سب کے نزدیک مسلم ہوتی تو مغلوب فریق قناعت کرنے پر مجبور ہوتا۔ اب یہ کیفیت نہیں ہے تو طبیعتیں دونو طرف فوقیت حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتی ہیں اور اس بے چینی نے عورتوں کے اندر ایک گونہ بغاوت کا مادہ پیدا کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم کسی استحقاق میں کم اور کسی کام میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں تو محکوم کیوں ہیں۔ اس خیال نے ان کے اکثر افراد کو تعلقات زناشوئی سے بیزار کر دیا ہے وہ جذبات کو تسکین دینے کے لئے کوئی تعلق پیدا کرنا چاہتی ہیں مگر اُس کی ایسی پائداری کہ پھانسی کے پھندے کی طرح جان لئے بغیر گلے سے جدا نہ ہو ان کو منظور نہیں۔ اور اگر یہ منظور ہے تو اس کے آثار و نتائج کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ خانگی فرائض کی بجا آوری۔ اولاد کی تولید اور ان کی پرورش سب کچھ وبال معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب قیدیں ہیں اور آزادی کو قید سے کوئی واسطہ نہیں نتیجہ یہی کہ عیاشی ترقی کرتی جاتی ہے۔ تولید کم ہوتی جاتی ہے۔ آبادی کا تناسب جس قدر چاہیئے ترقی نہیں کرتا۔ ایجادوں کی وہاں کمی نہیں۔ ایسی دوائیں اور ترکیبیں دریافت ہو گئی ہیں جن سے اولاد پیدا نہ ہو یا ایک آدھ بچہ ہو کر بندش ہو جائے۔

عورتوں کی ہمت مردانہ اور اسکی وجہ وہ لوگ عورت اور مرد کی آزادی پر اور لوازم آزادی کے

مساوی ہونے پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ عظمیٰ کے زمانے میں اُن ممالک کے اکثر مرد جنگی مصروفیتوں میں ملک سے باہر چلے گئے تھے تو ان کے ملکی کاروبار میں کوئی ہرج واقع نہیں ہوا۔ اندرون ملک میں جو کام مرد کرتے تھے وہ سب عورتوں نے سنبھال لئے۔ ہر قسم کے دفتروں میں ہر طرح کے کارخانوں میں عورتیں اپنی قابلیت اور کاردانی سے تمام کاموں پر قابض ہوگئیں اور سب ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ بیشک عورتوں کا بڑا کارنامہ ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ ہر کام میں مردوں کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ ابھی تک جنگی کاروبار کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی شاید کبھی ایسا بھی ہوجائے اور توپ و تفنگ سے کام لینے لگیں تو یہ فرقہ صنف نازک کے الزام بیجا سے بالکل بری ہوجائے مگر کچھ بھی ہو رہا ہو اور آئندہ کچھ بھی ہوجائے عورت پھر بھی عورت ہے اور قدرت نے اس کے فرائض مردوں سے جدا مقرر کئے ہیں۔ مردوں کے ملک بدر ہونیکی وجہ سے جو کام انھوں نے سنبھالے وہ سب تھے حقیقت میں مردوں کے کام اور عورتیں اس لئے سنبھال سکیں کہ انکو آزادی نے اپنے خاص فرائض کی بجاآوری سے نفور کردیا ہے اور نوع انسانی کو قائم رکھنے کا آدھا کام یعنے بچوں کو پال کر جوانی تک پہنچانا جو عورتوں کے سپرد تھا وہ بتدریج چھوڑتی جاتی ہیں اور اس کام کی طرف سے فارغ ہونیکا سبب تھا کہ وہ دفتروں اور کارخانوں کو چلا سکیں۔

زنانہ فرائض کی گرانباری

ورنہ یہ کام ہے ایسا مشکل کہ ہمارے ملک کی عورتیں جو رات دن گھر کے اندر رہتی ہیں اور سوائے بچوں کی پرداخت کے اور کوئی کام نہیں رکھتیں اور حفظان صحت کے قواعد سے آشنا نہیں ہوتیں۔ بچوں کے کپڑوں اور انکے استعمال کی چیزوں کو صاف رکھنا اور بچوں کو پوری احتیاط سے نہلانا دھلانا نہیں جانتیں اور ہر کام کو جلدی اور بے احتیاطی سے کرتی رہتی ہیں ان کی اس حالت میں اگر کسی عورت کے ہاں ایک ایک دو دو سال کے تفاوت سے تین چار بچے ہوجاتے ہیں تو اس کی اور شوہر کی جان عذاب میں رہتی ہے۔ اتفاق سے ہمارے ممالک میں مشترکہ خاندانوں کا دستور ہے ساس بہو۔ نند بھاوج اور دیورانی جیٹھانی سب ایک ہی دڑبے میں بند رہتی ہیں۔ لڑائی جھگڑا بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک دوسرے کے بچوں کو سنبھالنے کا کام بھی اسی صورت میں انجام پاتا ہے۔ ورنہ ایک مرد اور ایک عورت والے گھر میں ایک بچہ ہوجائے جب بھی مرد بچہ کو نہ سنبھالے تو بیوی کھانا نہیں پکا سکتی

مہذب ملکوں میں قیامت جیسی نفسی نفسی ہے اور کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا وہاں عورتیں سیر تفریح بھی کریں کتابیں اور اخبار بھی پڑھیں دفتروں اور کارخانوں میں نوکری بھی کریں تو اولاد کی تربیت میں کامیاب ہونیکے لئے صرف یہی صورت ہے کہ بچہ ہوتے ہی نوکروں کی تحویل میں دے دیا جائے ممالک روس کی طرح جگہ جگہ گورنمنٹ کی طرف سے پرورش گاہیں کھول دی جائیں مگر نوکروں کا انتظام ہر شخص کے بس میں نہیں۔ پرورش گاہوں کا انتظام باوجود نئے شوق کے روسی بھی تمام ملک میں نہیں کر سکے تو تمام دنیا میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا قاعدہ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار رہے اور اس کے نتائج کو برداشت کرنے کا بار بھی اسی کے اوپر ہے حکومت کے زور سے اگرچہ مصنوعی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ناممکن کو ممکن بنا لیا جاتا ہے مگر خود حکومت قائم رہنے کی چیز نہیں تو اس کے بنائے ہوئے قاعدوں پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے صحیح قانون وہی ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے تمدن میں اور تہذیب کے ہر درجہ میں جاری رہ سکے۔ مہذب ممالک میں ادنیٰ طبقہ نسبتہً زیادہ مفلوک الحال ہے۔ روسی نظام کو تمام دنیا قبول نہیں کر سکتی اور مہذب ممالک میں ہر کام کے لئے نوکر مہیا کرنے کی استطاعت بہت کم افراد میں ہے۔ وہاں عورتوں کا مردوں کے مقابلہ میں مصروف ہونیکا نتیجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ انسانی ضرورت کا وہ حصّہ جو قدرت نے خاص عورت کو سپرد کیا ہے یعنے اولاد کی تولید و پرورش اسے خیرباد کہدیا جائے پس عورتوں کو مردوں کے برابر نکلنے کا فخر جبھی زیب دیتا تھا کہ عورت ان کاموں کے ساتھ اپنے خاص فرائض بھی سرگرمی کے ساتھ پورے کر کے دکھاتی۔ ورنہ اگر نسل انسانی کو قائم رکھنے سے قطع نظر کر لی جائے تو بیشک تمام عورتیں مردوں سے بازی لگا کر کامیاب ہو سکتی ہیں۔

٭ ایک سیاح لکھتا ہے کہ روس کے شہروں میں کوئی متنفس دن کے وقت اپنے گھر نہیں رہتا۔ مرد اور عورت سب کو گورنمنٹ کی نگرانی میں کوئی نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے صبح کو اٹھتے ہیں گھر کو قفل لگا کر بچوں سمیت نکل جاتے ہیں۔ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں چھوٹے بچوں کو پرورش گاہ میں چھوڑتے ہیں اور کام پر چلے جاتے ہیں۔ پڑھنے والے بچے ہوسٹل میں اور بیمار ہسپتال میں رہتے ہیں۔ کام کرنے والے شام کو لوٹتے ہیں حسب معمول باہر کھانا کھاتے ہیں اور بچوں کو لئے ہوئے گھر پر آ کر سو رہتے ہیں۔ ہر پانچویں دن تعطیل مناتے ہیں مگر شوہر کسی دن اور عورت کسی اور دن۔ وہ دن تفریح گاہوں میں غیروں کے ساتھ گذارتے ہیں زن و شوہر دونو کو ایک دن تعطیل منانے کا اتفاق مہینوں کے بعد ہوتا ہے بلکہ اگر ایک کی ڈیوٹی رات کے وقت ہے اور دوسرے کی دن کے وقت تو آتے جاتے بات کر لیتے ہیں اس سے زیادہ موقع نہیں پاتے۔ یہ آدمی سے مشین کی طرح کام لینے کا دستور ہے جس کو آزادی پسند انسان ہمیشہ قائم نہیں رکھ سکتا ٭

بلکہ اگر دونوں میں ایک صنف یعنے مرد یا عورت کو بالکل فنا کر دیا جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جو باقی رہینگے زندہ رہنے کی ضرورتیں پوری کر سکینگے مگر اپنی اپنی موت سے مرتے جائینگے۔ ایک دن دنیا خالی رہجائیگی کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہوگا۔

نشہ کی چستی اور خمار کی سستی

پس ایک موقع خاص پر اگرچہ آزادی نسواں نے بڑا کارنامہ دکھایا اور جنگ عظمیٰ کی اثنا میں تمام انسانی ضرورتیں عورتوں کے ہاتھ سے پوری ہوتی رہیں۔ مگر یہ جذبہ جو پیدا ہوگیا ہے اگر ترقی کرتا رہا تو ایک عرصہ کے اندر نوع انسانی کو ختم کرنے کا باعث ہوگا۔ یہ ایک نشہ ہے جس نے اس وقت مہذب ممالک کے دل و دماغ کو مست کر دیا ہے اور مستی کے عالم میں اعضاء و جوارح جس چستی اور چالاکی سے کام کرتے ہیں اسے دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہو رہے ہیں اور فخر کے ترانے گاتے ہیں مگر نشہ آخر کار اعضاء کو سست اور بیکار کر دیتا ہے۔ اسیطرح آزادی کا انجام بھی عورتوں کو اپنے فرائض کی بجا آوری سے عاجز اور معطل کر کے رہیگا۔ اس کے برخلاف اگر عورت سے وہی کام لیا جائے جس کے لئے وہ پیدا ہوئی ہے اور مرد اپنے کام خود کرتے رہیں تو اگرچہ جنگ عظمیٰ جیسی مصیبت میں مبتلا ہونے والے ممالک تباہی اور بربادی کا پورا مزا چکھینگے مگر نوع انسانی کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے والی بلا نازل نہ ہوگی جنگ کا نقشہ تہذیب جدید کی برکت سے روز بروز بدل رہا ہے۔ آئندہ معرکوں میں آسمان سے بم کی بارش کرینگے سمندروں کو گیس چھوڑ کر منجمد کر دینگے فضا میں زہریلی ہوا پھیلا دینگے شہر بلکہ ملک کے تمام جانداروں کو سلا دیا کرینگے۔ نہ مرد باہر جانے کے قابل رہینگے نہ عورتیں کاروبار سنبھالنے کے لئے زندہ رہینگی۔ آزادی نسواں کا یہ فخر غائب ہونے کو ہے۔ تہذیب والے عورت کو عورت رہنے دیں کہ بقائے نسل کا سامان تو مہیا رہے۔

عورت کا روشن و تاریک پہلو

یہاں تک زن و مرد کے فرائض کا ذکر ہوا ہے مگر حقوق کی حد بندی کرنے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں ضرورت ہے کہ زن و مرد کے جسمانی اور روحانی اختلافوں کو دیکھا جائے اور اُن اوصاف کو معلوم کیا جائے جو قدرت نے ہر صنف کے اندر ودیعت کئے ہیں حقوق کی تعیین ان سب حالات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہو سکتی ہے۔ قلم ہمیشہ سے مرد کے ہاتھ میں رہا ہے اور مردوں کی طرف سے عورتوں

کی نسبت یکطرفہ فیصلے بہت دیکھنے میں آتے ہیں اور اکثر انکا تاریک پہلو نمایاں کیا گیا ہے مگر کبھی کبھی جذبۂ انصاف نے روشن پہلو کے اظہار پر بھی مجبور کیا ہے۔ مشرق کے اندر "اسپ زن و شمشیر وفادار کہ دید" کا غلغلہ بلند رہا ہے تو مغرب والے بھی یہ بحث کرتے رہے ہیں کہ عورت روح رکھتی ہے یا نہیں۔ یہ اگلے وقتوں کی باتیں ہیں اور قابلِ التفات نہیں۔ اب اس زمانے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اس کا مطالعہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔ میں مغرب کے دو نمائندے انتخاب کرتا ہوں اور ایک اپنے ہم وطن سے مدد لیتا ہوں۔ مغرب عورت کی حمایت میں بدنام ہے مگر ان کے ایک ستم ظریف کو دیکھو کس سختی سے نکتہ چینی کرتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے تمام صنفِ نازک پر منطبق نہ ہوتا ہو جب بھی جو عورتیں ایسی عادت رکھتی ہوں وہ ٹھنڈے دل سے غور کرینگی تو مفید سبق لے سکینگی۔ یہ صاحب فرماتے ہیں:-

تاریک پہلو "گمان غالب ہے کہ بہت سے لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے اگر میں کہوں کہ ایسی شادی جس سے خوشی حاصل ہو آجکل عام قاعدہ کا ایک نادر استثنا ہے اور ناگوار ازدواج کی ناگواری اکثر حالات میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ شادی کرنے والے مرد عورت کو حکومت پسند۔ اذیت بخش۔ جھگڑالو۔ بدمزاج۔ حاسد اور فضول خرچ پاتے ہیں۔ آؤ ان ناگوار عناصر کی تحقیق کریں اور سب سے پہلے تکلیف دینے کی عام عادت کو دیکھیں۔ ہر زمانے میں جھگڑالو عورت نے ازدواجی زندگی کے اندر ناخوشی پیدا کی ہے اور زن مرید شوہروں اور جابر عورتوں کے مابین تعلقات محبت کے منقطع ہونے کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتیں ایسی بڑی تعداد میں شوہروں کو سرزنش اور ملامت کے اندر رکھنے سے کیوں اس قدر خوش ہوتی ہیں۔ قدرت نے عورت کو مرد کی نسبت زیادہ باتونی بنایا ہے۔ اس کا ثبوت اس حقیقت سے ملتا ہے کہ عورت کی زبان میں مرد کی نسبت زیادہ اعصاب رکھے گئے ہیں اور اعصاب کی غرض استعمال ہے"۔

یہ ممکن ہے کہ بہت زبان چلانے سے سننے والے کو ہمیشہ تکلیف محسوس نہ ہو۔ مگر

جی۔ سی کے نامہ نگار سول ملٹری گزٹ لاہور ۱۳؍ اپریل ۱۹۳۱ء

یہ ہے حقیقت کہ قابو یافتہ عورتوں کی بہت بڑی تعداد پیہم بولتے رہنے کی عادت رکھتی ہے اور سننے والا آخر کار تنگ آجاتا ہے اور مردوں کی تکلیف کا ایک اور سبب یہ ہے کہ عورتوں کی طبیعت حساس بہت ہوتی ہے اور ان میں جوش اور غصہ کا اتار چڑھاؤ پیہم ہوتا رہتا ہے اور اسکو قابو میں رکھنے کی صلاحیت عورتیں مرد کی نسبت کم رکھتی ہیں٭ نیز قدرت نے عورتوں میں کئی طرح کی ایسی کمی بھی رکھی ہے جس سے برافروختگی بیچینی اور غضب میں آنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ نیز مادرانہ زندگی کی بھاری ذمہ واریاں ان میں ضرور یہ عادت پیدا کر دیتی ہیں کہ ہمیشہ حکومت جتاتی رہیں ملامت کرتی رہیں اور نقص نکالتی رہیں۔ یہ نکتہ چینی اور ملامت کرتے رہنے کی عادت عورتوں کی بڑی تعداد میں پیدائشی ہوتی ہے"٭

"ہم نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عورتیں بالطبع میلان رکھتی ہیں کہ جن لوگوں کے ساتھ ان کا تعلق ہو ہمیشہ جھلا کر انکو ملامت کرتی رہیں کسی پارٹی میں شریک ہونے کا یا ہوٹل کے اندر کھانے کی میز پر جانیکا اتفاق ہو تو اکثر کم از کم ایک یا دو عورتیں ایسی نظر آتی ہیں جو اپنے شوہروں کو سب کے سامنے ذلیل کرنے سے خوش ہوتی ہیں۔ یہ عورتوں کی وضع میں داخل ہے کہ انکا حلیم المزاج شوہر محفل میں جو رائے ظاہر کرے اس پر ضرور ہی نکتہ چینی کریں اور شوہر کی رائے کو تسلیم اور تنقید کرنے کے بعد وہ اکثر ایسا تبسم ظاہر کرتی ہیں گویا اسکی نادانی پر ترس کھاتی ہیں۔ اور بدقسمت شوہر اس وقت ایک بچہ معلوم ہوتا ہے جس کو بیہودگی کو اس کرنے پر ملامت کی گئی ہو۔ اتالیق بننے والی عورتیں اکثر کوشش کرتی ہیں کہ شوہر کی ہستی کو بالکل نظر انداز کر دیں اس کو صرف اس وقت بولنے کی اجازت ہے جبکہ اُسے مخاطب کیا جائے ورنہ اس کا فرض ہے کہ گونگا بہرا بنا رہے یا اپنی قابل فخر بیوی کی تعریف کیا کرے۔ قابو یافتہ عورتیں پچاس فیصدی مذکر ہوتی ہیں اور ایسا عاشق تلاش کرتی ہیں جو بجائے رہنما بننے کے اطاعت کرنے پر رضامند ہو بعض مرد ایسے بھی ہیں جو عورت کی حکومت میں رہنا پسند کرتے ہیں لیکن بہت سے ایسے ہیں جو کاکل پیچاں کو ظل اللہ سمجھنے سے انکار کرتے ہیں پس اگر کبھی وہ حکومت پسند افراد قید محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو پیہم نزاع اور فساد رہتا ہے جو بعض اوقات حسرتناک انجام تک پہنچاتا ہے"٭

٭ اس کی معقول وجہ ایک آئندہ مضمون میں ملیگی٭

جسمانی ساخت کے لحاظ سے کئی اسباب ہیں جو عورت کو مرد کی نسبت زیادہ تنک مزاج زود رنج اور جھگڑالو بناتے ہیں وہ عجیب حریفانہ جذبہ جو زن و مرد کے مابین موجود ہے عورتوں میں نہایت مبالغہ کے ساتھ پایا جاتا ہے حتی کہ وہ مرد سے حسد رکھتی ہیں اور حاسدانہ وضع کی عورتیں اصرار کرتی ہیں کہ مرد عورت کی نسبت بہتر وقت گذارتا ہے۔ یہ ایسا اظہار ہے جو ہر جگہ صحیح نہیں ہوتا” +

“بہت سی شادیاں عورتوں کی فضول خرچی سے برباد ہوتی ہیں۔ ایک وضع کی عورتیں ایسی بھی ہیں جو اس تلخ صداقت کو نہیں سمجھ سکتیں کہ فی زمانہ روپیہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا ایسی عورتیں خیال کرتی ہیں کہ شوہر کا صرف یہی فرض ہے کہ عورت کے لئے قیمتی لباس مہیا کرتا رہے اور اُسکی عیش و مسرت کی ناقابل فتح آرزو کو تسکین دینے میں مصروف رہے۔ اکثر حالات میں ازدواجی زندگی میں ناخوشی ان بے رحم عورتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو صرف اسی لئے شادی کرتی ہیں کہ کسی مرد پر اپنا بار ڈالیں بیشک مادرانہ جذبات عورت کو الفت سے معمور اور خود غرضی سے پاک کر دیتے ہیں مگر مرد عورت کے ساتھ اس کے مادرانہ اوصاف کی وجہ سے تعشق نہیں کرتا۔ وہ ایک ہم جنس رفیق کا مشتاق ہوتا ہے اور اکثر اوقات ناکام رہتا ہے” +

تاریک پہلو کی تنقید

یہ شخص روزمرہ کے واقعات پیش کرتا ہے۔ اپنے تجربہ کی باتیں بتاتا ہے۔ عورتوں کا سلوک دیکھکر جن اوصاف کو انکا طبعی خاصہ فرض کرتا ہے۔ وہ تمام عورتوں میں موجود ہوں یا نہ ہوں اور ان کی فطرت میں داخل ہوں یا واقعات نے پیدا کئے ہوں اس کی بحث الگ ہے۔ حکومت کرنے کا ناقابل فتح جذبہ جو مغرب کی عورتوں میں موجود ہے اسکا سبب یقیناً وہی ہے جو اوپر کہا گیا ہے کہ اہل مغرب نے مرد اور عورت کے مابین بالاتری اور زبردستی کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ حالانکہ کسی عدالت میں دو جج اور کسی کارخانے میں دو منتظم ہوں تو اختیارات برابر ہونے کی شرط سے اختلاف کے وقت فیصلہ کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور ضرور ایک کو بالاتر ماننا پڑتا ہے۔ گھر کا انتظام روزمرہ کی چیز ہے ہر شخص کو سابقہ پڑتا ہے۔ اختلاف روز پیدا ہوتے ہیں بڑے بڑے قاعدے اور قانون بنانے والوں نے ہر وقت کی ضرورت کا کوئی قاعدہ نہیں بنایا۔

پس حقیقت میں مغربی سوسائٹی کا قصور ہے کہ حیوانیت سے انسانیت کی طرف آئے اور عورت کو

ہیجان سے جاندار فرض کیا تو اُن کو بے لگام چھوڑ دیا اپنے غلبہ کی خواہش سے دست بردار نہ ہوئے دائمی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

روشن پہلو عورت کا ایک پہلو اس نے دکھایا جو تجربہ رکھتا تھا۔ اُس کے دوسرے پہلو کا ذکر ایک مورخ سے سنو۔ وہ کہتا ہے:۔

”عورتوں نے مردوں کو اُن کی سخت سے سخت ضرورتوں میں کبھی دھوکا نہیں دیا۔ یہ ایک عورت کا قول ہے اور شوہر اور باپ اور بیٹے اور بھائی شہادت دے سکتے ہیں کہ یہ قول بالکل درست ہے۔ بیویوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ جلاوطنی کی زحمتیں برداشت کی ہیں اور قید کی سختیاں جھیلی ہیں۔ مائیں فاقوں سے نزع کی حالت تک پہنچی ہیں محض اس خیال سے کہ انکے بچے زندگی کو قائم رکھیں اور کچھ نہ کچھ خوراک انہیں ملتی رہے۔ بہنوں نے دنیا کی سب سے عزیز تمناؤں کو قربان کیا ہے تاکہ اُن کے بھائی اپنی بے وقوفی یا جرم کی سزا سے بری رہیں۔ چارلٹ کارڈے جیسی لونڈیوں نے اپنے تئیں پھانسی پر چڑھایا ہے تاکہ اُن کے اہل وطن ظالم کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ ان سب حالات میں عورتوں کی جرأت اور ہمدردی نے کبھی اُن کا ساتھ نہیں چھوڑا۔“

مفصل بیان یہ بیان سرتاپا صداقت ہے مگر مکمل نہیں۔ عورت مرد کے تمام طبعی اختلاف اور ان کے وجوہ و اسباب ہمارے ایک فلسفی مزاج دوست سے سنو وہ فرماتے ہیں*

اختلافِ فرائض ”گرد و نواح کا اثر انسان کے دل و دماغ کو مکمل کرنے میں بہت حصہ لیتا ہے نسلی امتیازات کی تکمیل اور تاتاری و ہندی۔ رومی و یونانی وغیرہ اقوام کی ساخت و پرداخت اسی مختلف گرد و نواح سے ہوئی ہے جس میں ان کو رہنا پڑا ہے اور جس کے اندر اُن کو اپنی بقا کے لئے مختلف کاروبار کرنے پڑے ہیں۔ اسیطرح کہہ سکتے ہیں کہ زن و مرد کا باہمی تفاوت ان ہی مختلف فرائض کی وجہ سے ہوا ہے جو ان کو بجالانے پڑتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر کارخانہ زیست میں دونو کے فرائض یکساں ہوتے تو ان کی جسمانی اور دماغی ساخت میں کوئی تفاوت نہ ہوتا۔“

انفعالی حیثیت اور حیاداری زن و مرد کے اندر اصولی اختلاف یہ ہے کہ ان میں سے ایک

---

* پروفیسر تاج محمد ایم اے کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جو انہوں نے اپنے دل پسند فن سائیکالوجی سے اور ایک کتاب سے مدد لیکر لکھا ہے۔

SEXES COMPARED BY
VON HARTMAN

کو مرد بنایا گیا ہے اور دوسری کو عورت اور تعلقات زناشوئی کا اثر دونوں پر مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ تعلقات زناشوئی میں مرد فاعلی حیثیت رکھتا ہے اور عورت انفعالی۔ یہ فطری اختلاف ہے اور زن و مرد کے تمام تعلقات میں نمایاں نظر آتا ہے۔ مرد فاعلی حیثیت رکھنے کی وجہ سے تعاقب اور تلاش کرتا ہے۔ عورت منفعل ہونے کی وجہ سے شرمگین اور بے حرکت رہتی ہے۔ حد بلوغ کو پہنچنے اور صنفی تقاضے کے پیدا ہونے پر بھی وہ باحجاب رہتی ہے مدافعت کرتی ہے اور اپنے میلان کو جو مرد کی جانب ہے ظاہر ہونے نہیں دیتی۔ حیاداری اس کا طبعی تقاضا ہے اور وہ اسی لئے ہے کہ اسے تلاش کیا جائے اور مرد اسی لئے بنا ہے کہ اسے تلاش کرے اور اس کی جانب قدم بڑھائے۔ تلاش کیا جانا عورت کو پسند ہے اور اس کی فطرت کو تسکین دیتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی عورت کو ہم سے محبت ہے اور باوجود محبت کے وہ رکی رہتی ہے اور ہمارے برابر اشتیاق ظاہر نہیں کرتی تو اکثر اوقات ہم کو تعجب ہوتا ہے اور ہم شکایت کرتے ہیں مگر اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم عورت کی فطرت کو سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور اپنی طبیعت کے تقاضے پر اس کی طبیعت کو قیاس کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عورت کے اندر اگرچہ صنفی خواہش موجود ہوتی ہے مگر اس کی طبیعت کی رفتار خواہش کو روکنے کی جانب ہے اور اس کے برعکس مرد اپنی خواہش کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے کا میلان رکھتا ہے اور اظہار سے خوش ہوتا ہے۔ عورت کی طرف سے اگر کبھی کوئی حرکت یا کوئی لفظ خواہش کی نسبت صادر ہو جاتا ہے تو وہ دل میں بجائے خوش ہونے کے پشیمان ہوتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت اپنے جذبات کو اگرچہ دبا سکتی ہے مگر چونکہ وہ اس کی فطرت میں داخل ہیں انہیں فنا نہیں کر سکتی"+

حیاداری کا ثبوت

عورت کے حیادار رہنے کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے اس کا سب سے قوی ثبوت یہ ہے کہ ہسٹیریا کا مرض جو دیوانگی تک پہنچا دیتا ہے اور جذبات کو دبانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ہمیشہ سے اور ہر قوم کے اندر عورتوں کے

حاشیہ صفحہ ۱۴۵

+ قابل تقلید عورتیں مصنفہ اڈمس "Adams' Exemplary Women"

ساتھ مخصوص ہے۔ مرد کیسا ہی شرمگین ہو اُسے اس قسم کی تکالیف سے دوچار ہونے کا شاذ و نادر ہی اتفاق ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنی فطرت میں جذبات کو دبانے کا نہ میلان رکھتا ہے اور نہ کبھی اس حد تک دباتا ہے کہ اس کا اثر دل و دماغ کو ماؤف کر دے۔ اور نیز عورت کے حیادار ہونے کا تجربہ عالم و جاہل اور وحشی و مہذب ہر شخص اور ہر قوم کو اس کثرت سے ہوا ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی سوسائٹی ہوگی جس کے نزدیک عورت کا حیادار ہونا مسلّم نہیں ہے عورت کی حیاداری کو غالباً دنیا کی تمام سوسائٹیاں تسلیم کرتی ہیں اور سوسائٹی کے عام خیال سے عورت کی حیاداری کو اور تقویت پہنچتی ہے۔ عام قاعدہ میں استثنا ہمیشہ ہوتا ہے پس اگر کوئی عورت مستثنیٰ طور پر حیا کے وصف سے عاری نکل آتی ہے تو سوسائٹی کے دباؤ سے وہ بھی اپنے تئیں حیادار ظاہر کرنے پر مجبور ہوتی ہے پس عام قاعدہ میں جس قدر استثنا ہونا چاہیے عورت کی حیاداری میں عملاً اتنا بھی موجود نہیں ۔

جذبات کا مقابلہ

مُردوں کے اندر اس خیال کو بہت شہرت حاصل ہے کہ عورت کے جذبات مرد کی نسبت زبردست ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے بلکہ عورتوں کی وہ تعداد جو جذبات کا اظہار کرتی ہے اور وہ تعداد جو جذبات کو دباتی ہے اور ایک ایک عورت جتنی بار جذبات کا اظہار کرتی ہے اور جتنی دفعہ جذبات کو دباتی ہے ان سب کا مقابلہ کیا جائے تو عورت کے اندر جذبات کا اظہار کرنے کے موقعے جذبات کو دبانے کے مقابلہ میں اپنی مقدار میں اور اپنی تعداد میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے مگر باوجود اس کے جو ہم بغیر کسی وجہ کے عورت پر جذبات کے زیادہ ہونے کا الزام دھرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم ہر عورت سے شرمگین ہونے کی امید رکھتے ہیں اور اس کا تھوڑا سا میلان جذبات کو ظاہر کرنے کی طرف دیکھتے ہیں تو اس کے اندر جذبات کی شدت کا یقین کر لیتے ہیں۔ دوسرے عورت کی طرف سے جذبات کو ظاہر کرنے کی چند ایک مثالیں چونکہ ہماری توقع کے خلاف ہوتی ہیں وہ پبلک کی نظر میں ایسی عظیم معلوم ہوتی ہیں کہ ہم اُن بیشمار واقعات کو بھول جاتے ہیں جنمیں عورت اپنے خیالات پر پورا قابو رکھتی ہے اور اس کے برخلاف مردوں کا ہر فرد اُس کے اظہار میں ہمیشہ بے باک اور بے اختیا

٭ یہ امر واقعہ ہے کہ عورتوں کی جس قدر تعداد جوانی کے اندر بیوہ ہو کر یا تمام عمر مجرد رہکر ہر ملک اور ہر قوم میں تنہا

ہوتا ہے پس ایسی غیر منصفانہ تہمت کی بنیاد بھی اسی لئے پڑی ہے کہ عورت فطرتاً حیادار ہے اور پبلک کو اس کی حیاداری مسلم ہے اور ہم نہیں برداشت کرتے کہ وہ کبھی بھی اپنے جذبات کا اظہار کرے اور پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس بے باکی اور بے تکلفی سے مرد اپنی شادی کے لئے کوشش کرتے ہیں یا کسی عورت کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے جیسی علانیہ تگ و دو ان کی طرف سے ہوتی ہے ان کے مقابلہ میں کوئی عورت اگر کسی وقت اپنی خواہش کا اظہار کرتی نظر آتی ہے تو اسکا انداز نہایت شرمگین ہوتا ہے اور وہ اپنے اظہار کو (جائز ہو جب بھی) عوام الناس کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کی حتی الوسع پوری کوشش کرتی ہے۔ اور اگر بالفرض کبھی کسی عورت کی طرف سے جذبات کو ظاہر کرنے میں بیباکی کا ارتکاب ہو گیا ہو جب بھی تعجب کا موقع نہیں۔ رکا ہوا طوفان ہمیشہ زیادہ زور کا سیلاب پیدا کرتا ہے پس جس نے بہم اپنے جذبات کو عرصہ دراز تک دبایا ہو کبھی مجبور ہو جائے اور اظہار میں اعتدال سے بڑھ جائے تو اسے معذور کیوں نہ سمجھا جائے۔

تکلیف کی برداشت

آؤ اب دوسرے تفاوت کو دیکھیں جو مرد اور عورت میں رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ افزائش نسل کے لئے استقرار حمل اور وضع حمل کا کام قدرت نے عورت کو سپرد کیا ہے وہ چند ماہ تک بچہ کو پیٹ میں رکھتی ہے اس اثنا میں اور اس بار برداری سے رہا ہونے کے وقت میں سخت تکلیف برداشت کرتی ہے۔ مرد کو فریضہ توالد کے ادا کرنے میں ان مشقتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس حالت سے زن و مرد کی زندگی میں باہمی تفاوت کی ایک نئی بنا پیدا ہو جاتی ہے۔ اول یہ کہ اس مشقت کو برداشت کرنے میں عورت کے صبر و استقلال کا ایسا امتحان ہوتا ہے کہ مرد کی تمام زندگی اور اس کی صعوبتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں پس عورت ضرور اپنی پیدائش میں ایسی بنائی گئی ہے کہ ان تکالیف کو برداشت کرے اور نر و مادہ کے ہر ایک درجہ میں ابتدا سے لیکر عورت کے درجہ تک مادہ کی قابلیت تکالیف کو برداشت کرنے میں نر کی نسبت زیادہ ثابت ہوتی ہے عورت اس بارہ میں تمام دنیا کے اندر خاص امتیاز رکھتی ہے اور اس کی بناوٹ کا یہ خاصہ اسکی زندگی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷ بسر کرتی ہے اور ان میں سے جس قدر تعداد کی نسبت پاکدامن رہنے کا یقین کیا جا سکتا ہے اس کے مقابلہ میں عالم تجرد کے اندر بسر کرنے والے اور پاک رہنے والے مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔

کے تمام حالات میں نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ تعجب انگیز درجہ تک صبر کی قابلیت رکھتی ہے۔ اور نسل انسانی اسی شکل سے قائم رہ سکی ہے کہ عورت ایسی بنائی گئی ہے۔ فطرت کا تقاضا ہی کہ عورت ایسی صابرہ ہو اور وہ حقیقت میں ایسی صابرہ ہے۔"

صبر و تحمل

ابتدائے آفرینش میں جبکہ خودرو پھلوں کو کھانے اور قدرتی چشموں کا پانی پینے کے سوا کوئی کام نہ تھا او نوع انسانی اجتماعی زندگی کی خوگیر نہ ہوئی تھی نہ مرد عورتوں کو ایکدوسرے سے مدد لینے کی ضرورت تھی اسوقت بھی عورت حمل اور وضع حمل کی تکالیف سے بری نہ تھی اور اب جبکہ تہذیب کی ترقی نے کئی طرح کے باہمی تعلقات اور بیشمار ضرورتیں پیدا کر دی ہیں جنہیں ایک کو دوسرے کی مدد کرنی پڑتی ہی اسوقت بھی عورت کی وہی کیفیت ہی اور دنیا کی کوئی تکلیف شدت میں نسوانی تکالیف کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انسان کی اندرونی ساخت میں تہذیب نے کوئی بڑا تغیر پیدا نہیں کیا اور عورت کی نسوانی تکالیف اپنی شدت و سختی میں یکساں موجود ہیں ان تکالیف نے عورت کی ساخت کو مرد سے مختلف بنانے میں بڑا حصہ لیا ہی اور عورت کے اندر درد و تکلیف کو صبر کیساتھ برداشت کرنیکی قابلیت پیدا کر دی ہی۔ اور یہی صبر و تحمل عورت کی فطری خوبی ہے۔

"اُس تفاوت کا دوسرا نتیجہ عورت کے لئے یہ پیدا ہوا ہے کہ اس کو وضع حمل کے ایام میں علیحدہ رہنا پڑتا ہے اور علیحدگی سے اور نیز وضع حمل کی تکلیف سے وہ کمزور ہو جاتی ہے اور کچھ عرصہ کے لئے کاروبار کی جسمانی مشقتوں کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ اس عرصہ کا طول مختلف پیشہ وروں کے اندر اور مختلف قوموں کے اندر جسمانی قوت و ضعف کے لحاظ سے اور ضرورتوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے لیکن اس وجہ سے جسمانی قوت کے اندر جو کمی آگئی ہی اس کا اثر خواہ کیسا ہی حقیر ہو۔ ناقابل انکار ہے اور لاتعداد نسلوں کے اندر یہ اثر پیدا ہوتا ہوا بڑی شدت تک پہنچگیا ہے۔ سب قوموں کے نزدیک عورت کا صنف نازک ہونا مسلم ہی اور مرد کا جسمانی قوت میں عورت پر فائق ہونا قابل انکار نہیں۔ یہ سب کچھ عورت کے نسوانی فرائض سے پیدا ہوا ہے"۔

دماغی کمزوری

"مرد زیادہ قوی ہوتا ہے اس لئے اس کے تجربے بھی بالطبع زیادہ وسیع ہوتے ہیں وہ بسا اوقات ایسے کام کر سکتا ہے جو عورت نہیں کر سکتی یہ اختلاف جو پہلے محض جسمانی ہوتا ہے دماغی اختلاف پیدا کر دیتا ہے کیونکہ تجربوں کی

وسعت دلچسپیوں کی وسعت پیدا کر دیتی ہے اور دلچسپیوں کی وسعت ہماری شخصیت کو مکمل کرنے میں عظیم الشان خدمت بجالاتی ہے یہی اختلاف ہے جو عورت کی کاروباری توجہ کو محض خانگی معاملات میں محدود کر دیتا ہے اور باقی تمام وسیع دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے کا کام مرد کے لئے چھوڑ دیتا ہے اس طرح پر عورت جسمانی اور نیز دماغی قوت کے لحاظ سے کمزور رہتی ہے اسکی دلچسپیاں محدود ہوتی ہیں اور اس کے مقابلہ میں مرد کی دلچسپیاں وسیع اور غیر محدود ہوتی ہیں" +

مادرانہ فطرت

عورت کی دلچسپیوں کو محدود کرنے میں اس کی مادرانہ فطرت نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ مادرانہ فطرت عورت کی طبیعت کا سب سے مضبوط حصہ اور سب میلانوں سے جو وہ رکھتی ہے زیادہ طاقتور ہے مادرانہ توجہ اس کی تمام تر زیست ہے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو اور تمام ضروریات کی طرف سے بے پروا کر دیتی ہے۔ مرد بھی پدرانہ توجہ رکھتا ہے۔ مگر وہ ایسی زبردست نہیں* - بلکہ مرد میں کوئی ایک جذبہ بھی ایسا نہیں ہے جو اور سب پر غالب ہو۔ مرد کے اندر اس کی سب خواہشوں کی طرف توجہ مبذول رکھنے میں عورت کی نسبت زیادہ اعتدال پیدا کیا گیا ہے +

بچہ کی پرورش

عورت کے اندر مادرانہ توجہ کو زیادہ قوی رکھنے کی ضرورت بھی بہت ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ جانداروں کی جس نوع کو دماغی قوت جس قدر زیادہ دی گئی ہے اسی قدر زیادہ عرصہ تک اس کے بچہ کو لاچار اور قابل پرورش رکھا گیا ہے۔ انسان میں ذہنی قوتیں سب جانوروں سے زیادہ ہیں اس لئے ضرور تھا کہ پیدا ہونے کے بعد وہ سب سے زیادہ اور بہت لمبے عرصہ تک اپنی ضرورتوں کے لئے دوسروں پر منحصر رہے۔ اس مصلحت کیلئے مادرانہ رجحان کا پیدا ہونا ضرور تھا اور اس ذمہ داری کیلئے مرد کی نسبت عورت زیادہ موزوں تھی کیونکہ اسکی زندگی سے بچہ کی زندگی ایسی وابستہ ہے کہ مرد اور بچہ کے تعلقات میں وہ وابستگی پیدا نہیں ہو سکتی

---

* عورت بچے چھوڑ کر مرجائے تو اس کا شوہر باوجود بچوں کی محبت کے نکاح ثانی کی خواہش محسوس کرتا ہے اور خواہ ایسی حالت میں بچوں کے تکلیف پانیکا تجربہ رکھتا ہو اپنی خواہش کو پورا کرنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن بچوں والی عورت اگر بیوہ ہو جائے تو خواہ جوانی کی تمام قوتیں رکھتی ہو اور خواہ بے کسی کے اندر کسی سرپرست کی حاجتمند ہو اکثر اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بچوں کی پرورش کا سامان میسر آجائے اور شوہر کے بغیر بچوں کی پرورش میں اپنی عمر بسر کر دے اس حالت میں وہ اپنے تمام جذبات کو مردہ کر دیتی ہے اور صرف بچوں کی غور و پرداخت کو حاصل زیست تصور کرتی ہے +

بچہ عورت کے خون سے پرورش پاتا ہے اور جس تکلیف کے ساتھ چھری انسان کے کسی عضو کو کاٹتی ہے اسی قسم کی تکلیف سے بچہ اس کے پیٹ سے برآمد ہوتا ہے پس عورت بجا طور پر بچہ کے جسم کو اپنے جسم کا ایک ٹکڑا اور اس کی جان کو اپنی جان کا ایک حصہ سمجھتی ہے بلکہ شاید اسکو اپنی جان کا بہترین حصہ سمجھتی ہے اسی لیے بچہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے اور ہر تکلیف کو جو اسکی پرورش میں پیش آئے نہایت صبر حوصلہ اور خوشی سے برداشت کرتی ہے اور اس طویل عرصہ کو جو تربیت میں صرف ہوتا ہے اپنی زندگی کا بہترین مصرف تصور کرتی ہے۔ دنیا کی اور کوئی نعمت اس کی نظر میں بچہ کے برابر قیمت نہیں رکھتی اور بالخصوص جب وہ بچہ کے رونے کی آواز سنتی ہے تو ہر چیز سے بے پروا اور ہر خواہش سے اندھی ہو جاتی ہے“

شیر خورانی اور اسکا نتیجہ

عورت کا بچہ کو دودھ پلانا بھی قدرت کا ایک اعجاز ہے اگر حمل کی تکالیف عورت کو اور دودھ پلانے کا فرض مرد کو سپرد کیا جاتا تو بچے اکثر مرد کی غفلت سے ضائع ہو جایا کرتے کیونکہ جو وابستگی عورت کی ذات کو استقرار حمل کے وقت سے بچہ کے ساتھ ہوتی ہے مرد اس سے بیگانہ ہے پس وہ عورت ہی کی ذات ہے جو خاص بچہ کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ وہی اسے دودھ پلانے کی سخت ذمہ واری لے سکتی اور وہی تمام زمانہ تربیت میں اس کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ یہ مضبوط اتحاد باہم رفاقت سے اور بھی زیادہ پختہ ہو جاتا ہے اور تمام نفع وضرر میں جو بچہ سے متعلق ہو وہ اسکی نگران اور شریک حال رہتی ہے۔ اس کی مادرانہ شفقت اس کے تفکرات اور اندیشوں کا اور اسکی راحت و فرحت کا ایک مستقل سرچشمہ ہے ان تمام حالات میں کوئی اور چیز عورت کے دل میں بچہ کے برابر گھر نہیں کر سکتی لیکن مرد اپنی تمام دلچسپیوں کو بچہ کے ساتھ ایسا وابستہ نہیں کر سکتا۔ یہ حالت ان دونو کے مدعائے زیست میں بہت بڑا اختلاف پیدا کر دیتی ہے۔ مادرانہ شفقت عورت کی تمام دلچسپیوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیتی ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے اور بہت قیمتی ہے۔ مرد کے اندر یہ مضبوط دلسوزی عورت کی نسبت کم ہوتی ہے کیونکہ اس کی دلچسپیوں کا میدان نہایت وسیع ہے۔ عورت کی تمام دنیا محض اسکا گھر ہے اور مرد تمام اعلیٰ مقاصد کے حصول میں مصروف ہو سکتا ہے جو بیرونی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مرد کا یہ کام ہے جو عورت نہیں کر سکتی لیکن جو کام عورت کر سکتی ہے وہ مرد نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کا کام دوسرے کے لئے ضروری ہے اور مرد و عورت دونو زندگی

کے ڈرانے میں برابر کے شریک ہیں“

شفقت اور فکرمندی

عورت میں جو مادرانہ جذبہ رکھا گیا ہے ہمیشہ شفقت آمیز ہوتا ہے۔ مشفقانہ ولولہ اس کا ضروری حصہ ہے وہ اپنے بچہ کو کھیلتا دیکھتی ہے تو خوش ہوتی ہے مگر یہ خوشی بھی اس کے چوٹ کھانے کے فکر سے خالی نہیں رہتی۔ وہ بچہ کو بڑھتا پھولتا دیکھتی ہے تو نہال ہوتی ہے۔ مگر یہ ڈر بھی* اس کی جان کو کھائے جاتا ہے کہ کہیں یہ مجھے داغ نہ دیجائے اور اس کی وجہ وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی کہ قدرت نے عورت کو رنج اور فکر برداشت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور ہمدردی۔ رحم۔ شکر گذاری۔ فیاضی۔ اپنی کمزوری کا احساس۔ اپنی زندگی کو کسی اور پر منحصر رکھنے کی آرزو۔ غرض تمام شفقت آمیز ولولے عورت کے اندر مرد کی نسبت زیادہ رکھے گئے ہیں۔ اس کی فطرت شفقت سے بھری ہوئی ہے جس کے اندر تفکر کا عنصر شامل ہے اور یہ حالت مردوں کے سلوک سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ قدرت نے عورت کو ایسا بنایا ہے۔

سخت جذبات کی کمی

ہم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ عورت کے اندر شفقت آمیز ولولے مرد کی نسبت زیادہ زبردست ہیں۔ اس پر بعض لوگ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ عورت کے نرم اور سخت ہر قسم کے جذبات مرد کی نسبت زیادہ زبردست ہیں۔ اس کے شدت آمیز جذبات کے ثبوت میں ایک یہ کہا جاتا ہے کہ غصہ کینہ اور حسد یا اسی قسم کے دیگر ولولے عورت کے اندر بہت خفیف واقعات سے پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کا کینہ اور غصہ بہت دیر تک قائم رہتا ہے۔ خفیف واقعات سے جوش میں آنے کا باعث حقیقت میں وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کی دلچسپیوں کا سلسلہ محدود ہے اور وہی اس کی تمام دنیا ہے پس جو چیز مرد کو خفیف معلوم ہوتی ہے وہ عورت کے نزدیک خفیف نہیں ہوتی۔ وہ تھوڑی سی تکلیف میں جو غصہ کے آنسو بہانے لگتی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے

---

* اہل عرب شاید عورت کی اس فطرت کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے اُنہوں نے مادرانہ محبت کے لئے شفقت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے اصلی معنے ڈرنے کے ہیں۔ قرآن میں مُشْفِقُونَ کا لفظ ڈرنے والوں کے معنے میں آیا ہے۔ ماں ہمیشہ بچہ کے تکلیف پانے کے اندیشہ سے ڈرتی رہتی ہے +

کہ وہ زود رنج اور کم حوصلہ ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز مرد کو حقیر نظر آتی ہے وہ عورت کے نقطۂ خیال سے بڑی اور عظیم الشان ہے۔ جو دلسوزی مرد کے اندر اپنے اعلیٰ مقاصد میں سرگردان رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عورت کے اندر معمولی خانگی امور کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ انہی افکار میں سرگردان رہتی آئی ہے بچہ کا کھلونا ٹوٹ جائے تو رونے لگتا ہے۔ کوئی کھانے کی چیز اس کے ہاتھ سے چھین لیں تو غصہ میں آجاتا ہے مگر اسے زود رنج اور کم حوصلہ نہیں کہتے اس لئے کہ اس حالت میں اس کی دلچسپی انہی چیزوں سے ہے۔ اس حد سے نکل جاتا ہے تو خود اپنی طفلانہ عادت پر خندہ زن ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی اگر خانگی معاملات کے چکر سے نکل کر بیرونی کاروبار میں مصروف ہو جاتی ہے۔ تو زود رنج اور کم حوصلہ نہیں رہتی۔ مگر جس طرح جوانی کو پہنچکر بچہ نہیں رہتا۔ مرد عاقل بنجاتا ہے اسیطرح بیرونی کاروبار میں دلچسپی لینے سے عورت کی نسوانی فطرت میں نقص آجاتا ہے اور جس کام کیلئے بنائی گئی ہے اس سے کچھ نہ کچھ بیگانہ ہو جاتی ہے پس اس خیال کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ عورت کے اندر کینہ اور حسد مرد کی نسبت زیادہ زبردست ہے بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ غصہ اور حسد پیدا ہوتا ہے کسی بڑی پریشانی کی وجہ سے اور پریشانی پیدا ہوتی ہے دلچسپی اور میلان طبیعت کے حصول میں ناکام رہنے سے۔ ایسی دلچسپی اور ایسی ناکامی اور پریشانی کا موقع مرد کو بیرونی تعلقات کے اندر ملتا ہے۔ بچہ کو کھیلنے اور کھلونے کی چیزوں میں اور عورت کو خانگی معاملات میں۔ اور پھر پریشانی پیدا ہونے کے بعد کینہ۔ غصہ اور حسد کا اظہار کرنے میں سب برابر ہیں اور جب تک پریشانی پیدا نہ ہو ان میں سے ہر فریق متحمل اور باحوصلہ ثابت ہوتا ہے۔ مرد بچوں کی بیماری اور نوکروں کی بے اعتدالی کے وقت متحمل رہتا ہے۔ بچہ قحط اور وبا کی خبر سنکر پروا نہیں کرتا۔ عورت تجارت میں خسارہ اور مقدمہ میں ناکامی کی خبر سنکر مرد کو مغموم اور افسردہ دیکھتی ہے تو پورے صبر و استقلال سے ایک ناصح مشفق کا فرض بجالاتی ہے اور کہتی ہے کہ "فکر میں اپنی جان کو روگ نہ لگاؤ۔ تم بچوں کے سر پر سلامت رہو ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے" رنج اور غصہ پیدا ہونے کے بعد بچہ رونے کے سوا کچھ نہیں کرسکتا۔ عورت چیخنے چلانے کے علاوہ جوڑ توڑ بھی کرتی ہے اور بعض اوقات بڑے خوفناک کام

کر بیٹھتی ہے۔ مرد کے غصہ اور رنج کے نتائج اس سے بھی زیادہ خوفناک ہیں اور جو فتنے اور فساد مرد برپا کرتا ہے۔ عورت میں اُسکا حوصلہ کہاں۔ استثنا ہر کام میں ہوتا ہے۔ عورتوں میں اگر لیڈی میکبتھ جیسی خوفناک عورت مشہور ہے تو مردوں میں ایسی شہرت رکھنے والے ہزاروں ہیں۔ ہم ہمیشہ توقع رکھتے ہیں کہ عورت شفقت آمیز اور فرمانبردار ہو اس لئے کسی قسم کے جوش میں جب اُسے جرأت کا اظہار کرتے دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اُس کے ولولے زبردست ہیں مگر اسی قسم کے جوش اور ولولے کے اندر مرد کی جو حالت ہوتی ہے۔ اس سے مقابلہ کیا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کام میں عورت کو مرد سے کیا نسبت"؟

انتظار کی قوت

یہ صحیح ہے کہ عورت انتقام لینے کے لئے بڑے عرصہ تک انتظار کر سکتی ہے اور دیر تک اپنی حاسدانہ خواہش کو پورا کرنے کے درپے رہتی ہے مگر یہ قابلیت اس میں اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ اس کے زیست کے تمام حالات نے اُسے صبر و انتظار کا عادی بنا دیا ہے۔ اس کی زندگی تمامتر دردناک اور تاسف انگیز حالات سے معمور ہے اور اس پر اضافہ یہ ہوا ہے کہ وہ اولاد کی پرورش میں رنج و تکلیف اور مصائب اُٹھانے کے علاوہ زمانۂ دراز سے محکومی کی حالت میں رہتی آئی ہے اور ہمیشہ سے مرد کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو گھر کے تمام کاروبار میں اپنی خواہش کو دبا کر صبر کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی ہے اور اس کی جو خواہش جبراً دبائی گئی ہو اس میں اس کو اگر کامیابی کی صورت نظر آئی ہے تو اسی طرح کہ اس کو کبھی منت سے اور کبھی زور سے اور کبھی کسی حیلہ بہانے سے بار بار اپنے مدعا کے لئے کوشش کرنی پڑی ہے اور دیر تک انتظار کرتی رہی ہے۔ ان حالات کے اندر رہ کر وہ جس طرح اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ بچہ کی منتظر رہتی ہے۔ تنگ حالی میں ہمیشہ خوشحالی کی امید رکھتی ہے اسیطرح کسی وقت انتقام لینے کی خواہش ہو تو اس کو بھی اسی صبر و استقلال کی بدولت دیر تک قائم رکھ سکتی ہے۔ انتقام کا انتظار کرنے سے اس کے مزاج کی سختی کیونکر ثابت ہوتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آوارہ اور بدمعاش شوہر کے لئے ہدایت اور اصلاح کی امید رکھنے اور اس کے لئے دعائیں مانگنے میں بھی وہ تمام عمر صرف کر دیتی ہے اور امید کی رسی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتی۔ سوکن کی

تکلیفوں سے نجات پانے اور گم شدہ بچّہ کے واپس آنے کی بھی وہ عمر بھر منتظر رہتی ہے۔ ان سب واقعات کو پیش نظر رکھکر نتیجہ تک پہنچنا چاہیں تو ماننا پڑیگا کہ شفقت آمیز ولولے عورت میں زیادہ زبردست ہیں اور شدت آمیز ولولے ایسے زبردست نہیں ہیں"۔

یہاں تک ہمارے دوست کا فاضلانہ مضمون ہے جس میں کسی اضافہ اور ترمیم کی گنجائش نہیں اور زن و مرد کے ان تمام اختلافی حالات کو جو روشنی میں لائے گئے ہیں اگر تسلیم کر لیا جائے تو اسلامی ہدایات میں جو عورت اور مرد کی نسبت دیگئی ہیں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ اب ہم احکام شریعت کو دیکھتے ہیں ٭

باب ششم

تعلقات زناشوئی

عورت اور مرد کی مشارکت

قدرت نے بچوں کی غور و پرداخت شوہر کی ہمدردی اور خانگی معاملات کے تمام فرائض عورت کے سپرد کئے ہیں باقی تمام بار امانت مرد کے سر پر رکھا ہے اور دنیا کے تمام کاروبار اسکے سپرد کئے ہیں جو بیوی اور بچوں کی نگرانی سے شروع ہو کر اور حصول معاش کے رستہ پر چلکر ملک کی خدمت قوم کی خدمت نوع انسانی کی خدمت بلکہ تمام مخلوق کی خدمت تک پہنچتے ہیں اور اپنے گرد و پیش نیک حالات اور مفید اشیا کو مہیا کرنا اور انہیں ترقی دینا بد حالات اور مضر عناصر کو روکنا اور نابود کرنا سب کچھ مرد کے فرائض میں داخل ہے۔ عورت اگر ان فرائض کی بجا آوری میں شریک ہو اور مردوں کے دوش بدوش بیرونی کاروبار میں حصہ لے تو اچھی تربیت پا کر وہ ہر قسم کے کاروبار کو پورا کرنے کی قابلیت پیدا کر لیتی ہے اور مردوں کی بہترین معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ جس قدر بیرونی تعلقات میں منہمک ہوگی اسیقدر اپنے خانگی فرائض کو بجا لانے سے قاصر رہیگی اور بیرونی کاروبار کو بھی پوری تندہی اور انہماک سے بجا نہ لائیگی کیونکہ

حمل۔ وضع حمل اور شیر خوانی کی ضرورتیں بڑے بڑے عرصہ تک اسے کاروبار سے علیحدہ رہنے پر مجبور رکھینگی اور اگر عورت مجرد رہکر کوئی پیشہ اختیار کریگی تو جس کام کے لئے بنائی گئی ہے اس سے معزول رہیگی اور چونکہ اپنی ذاتی ضرورتوں کا اہتمام بھی اسکو کرنا پڑیگا اس لئے اپنے پیشہ میں اس مرد کے برابر کامیاب نہ ہوگی جو ہمہ تن کاروبار میں مصروف رہتا ہے اور اپنے اہل خانہ کی وجہ سے خانگی ضرورتوں کے سرانجام سے بے فکر ہے پس مردوں کی بجائے مردانہ کاروبار میں عورت پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ پورے انہماک سے زنانہ فرائض اور خانگی معاملات کو انجام دے سکیگی نہ مردانہ فرائض کو اس دوام و استقلال سے ادا کریگی جو مرد کا حصہ ہے۔ اس کی بجائے اگر عورت کو اچھی تعلیم اور تربیت کے بعد اس کے اپنے فرائض کی جانب متوجہ کیا جائے اور وہ کسی مرد کی شریک زندگی ہوکر اس کو خانگی تفکرات سے سبکدوش کردے اور بقائے نسل کے تمام مراحل کو اپنے سلیقہ اور قابلیت سے طے کرتی ہے تو دو دو کام خوبصورتی سے انجام پائینگے اور مرد عورت گاڑی کے دو پہیئے ہونگے جو سفر زیست کی تمام صعوبتوں پر غالب آکر منزل مقصود تک پہنچینگے ٭

مشارکت کی خوبصورتی

مگر اس اجتماع کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت کی دلچسپیاں محض خانگی کاروبار تک محدود رہینگی اور بیرونی تجربوں سے مستفید نہوگی اور ہرچند صحت و قابلیت میں زن و شوہر برابر ہوں یا عورت تفوق رکھتی ہو تو بھی جسمانی قوت مردانہ فطرت کا حصہ ہے اور جو دماغی پختگی بیرونی دنیا کے تجربوں سے میسر آتی ہے اس میں مرد عورت پر فائق رہیگا۔ اور باوجود اس فطری اور بیرونی کسبی اختلاف کے ضرورت اس امر کی ہوگی کہ ان میں پورا اتحاد رہے اور انکا باہمی سلوک ایسا ہو کہ مرد کیسا ہی محنت سے چور اور تفکرات سے افسردہ ہوکر باہر سے آئے گھر کی فضا اس کو بہشت معلوم ہو اور اس کی گھبرائی ہوئی آنکھیں بیوی کی شربتیں آنکھوں سے دوچار ہوں تو فوراً ماتھے کا شکن دور ہوجائے اور ادھر بچوں کے شور و غل اور خانگی دھندوں کے بارے عورت کیسی پریشان ہو اس کے لئے شوہر کی آمد باد بہاری کی آمد ہو اور اس کا متبسم چہرہ بیوی کے غنچہ دل کو شگفتہ کردے۔ اور جس قدر وقت زن و شوہر کا باہم گذرے کاروبار کی کوفت اور افکار کی افسردگی کو دور کرنے میں ایک دوائے

مفرح کا کام دے اور دونو تازہ دم اور نئے ولولے اور جوش سے معمور ہو کر پھر اپنا اپنا رستہ اختیار کریں

نباہ کی شکل

اس کے لئے قاعدہ یہ ہونا چاہیئے کہ جس بات کا ذکر ہو جس موضوع پر بحث ہو جس کام میں مشورہ ہو دونو اپنا خیال آزادی کے ساتھ ظاہر کریں اتفاق رائے نہ ہو سکے تو مرد کے وسیع تجربوں سے فائدہ اُٹھائیں اور اُس کی رائے کو ترجیح دیں وہ سرمایہ دار ہونگے تو بینک سے لین دین کرنے کسی کمپنی کے حصے خریدنے کسی تجارت پر روپیہ لگانے یا جائداد پیدا کرنے اور مکان بنانے کا مشورہ ہو گا صاحب اولاد ہونگے اور مہذب ہونگے تو بچوں کی تعلیم و تربیت کا ذکر آئیگا ہندوستانی وضع رکھتے ہونگے تو اولاد کے رشتہ ناطہ میں غور ہو گا مفلس ہونگے تو ایک کے یا دونو کے کسی طرح کی محنت مزدوری کرنیکا یا کوئی ہنر سیکھنے کا ذکر ہو گا۔ کوئی بیمار ہو گا تو علاج اور دوا کی فکر ہو گی۔ کوئی ضرورت ہو گی تو خرید و فروخت کا خیال ہو گا۔ کسی بچے کی شوخی کا ذکر ہو گا کسی نوکر کی خیانت کا ذکر ہو گا۔ ان سب امور میں فیصلہ کا مدار محض تجربہ پر ہے اور ان تمام حالات میں لوگ جو کچھ کرتے ہیں اور جس قسم کے نتائج تک پہنچتے ہیں اُنکا علم جس قدر زیادہ ہو گا اسی قدر رائے قائم کرنے میں سہولت ہو گی ٭

عورت کا تجربہ اور اسکا نقص

تجربے عورتیں بھی حاصل کرتی ہیں بالخصوص مہذب عورتیں اپنی اپنی سوسائٹی رکھتی ہیں۔ احباب کا حلقہ رکھتی ہیں۔ کلب اور پارٹیوں میں شریک ہوتی رہتی ہیں مگر وہ سب دل بہلانے اور وقت گذارنے کے جلسے ہوتے ہیں اور جس بات کا ذکر ہوتا ہے اور جس حال کو معلوم کیا جاتا ہے اس میں اُنہیں دلچسپی نہیں ہوتی اور نظر غائر سے دیکھنے کی عادت نہیں پڑتی۔ اس کے برخلاف مرد بہت سے معاملات کو اپنے پیشہ کی ضرورت سے دلچسپی کے ساتھ دیکھتا اور غور سے نظر کرتا ہے۔ بہت سے واقعات میں اس کے مختلف دوستوں اور ملنے والوں کو اپنی اپنی ضرورتوں کی وجہ سے غور کرنے کا موقع پیش آتا ہے وہ اس سے مشورہ لیتے اور مدد کے لئے اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں بطور گواہ اور فریق مقدمہ کے شریک ہونا اور غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔ ان سب صورتوں میں جو تجربے مرد کو حاصل ہوتے ہیں عورت کیسی باسلیقہ اور قابل ہو سہیلیوں اور دوستوں کی محفل میں دل بہلانے کے لئے شریک ہو کر اس کی برابری نہیں کر سکتی ٭

مصارف کا اندازہ

دوسری بات اور بڑی بات یہ ہے کہ عورت کسی کام میں غور کرتے وقت اکثر و بیشتر اپنے جذبات کو مدنظر رکھتی ہے اور جو خواہش اس کے اپنے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا سر انجام دشوار ہو جب بھی اپنے لئے بچوں کے لئے اور شوہر کے لئے اسی پر اصرار کرتی ہے اور جیسا کہ ایک فرنگستانی جنٹلمین کے گذشتہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے اس کی اس عادت میں تہذیب اور قابلیت نے کوئی تفاوت پیدا نہیں کیا پس یہ دیکھنا مرد کا کام ہے کہ جو تجویز درپیش ہے اس کی ضرورت کس قدر ہے اس کے حصول میں زحمت کس قدر ہوگی۔ اس پر صرف کیا آئیگا اور اس کے لئے سرمایہ کا اہتمام کیونکر ہوگا اور حقیقت میں امیر اور غریب سب کے لئے اپنی حیثیت کے موافق سرمایہ کا سوال ہے جو خانہ داری کی بہت سی تجاویز کو باوجود مفید اور ضروری ہونے کے نامناسب اور غلط قرار دینے پر مجبور کرتا ہے اور شوہر دار عورت کو چونکہ اس سوال سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا وہ سرمایہ کی دشواریوں کو نظرانداز کر دیتی ہے تجربہ کاری کے علاوہ یہ دوسری وجہ ہے۔ جو ثابت کرتی ہے کہ امور خانہ داری میں اختلاف کے وقت غالب رائے کی مدد ہونی چاہیئے۔

صرف کا بار اور مصرف کا انتخاب

استثنا ہر قاعدے میں ہوتا ہے۔ بعض گھروں میں عورت دانا ہوتی ہے اور مرد بسادہ لوح۔ اس صورت میں عورت کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اور اپنی کوتاہی کا معترف ہو کر عورت کی رائے کو وقعت دینی چاہیئے اور اخلاقی قانون میں عدالتی قانون کی نسبت لچک زیادہ ہونی چاہیئے جس سے ایک شکل کی بجائے دوسری شکل پر عمل کرنے کی گنجائش پیدا ہو لیکن پھر بھی ان تمام حالات کو مدنظر رکھنے اور ایک دوسرے کی رائے پر اعتماد کرنے کے باوجود بعض حالات میں اختلاف کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ اس صورت خاص میں اگر مرد اپنی دانا بیوی کی رائے میں غور کرنے کے باوجود کسی تجویز کو غلط یا نامناسب سمجھتا ہے تو عام قاعدہ کی رو سے وہ ترجیح کا مستحق اس لئے بھی ہے کہ صرف کا بار اسی کے سر پر ہے اور جس چیز

کے اہتمام میں وہ دشواری سمجھتا ہے اس پر اسے بیوی کے اصرار سے مجبور نہ ہونا چاہیئے* اور جس کی جیب خالی ہوتی ہے اُسے خرچ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ملنا چاہیئے +

قرآنی فیصلہ

یہ عقل کا فیصلہ ہے اور یہی ملت حنفہ کا فرمان ہے اس نے مرد کی نہ جیہی حیثیت اور مصارف کی ذمہ واری کو تسلیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ نیک بی بیاں استحقاق شوہر کا خیال رکھتی ہیں اور اس کی غیبت میں بھی حقوق زوجیت میں خیانت نہیں کرتیں اور خدا کا شکر کرتی ہیں کہ اُس نے اُن کا ایک نگہبان پیدا کر دیا ہے ارشاد ہے :-

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا
فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ
اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ
قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ
اللّٰهُ ط (نساء پارہ ۵ ع ۳) +

مرد بالا تر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ خدا نے اپنی مخلوق میں ایک کو دوسرے سے بہتر بنایا ہے اور اس لئے کہ مردوں نے اپنا مال صرف کیا ہے پس نیک عورتیں ماننے والی ہیں پیٹھ پیچھے حفاظت کرنیوالی ہیں کیونکہ خدا نے انکی حفاظت کا سامان کر دیا ہے۔

ایک اور مقام پر عورت پر مرد کے اور مرد پر عورت کے حقوق کا ذکر آیا ہے تو مرد کے تفوق کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ ارشاد ہے :-

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ
پارہ ۲ ع ۲۸)

عورتوں کا حق بھی اسی قدر ہے جس قدر مرد کی نسبت ان پر ذمہ داری ہے اور مردوں کو ان پر ایک طرح کی فوقیت ہے +

خانگی انتظام اور عورت کی فطری کمزوری

دوسرا تفاوت جو مرد اور خانہ دار عورت کی طبیعت میں نظر آتا ہے اور جس کا تجربہ اہل مغرب و مشرق دونوں رکھتے ہیں یہ ہے کہ نوکر کام میں سستی یا خیانت کریں۔ بچے کھیلتے ہوئے چوٹ کھائیں۔ گھر والے اپنے سلوک میں لوازم احترام و شفقت کا خیال نہ رکھیں یا رشتہ دار ملنے والے

---

* یہ سب کچھ امور خانہ داری کے معمولی اختلافوں کا حکم ہے۔ ایسے اختلافات جو غصہ پیدا کریں اور ایک کو دوسرے سے نفور کریں انکا ذکر آگے آئیگا +

لین دین اور آمد و رفت میں مراسم مروجہ کا لحاظ نہ کریں تو غصہ آتا ہے جو عورت کو سخت برافروختہ کر دیتا ہے اور جس قدر مرد کو اپنی جان مال یا ننگ و ناموس کے متعلق کسی کے سنگین جرم کا نشانہ بنکر رنج ہوتا ہے عورت امور خانہ داری میں قباحت پیدا ہونے سے اسی قدر رنجیدگی محسوس کرتی ہے ہم لوگ اپنے ملک میں روزانہ ایسے مناظر دیکھتے ہیں اور جو لوگ ممالک یورپ کا تجربہ رکھتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ وہاں مرد ایسے بہت پائے جاتے ہیں جن کے پاس کوئی نوکر ہے اور تمام عمر ساتھ رہا ہے مگر جن نوکروں کا تعلق عورتوں سے ہوتا ہے وہ ہمیشہ پیہم بدلتے رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ مرد کی توجہ زیادہ اہم واقعات کی طرف رہتی ہے اور جو کوتاہیاں نوکروں سے سرزد ہوتی ہیں اُس کی نظر میں وزن نہیں رکھتیں مگر گھر کی چھوٹی سی دنیا پر حکومت کرنے والی کو اسی میں غصہ آ جاتا ہے کہ گھی داغ کرتے ہوئے نوکر نے پیاز کیوں جلایا اور بازار سے سودا لانے میں دیر کیوں کی۔ ایسے ایسے حالات میں عورت کا چہرہ تمتمایا ہوا۔ نتھنے پھولے ہوئے اور آواز بھرائی ہوئی دیکھکر مرد کو نفرت ہوتی ہے ساس نندوں کے جھگڑے اور برادری والوں کے گلے شکوے سنکر مرد بیزار ہوتا ہے۔ مگر تجربوں کی دنیا میں رہنے والا اور اپنے فہم و فراست پر فخر کرنے والا جذبات کے عالم میں سپر اندازی کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ منطق کے تمام قاعدے عمل میں لاتا اور فلسفہ کا تمام زور صرف کرتا ہے مگر غصہ میں بھری ہوئی عورت کو نہیں سمجھا سکتا کہ بچہ نے ہمجولی سے مار کھائی ہے تو اسے مارا بھی ہے اس ہمسائی سے جنگ کرنی مناسب نہیں اور وقت پر کھانا تیار نہیں ہوا تو نوکر کی غلطی ہے اس کو شرارت پر محمول کرنا اپنی غلطی ہوگی اور دونو کا جرم برابر ہو جائیگا ہم بعض رذیل طبع اور کمینہ مردوں کو بھی دیکھتے ہیں جو کھانے میں نمک زیادہ ہو تو عورت پر غضب ڈھاتے ہیں اور کھانے کی قاب توڑ پھینکتے ہیں یا اُنکے کسی حکم کی تعمیل میں دیر ہو جائے تو گالی گلوچ اور مار پیٹ سے نہیں شرماتے۔ ایسے مرد بھی نامرد ہیں شرافت سے عاری ہیں اور زنانہ طبیعت رکھنے کی وجہ سے جذبات پر قابو نہیں پاتے۔ عورت کو ایسے مردوں کے ساتھ سابقہ پڑتا ہے تو صبر کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ مرد کو بھی عورت کی ایسی کمزوریوں سے درگذر کرنے کے سوا باہمی اتحاد کی کوئی صورت نہیں۔ تجربے

پر مدار رہا اور صرف کا سوال ہو تو مرد کی رائے کو ترجیح ہے۔ جذبات کا معاملہ ہو تو عورت کی حرکات پر صبر کرنا پڑیگا اور خیال کرنا ہوگا کہ اگر عورت میں یہ کمزوری ہے تو رات دن چکی چولھے کی اُلجھنوں میں گرفتار رہنے کی صلاحیت بھی اسی میں ہے۔ بچوں کو پالنے کی دشواریاں وہی برداشت کر سکتی ہے۔ شوہر کی راحت و آرام کا خیال وہی رکھ سکتی ہے اور گھر کے تمام کاروبار کو جس خوبصورتی سے وہ سرانجام دیتی ہے مرد تمام دنیا کا انتظام کرنے کے باوجود اس بارۂ خاص میں اس کی برابری نہیں کر سکتا اور جو لوگ مجرد زندگی بسر کرتے ہیں وہ خانہ دار مرد کے برابر خوش نہیں رہ سکتے۔ عورت اپنے سب کام محبت سے کرتی ہے اور ان میں خوش رہتی ہے۔ خانگی معاملات میں کسی وقت اعتدال کو چھوڑتی ہے تو اس فعل کے دوسرے نتیجہ یعنے کفایت شعاری سے مرد کو فائدہ بھی پہنچاتی ہے۔ نسوانی فطرت کے روشن اور تاریک دونو پہلو دیکھے جائیں تو شکر کا موقع زیادہ ہے اور شکایت کا کم۔

کشمکش اور سہل گیری

مرد اس توازن کا خیال نہ رکھے اور عورت کے اختلاف طبیعت سے گھبرائے تو اختلاف سے مخالفت اور مخالفت سے مفارقت کا نتیجہ پیدا ہوگا اور کوئی سے دو زن و مرد یکجا نہ رہ سکینگے۔ بالعموم ایسے موقعوں پر جھگڑے ہوتے ہیں سخت سست کہا جاتا ہے دنگہ فساد برپا ہوتا ہے۔ مرد گھر میں آنا چھوڑتے ہیں بیویاں گھروں سے نکالی جاتی ہیں مگر ؎ آنچہ دانا کند کند ناداں۔ لیک بعد از ہزار رسوائی۔ آخر وہی کرنا پڑتا ہے جو عقل کا تقاضا ہے اور یوں ہی نباہ ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد مرد کی رائے مانی جاتی ہے اور خانگی معاملات عورت پر چھوڑنے پڑتے ہیں۔ اور جو مرد عورت کے جذبات کو زور سے دباتے ہیں اور اس کو ہر معاملہ میں اپنے حکم کے نیچے رکھتے ہیں وہ زن و شوہر کا جوڑا نہیں ہوتے۔ ایک ظالم صیاد ہوتا ہے دوسرا محبوس قفس پرندہ یعنے دونو محبت اور اس کی لذت و راحت سے محروم رہتے ہیں۔ اس نشیب و فراز کو پہلے سے سمجھ لیا جائے اور سفر زیست میں جو دشواریاں پیش آنے کو ہیں ان میں غور کر لیا جائے تو ہر موقع کے مناسب حال ارادہ پہلے سے قائم کر سکتے ہیں اور دشواری دشواری نہیں رہتی۔ مرد آخر میں مبارک بندہ ایست

حکم خداوندی

یہی راہِ سلامت ہے اور یہی حکم خداوندی۔ قرآن کریم میں عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی کسی عادت کو ناپسند کرو تو سمجھ رکھو کہ ممکن ہے اسی میں خدا کئی طرح کی بہتری پیدا کر دے۔ ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ	عورتوں سے نیک برتاؤ کرو۔ اگر تم ان کی کسی ادا کو
كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا	ناپسند کرو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور
وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء پارہ ۴ ع ۳)	خدا اس میں بہت بہتری پیدا کر دے +

دربار رسالت کے فرامین بھی یہی تاکید کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ	مسلمان مرد عورت سے نفرت نہ کرے اگر اسکی ایک عادت کو
مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (صحیح مسلم)	ناپسند کرتا ہوگا تو اسکی کسی اور عادت کو پسند بھی کرتا ہوگا +
خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ	تم سب سے اچھا وہ ہے جو گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور
لِأَهْلِي (ترمذی)	میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر سلوک کرتا ہوں۔
أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا	سب سے زیادہ کمل اسلام اسکا ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق
وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (ترمذی بروایت ابی ہریرہؓ)	ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو عورتوں کے لئے بہتر ہو۔
أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا	سب سے زیادہ کمل ایمان اس کا ہے جو سب سے زیادہ خوش
وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ (ترمذی بروایت عائشہؓ)	خلق ہو اور گھر والوں پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔

مشورہ کی ضرورت

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مرد کی مردانہ اور عورت کی زنانہ فطرت سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے اور باوجود اس کے جو ضرورت ان کو ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتی ہے دونو کو دیکھتے ہوئے تجربہ سے اور نیز احکام مذہب سے یہی طرز عمل صحیح ثابت ہوتا ہے کہ خانگی کاروبار عورت کو سپرد ہوں بیرونی تعلقات پر مرد متصرف رہے اور باوجود اختلاف رائے کے دونو اپنے اپنے دائرہ میں آزاد ہوں اور ہر ایک کے دل میں دوسرے کے طرز عمل سے جو ناپسندیدگی پیدا ہو اس پر صبر کریں البتہ ایکدوسرے کو مشورہ دینے اور ایک دوسرے کے مشورہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے دونو آمادہ رہیں کیونکہ عقل مشورہ کے فوائد سے منکر نہیں۔ مذہب ہمیشہ مشورہ پر کاربند ہونے کا حکم دیتا ہے۔

اور منجملہ دیگر خصوصیتوں کے مشورہ کو مسلمانوں کا خاصہ تصور کرتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ط وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ط وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ط وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ شورٰے پارہ ۲۵ ع ۴)

جو نعمت خدا کے پاس ہے وہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ پائدار ہے اور انکا حصہ ہے جو ایمان لاتے ہیں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بڑے گناہونسے اور بیحیائی کے کامونسے پرہیز کرتے ہیں اور جب انکو غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو خدا کا حکم قبول کرتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں اور انکے کام باہم مشورہ سے انجام پاتے ہیں اور جو ہمنے دیا ہے خدا کے راہ میں خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی ظلم کرے تو بدلہ لیتے ہیں۔ نقصان کا بدلہ اسی قدر نقصان ہے اور جو شخص معاف کردے اور اپنے اور ظالم کے مابین صلح پیدا کرلے اس کا ثواب خدا دیگا۔ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

فطری اختلاف پہ اضافہ

مگر یہ سبیل کار اسی اختلاف کا علاج ہے جو مرد اور عورت کی فطرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس اختلاف کے ساتھ اگر عادت اور رواج کی وجہ سے کسی قسم کا اور اختلاف بھی مرد اور عورت کے مابین حائل ہو جائے تو جب تک وہ اختلاف قائم رہے اتحاد کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی اور ایسے دو زن و مرد شادی کریں تو خوشی سے بسر نہیں کر سکتے ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ سوسائٹی اور اعلیٰ سوسائٹی کے دو فرد جذبات کے جوش میں آکر زناشوئی کا تعلق پیدا کرلیں تو جب تک رذیل اپنی تمام عادات و اطوار کو شریف کے سانچے میں نہ ڈھالے یا جب تک شریف اپنے تمام طور و طریق میں رذیل اور کمینہ نہ بنجائے دونوں میں اتحاد قائم نہیں رہ سکتا اور دونو ایک طرح کی عادت اختیار کرلیں جب بھی یہ قباحت باقی رہتی ہے کہ ان میں سے جو فرد اپنے قومی اطوار کو چھوڑکر اپنے ساتھی کی چال ڈھال اختیار کرتا ہے وہ اپنی برادری سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ زن و شوہر میں اتحاد اور دونوں کو اپنی اپنی برادری سے تعلق اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ دونو پہلے سے شرافت اور رذالت میں ایک درجہ رکھتے ہوں ہندوستان میں خاکروب اور چمار اور کئی اور قومیں رذیل سمجھی جاتی ہیں اور ذلیل پیشہ رکھنے کی وجہ سے

پست خیالات اور کمینہ اطوار کی خوگیر ہوگئی ہیں۔ ان کی کسی عورت سے بعض اوقات کسی شریف قوم کا مرد تعلق پیدا کرلیتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ یا رذیل عورت اپنے تمام رنگ ڈھنگ اور بول چال میں شرفا کی نقل کرنے لگتی ہے اور اپنی برادری سے کوئی تعلق نہیں رکھتی یا شریف مرد عورت کے رنگ سے رنگین ہو کر اپنے خویشوں سے بے تعلق ہو جاتا ہے تو اتحاد قائم رہتا ہے ورنہ چند روز کے بعد جذبات کے جوش میں کمی آتی ہے تو ازدواجی تعلق ختم ہو جاتا ہے +

یورپ اور ہندوستان

اس زمانے میں اکثر ہندوستانی مرد یورپ میں جاتے ہیں اور کوئی عورت ساتھ لے آتے ہیں۔ ان کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ یورپین اور ہندوستانی سوسائٹی میں بہت تفاوت ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ مرد پورا فرنگی بنکر اپنے بھائی بندوں سے علیحدہ ہو جاتا ہے مگر کبھی کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ فرنگی عورت محبت سے بے اختیار یا کسی زبردست مرد کی حکومت سے مجبور ہو کر پوری ہندوستانی بنجاتی ہے اور اپنے ہاتھ سے ہندوستانی وضع کا کھانا پکانا اور سینا پرونا کرنے لگتی ہے۔ اس صورت میں وہ اپنی سوسائٹی سے منہ چھپاتی ہے یہ بھی کوئی خوبصورتی نہیں کہ ایک سے رشتہ جوڑ کر آدھی دنیا سے بے تعلق ہو جائیں۔ مزا اسی میں ہے کہ زن و شوہر میں بھی اتحاد ہو اور جن لوگوں کے اندر دونوں نے پرورش پائی ہے۔ ان سے بھی پہلا سا میل جول اور رنج و راحت میں شرکت رہے۔ عزت کے معنے یہی ہیں کہ آدمی کی اپنی سوسائٹی اسے قابل فخر سمجھے۔ یہ انکے کام آئے وہ اس پر قربان ہوں۔ اگر اپنوں کی طرف سے مر گیا اور غیروں میں زندہ رہا تو جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا +

بین الاقوامی ازدواج

پس ایسا ازدواج جو طرفین کو بامراد اور سرخرو رکھے اسی صورت میں ممکن ہے کہ زن و شوہر دونوں حیثیت میں قومیت میں پیشہ میں عادات اطوار اور خیالات میں ہر طرح برابر ہوں ورنہ یورپ اور ہندوستان کا فرق ایک طرف ایک قوم کے اندر ایک خاندان کا پیشہ تجارت ہو اور دوسرے کا کاشتکاری تو تاجر کی لڑکی کاشتکار کے گھر میں جا کر خوش نہیں رہ سکتی اور کاشتکاری میں کام نہیں دے سکتی۔ ایک صنعت کو جاننے والی عورت دوسرے حرفہ میں شوہر کی مددگار نہیں ہو سکتی۔ پردہ نشین اور بے پردہ خاندان کا رشتہ ہو تو اس میں بھی قباحت پیدا ہوتی ہے ان کے علاوہ اور قسم کے اختلاف ہوں تو قباحتیں

زیادہ سنگین ہو جاتی ہیں۔ ایک فضول خرچ ہے۔ دوسرا کفایت شعار ہے۔ ایک سلیقہ مند ہے۔ دوسرا بے تمیز ہے۔ ایک باوہ گو ہے دوسرا کم سخن ہے۔ ایک جھگڑالو ہے دوسرا ملنسار ہے۔ ایک تکلف کی عادت رکھتا ہے۔ دوسرا سادگی پسند ہے۔ یورپین زن و مرد سیاسی عقائد میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک لبرل ہے دوسرا کنزرویٹو۔ ایشیائی زن و مرد میں مذہب کا اختلاف ہے ایک ہندو ہے دوسرا مسلمان ہے ان سب حالات میں اختلاف سے مخالفت پیدا ہوتی ہے اور اتحاد نہیں رہتا۔ مہذب دنیا نے انٹرنیشنل میرج (ازدواج بین الاقوام) کو جائز سمجھا ہوا ہے۔ ہندوستان میں بھی غالباً یہ قانون پاس ہو چکا ہے مگر قانون کو کاغذ پر لکھ لینے سے حقیقت نہیں بدلتی بیشک بین الاقوامی ازدواج ہوتے ہیں اور کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر اسی صورت میں کہ دونوں میں سے ایک فرد اپنا خیال اپنی عادت اپنا رسم و رواج سب کچھ دوسرے پر قربان کر دیتا ہے اور اپنوں کو چھوڑ کر دوسرے کے اندر مدغم ہو جاتا ہے عیسائی عورت اور ہندو شوہر یا ہندو عورت اور مسلمان شوہر اگر اتحاد رکھتے ہیں تو اسی لئے کہ وہ صرف نام کے عیسائی ہندو یا ہندو یا مسلمان ہوتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں انکا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ صرف مرد اور عورت ہوتے ہیں اور یکساں جذبات رکھتے ہیں۔ انکو مرد و عورت بھی نہ کہنا چاہئے ایک خواہش کی زنجیر میں بندھے ہوئے نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ ان کو عمل جراحی سے چیر کے دیکھ لو۔ کیمیائی امتحان سے تحلیل کر کے دیکھ لو۔ اس سے زیادہ ان کی فطرت میں اور کوئی عنصر نہ پاؤ گے۔ ورنہ اگر دونو کے اندر انسانیت ہو۔ اپنے مذہب سے محبت ہو اپنی قوم سے محبت ہو اپنے وطن سے محبت ہو اپنی زبان سے محبت ہو۔ اپنے قومی اطوار سے محبت ہو اور جس سے محبت ہو اس کی بہتری چاہتے ہوں۔ اس کی ترقی چاہتے ہوں تو دونو کی اغراض متناقض ہونگی۔ دونو ایک دوسرے کے رقیب ہونگے۔ ہر ایک کا فعل دوسرے کی غرض کو پامال کریگا اور ہر وقت دونو کے مابین اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی رہیگی۔ پھر اتحاد پیدا ہو تو کیونکر اور نباہ کی شکل ہو تو کیا۔

توحید و شرک کا اختلاف

مسلمان کے اندر اپنے مذہب کی محبت دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ ہونی چاہئے اور شرک و بدقماشی سے نفرت کرنے میں وہ سب پر فائق ہونا چاہئے۔ اس لئے جو ہدایت مسلمانوں کو دی گئی ہے اس میں ان کے اس خاصہ کا بطور ایک

امر واقعہ کے ذکر ہوا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ زنا اور شرک کا ارتکاب کرنے والے اپنے جیسی عورتوں سے شادی کرتے ہیں اور ایسی عورتیں ایسے ہی مردوں کو پسند کرتی ہیں سچے مسلمان کے لئے یہ فعل حرام ہے۔ ارشاد ہے:۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً	زناکار مرد صرف زناکار یا مشرک عورت سے شادی کرتا ہے
وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ	اور زناکار عورت کو زناکار یا مشرک مرد ہی ازدواج میں
وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ٥ (نور پارہ ۱۸ - ع ۸)	لاتا ہے۔ اور مسلمانوں پر یہ فعل حرام کیا گیا ہے۔

ایک اور موقع پر اس بارہ میں حکم ناطق نافذ ہوا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ ٥ وَلَاَمَۃٌ	مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح مت کرو جبتک کہ وہ ایمان
مُّؤْمِنَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکَۃٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْکُمْ	نہ لائیں اور ایماندار لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ
وَلَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا	تم کو مشرک عورت پسند ہو اور اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرک مردوں
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ	سے نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور مسلمان غلام مشرک
وَّلَوْ اَعْجَبَکُمْ (بقرہ پارہ ۲ - ع ۲۷)	سے بہتر ہے خواہ مشرک تمکو پسند ہو۔

عقائد کا اختلاف

مگر مسلمان کو دلی نفرت صرف مشرک سے ہے وہ اپنے گھر میں مشرکانہ مراسم کو جاری کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ شرک کو ترقی دینے کی سعی میں مددگار نہیں ہو سکتا اسلئے وہ مشرک عورت کو بطور بیوی کے گھر میں نہیں رکھ سکتا اس کے سوا مذاہب غیر کے دیگر عقائد کی نسبت اس کا فرض اسی قدر ہے کہ اپنے تئیں اُنسے پاک رکھے اور مذہبی گفتگو کرے تو ہدایت قرآنی کے مطابق دانائی اور خوش خلقی سے پیش آئے اور ایسا رویہ اختیار کرے کہ دشمن بھی ہو تو اُس کی ہمدردانہ گفتگو سنکر دوست بنجائے پس یہود و نصاریٰ چونکہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اُس کے سوا کسی ہستی کو ازلی اور قدیم نہیں مانتے اور بہت سے عقائد میں مسلمانوں سے متفق ہیں ایسے عقیدہ کی عورت سے مسلمان عقد کر سکتا ہے مگر عورت زنانہ کمزوری کی وجہ سے چونکہ دوسرے پر منحصر رہنے کی عادت رکھتی ہے اور شوہر کے ہرگونہ اثر سے متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لئے مسلمان عورت یہودی اور عیسائی مرد کی زوجیت میں نہیں آسکتی۔ ارشاد ہے:۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ وَ
طَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ
الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ
اُجُوْرَھُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ
وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ط (مائدہ پ۶ ع۱)

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئیں اور کھانا اُن لوگونکا جو اہل کتاب ہیں تمہارے لئے جائز ہے اور تمہارا کھانا انکے لئے جائز ہو اور پارسا عورتیں مسلمانوں میں سے اور پارسا عورتیں اہل کتاب میں سے تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ انکے مہر ادا کردو۔ اپنی عفت کا خیال رکھو۔ بدکاری کی نیت سے اور پوشیدہ آشنائی کی نیت سے اُن کے ساتھ تعلق پیدا نہ کرو۔

ہم کفو کی ضرورت

مگر چونکہ حیثیت۔ عادت اور خیالات میں پورے اتفاق کے بغیر زن و شوہر دونو کی زندگی لطف سے نہیں گذر سکتی اس لئے اگرچہ مختلف مسلمان اقوام کے مرد عورت کا باہم نکاح جائز ہے لیکن اپنے ہم کفو کے ساتھ رشتہ کرنے کو بہتر سمجھا گیا ہے۔ دربار رسالت کا فرمان ہے ؛

لَا تُنْکِحُوا النِّسَآءَ اِلَّا مِنَ الْاَکْفَآءِ (دارقطنی و بیہقی) مسلمان عورت کا نکاح مت کرو مگر ہم کفو سے۔ اور اس کی مصلحت پر یہاں تک زور دیا گیا ہے کہ اگر جوان عورت غیر کفو سے شادی کرلے اور اس کے سرپرست کو ناپسند ہو تو وہ حاکم سے ایسے نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے کفو کا فیصلہ کرنے کے لئے آزادی اور غلامی کا فرق دیکھا جاتا ہے۔ دینداری و بے دینی کا تفاوت دیکھا جاتا ہے۔ مالی حیثیت اور پیشہ کا امتیاز دیکھا جاتا ہے حتی کہ ظالم حکام کے نوکر کو شرافت میں آزاد پیشہ ور کے برابر نہیں سمجھا جاتا اور کوئی موقع نہیں دیا جاتا جس میں ایک فرد دوسرے کو کمینگی کا طعنہ دے سکے اور ذلیل سمجھ کر نفرت کرے۔ البتہ بخت و اتفاق کی دنیا الگ ہے کبھی دو دل محبت کی وجہ سے مجبور ہو جاتے ہیں کبھی اُن کی اخلاقی کمزوری کوئی گُل کھلا دیتی ہے کبھی سرپرست معاملہ کو طول دینا پسند نہیں کرتے کبھی کچھ مدت گذرنے کے بعد اطلاع ہوتی ہے اور افتراق کا موقع نہیں رہتا اور دوسری جانب دو مختلف حیثیت والونکا ازدواج اصول کے رو سے جائز ہے صرف آئندہ قباحتوں کا اندیشہ رکھتا ہے اس لئے ایسی صورتوں میں وہ دونو جائز زن و شوہر ہونگے اور ان کی اولاد

جائز تصور کی جائیگی اور کسی کو ان پر طعنہ زن ہونے کا حق نہ ہوگا۔

باب ہفتم

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کی بنیاد

مرد عورت کی فطرت نے جو تیسرا اختلاف پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرد فاعلی حیثیت رکھتا ہے اور عورت انفعالی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد اپنے جذبات کا علانیہ اظہار، عورت کا تعاقب اور اُس کی تلاش کرتا ہے۔ عورت اپنے جذبات کو مخفی رکھنے میں تسکین پاتی ہے اور تلاش و تعاقب سے اجتناب کرتی ہے۔ اصل فطرت دونوں کی یہ ہے مگر جب مرد عورت پر اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے تو عورت کو بھی جرأت ہوتی ہے اور وہ اپنی آمادگی کا اظہار کبھی خاموش اطاعت سے کرتی ہے کبھی شرم و حیا کو قائم رکھتے ہوئے مرد کی نسبت زیادہ مختصر طرز بیان میں زبانی اظہار بھی کر دیتی ہے۔ بالعموم عورت اس حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور خود تعاقب و تلاش اور علانیہ اظہار کا اقدام نہیں کرتی البتہ کسی عورت پر جذبات کا غلبہ معمول سے زیادہ ہو اور نیز اس کو ایسے مرد سے واسطہ پڑے جو اسکو بے حیائی کے لئے بار بار ترغیب دلائے تو خاص ایسے مرد کے سامنے وہ اظہار و بیان میں بیباک بھی ہو جاتی ہے اور اگر بدقسمتی سے اس کو ایسے کئی مردوں سے واسطہ پڑے تو وہ بے لگام ہو کر عصمت فروشی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ یہ پیشہ اختیار کرنے کے بعد بھی اگرچہ وہ ایک مرد پر قناعت کرنے کی حد سے باہر ہو جاتی ہے اور ہر شخص کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنا چاہتی ہے مگر پھر بھی اس کا انداز اظہار مرد سے تفاوت رکھتا ہے۔ وہ اکثر اپنی دلفریبیوں کو برسر کار لانے پر قناعت کرتی ہے اور زبانی اظہار پر کمتر آمادہ ہوتی ہے۔ البتہ دنیا کے بعض خطوں میں کچھ وحشی اقوام کا نشان ملتا ہے جن میں مرد عورت کی حیثیت اور عورت مرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ بیرونی کاروبار

عورت کرتی ہے اور خانگی ضروریات کو مرد انجام دیتا ہے اور عورت مرد کا انتخاب کرتی ہے اور کہیں کہیں ایسی جماعت میں ایک عورت کئی کئی شوہر رکھتی ہے مگر جس طرح وہ مرد کی شرارت ہو کہ بیہم ترغیب دے دیکر عورت کو عصمت فروشی تک پہنچا دیتا ہے اسیطرح ایسی ناکارہ اقوام کی گذشتہ تاریخ دیکھی جائے تو مردوں کی پست ہمتی ثابت ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے تئیں آرام کا خوگیر بنا کر مردانہ کاروبار کی دشواریوں کو عورتوں پر ڈالا اور عورتوں نے مردانہ کاروبار کے ساتھ مردانہ اختیارات پر قابو پا کر مردوں کو ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے ایسا رسم و رواج جہاں کہیں بھی ہے بہت مختصر جماعتوں کے اندر محدود ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد عام انسانی آبادی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور عصمت فروش عورتیں اگرچہ ہر ملک اور ہر قوم میں پائی جاتی ہیں کیونکہ ان کو بدی کی طرف لے جانے والے شیطان مرد بھی ہر جگہ موجود ہیں مگر ان کی تعداد بھی باحیا عورتوں کی نسبت ہر جگہ بہت کم ہے۔ اور جو نتیجہ مرد عورت کی تعداد کثیر کو دیکھنے سے نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ عورت کی فطرت میں کسی ایک مرد کی طرف بھی بغیر بلائے جانے کے خود اپنی خواہش سے پیش قدمی کرنیکا مادہ نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ مردوں کی طرف توجہ کرنے کا سوال ان کی طبیعت میں (جب تک اعتدال پر رہے) پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر مرد چونکہ اقدام کرنے والا بنایا گیا ہے اور اقدام کرنے کے بعد وہ کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام اور ناکامی کی حالت میں وہ ایک کے بعد دوسرا موقع تلاش کرتا ہے اس لئے اس کے دل میں نہ صرف ایک عورت بلکہ ایک وقت میں کئی کئی عورتوں کی طرف اقدام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور کامیاب ہوتا جائے تو وہ سبکو اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اور قدیم الایام سے وہ ایک سے زیادہ عورتوں پر تصرف رکھنے کا عادی ہے جنکی تعداد اکثر اوقات سینکڑوں تک پہنچتی رہی ہے ❊

تعدد ازدواج اور محبت کا فقدان

اس فعل کے شنیع اور قبیح ہونے میں کلام نہیں۔ کیونکہ وہ تمام جماعت یا کسی ایک کے سوا اور سب عورتیں بالعموم ظلم۔ دل شکنی اور حسرت کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور محبت جو زن و شوہر کی پیوستگی کا سب سے بڑا ذریعہ ایسی

جائز تصور کی جائیگی اور کسی کو ان پر طعنہ زن ہونے کا حق نہ ہوگا۔

باب ہفتم

تعدد ازدواج

تعدد ازدواج کی بنیاد

مرد عورت کی فطرت نے جو تیسرا اختلاف پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرد فاعلی حیثیت رکھتا ہے اور عورت انفعالی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد اپنے جذبات کا علانیہ اظہار، عورت کا تعاقب اور اس کی تلاش کرتا ہے۔ عورت اپنے جذبات کو مخفی رکھنے میں تسکین پاتی ہے اور تلاش و تعاقب سے اجتناب کرتی ہے۔ اصل فطرت دونو کی یہ ہے مگر جب مرد عورت پر اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے تو عورت کو بھی جرأت ہوتی ہے اور وہ اپنی آمادگی کا اظہار کبھی خاموش اطاعت سے کرتی ہے کبھی شرم و حیا کو قائم رکھتے ہوئے مرد کی نسبت زیادہ مختصر طرز بیان میں زبانی اظہار بھی کر دیتی ہے۔ بالعموم عورت اس حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ اور خود تعاقب و تلاش اور علانیہ اظہار کا اقدام نہیں کرتی۔ البتہ کسی عورت پر جذبات کا غلبہ معمول سے زیادہ ہو اور نیز اس کو ایسے مرد سے واسطہ پڑے جو اسکو بے حیائی کے لئے بار بار ترغیب دلائے تو خاص ایسے مرد کے سامنے وہ اظہار و بیان میں بیباک بھی ہو جاتی ہے اور اگر بدقسمتی سے اس کو ایسے کئی مردوں سے واسطہ پڑے تو وہ بے لگام ہو کر عصمت فروشی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ یہ پیشہ اختیار کرنے کے بعد بھی اگرچہ وہ ایک مرد پر قناعت کرنے کی حد سے باہر ہو جاتی ہے اور ہر شخص کو اپنے دام تزویر میں گرفتار کرنا چاہتی ہے مگر پھر بھی اس کا انداز اظہار مرد سے تفاوت رکھتا ہے۔ وہ اکثر اپنی دلفریبیوں کو بر سر کار لانے پر قناعت کرتی ہے اور زبانی اظہار پر کمتر آمادہ ہوتی ہے۔ البتہ دنیا کے بعض خطوں میں کچھ وحشی اقوام کا نشان ملتا ہے جن میں مرد عورت کی حیثیت اور عورت مرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ بیرونی کاروبار

عورت کرتی ہے اور خانگی ضروریات کو مرد انجام دیتا ہے اور عورت مرد کا انتخاب کرتی ہے اور کہیں کہیں ایسی جماعت میں ایک عورت کئی کئی شوہر رکھتی ہے مگر جس طرح وہ مرد کی شرارت ہو کہ پیہم ترغیب دے دیکر عورت کو عصمت فروشی تک پہنچا دیتا ہے اسیطرح ایسی ناکارہ اقوام کی گذشتہ تاریخ دیکھی جائے تو مردوں کی پست ہمتی ثابت ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے تئیں آرام کا خوگیر بناکر مردانہ کاروبار کی دشواریوں کو عورتوں پر ڈالا اور عورتوں نے مردانہ کاروبار کے ساتھ مردانہ اختیارات پر قابو پاکر مردوں کو ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ دوسرے ایسا رسم و رواج جہاں کہیں بھی ہے بہت مختصر جماعتوں کے اندر محدود ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد عام انسانی آبادی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور عصمت فروش عورتیں اگرچہ ہر ملک اور ہر قوم میں پائی جاتی ہیں کیونکہ ان کو بدی کی طرف لے جانے والے شیطان مرد بھی ہر جگہ موجود ہیں مگر ان کی تعداد بھی باحیا عورتوں کی نسبت ہر جگہ بہت کم ہے۔ اور جو نتیجہ مرد و عورت کی تعداد کثیر کو دیکھنے سے نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ عورت کی فطرت میں کسی ایک مرد کی طرف بھی بغیر بلائے جانے کے خود اپنی خواہش سے پیش قدمی کرنیکا مادہ نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ مردوں کی طرف توجہ کرنے کا سوال ان کی طبیعت میں (جب تک اعتدال پر رہے) پیدا نہیں ہوسکتا۔ مگر مرد چونکہ اقدام کرنے والا بنایا گیا ہے اور اقدام کرنے کے بعد وہ کبھی کامیاب ہوتا ہے اور کبھی ناکام اور ناکامی کی حالت میں وہ ایک کے بعد دوسرا موقع تلاش کرتا ہے اس لئے اس کے دل میں نہ صرف ایک عورت بلکہ ایک وقت میں کئی کئی عورتوں کی طرف اقدام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور کامیاب ہوتا جائے تو وہ سبکو اپنے تصرف میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی فطرت کے عین مطابق ہے اور قدیم الایام سے وہ ایک سے زیادہ عورتوں پر تصرف رکھنے کا عادی ہے جنکی تعداد اکثر اوقات سینکڑوں تک پہنچتی رہی ہے ٭

تعدد ازدواج اور محبت کا فقدان

اس فعل کے شنیع اور قبیح ہونے میں کلام نہیں۔ کیونکہ وہ تمام جماعت یا کسی ایک کے سوا اور سب عورتیں بالعموم ظلم۔ دل شکنی اور حسرت کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور محبت جو زن و شوہر کی پیوستگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ایسی

حالت میں اُسے تلاش کرنا فضول ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مرد کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ محبت ہو مگر جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے وہ بھی اس محبت پر اعتماد نہیں کر سکتی اور ہمیشہ خائف رہتی ہے کہ اور کی طرف راغب ہو کر مجھے فراموش کر دیگا۔ وہ اس موقع کو غنیمت سمجھکر جہاں تک ممکن ہوتا ہے مرد سے مالی منفعت حاصل کرنے کی دُھن میں لگی رہتی ہے۔ دوسری بیویاں مرد کی دشمن ہوتی ہیں یا جو عیار ہوتی ہیں وہ اس پر قابو پانے کیلئے مصنوعی محبت کا اظہار کرتی رہتی ہے اور سچی دوست محبوب بیوی بھی نہیں ہوتی۔ مرد اپنی محبت خرچ کرتا ہے مگر اُس کا معاوضہ محبت کی شکل میں لینے سے محروم رہتا ہے۔ صرف ظاہرداری ہوتی ہے جس پر محبت کا روغن مل دیا جاتا ہے ٭

خانہ داری کا آرام

محبت سے دوسرے درجہ پر خانہ داری کا آرام ہے جو ازدواج سے مقصود ہوتا ہے اور جہاں ایک زن و شوہر ہے وہاں بھی عملی طور پر دیکھا جائے تو جس چیز کو محبت کہتے ہیں اس کا وجود بہت کم نظر آتا ہے۔ ورنہ اکثر گھروں کی آبادی اسی بنا پر ہے کہ مرد عورت کے بغیر راحت نہیں پا سکتا اور عورت کی ضرورتیں مرد کے بغیر پوری نہیں ہوتیں یعنے حالات کی مجبوری ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کا بار برداشت کرتا ہے۔ رشتہ کو قائم رکھنے کی تمنا رکھتا ہے اور ایک دوسرے کی سلامتی چاہتا ہے ٭

فانی اور غیر فانی محبت

بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھا کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو رشتہ خالص محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں اگر محبت جذبات سے پیدا ہوئی ہے تو وہ فنا ہونے والی چیز ہے اور جس قدر جذبات کم ہوتے جائینگے اسیقدر محبت میں کمی آتی جائیگی اور ایک وقت پر جذبات و محبت دونو چیزیں نابود ہو جائینگی۔ مگر رشتہ اس وقت بھی قائم رہ سکتا ہے اور اس کو قائم رکھنے کی آرزو ہوتی ہے اسی لئے کہ محبت نہ سہی ضرورت بھی تو ہے جو باہم رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ البتہ اگر محبت ایک دوسرے کے فضائل اور خصائل کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور اس محبت نے ازدواج کی شکل اختیار کر لی ہے تو ایسی محبت بیشک غیر فانی اور ابدی ہے۔ مگر دنیا میں کتنے زن و شوہر ہیں جو ایسی محبت پر فخر کر سکتے ہوں ٭

تلاش راحت

تعدد ازدواج کے اندر اگرچہ محبت کی طرف سے مایوسی ہے۔ مگر چونکہ یہ فعل ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور اب بھی ایسا کرنے والے دنیا میں موجود ہیں دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس کے اندر کوئی صورت ایسی بھی ہے جس میں مرد کو اور اس کی سب عورتوں کو خانہ داری کی راحتیں ظلم و حسرت سے دوچار ہونے کے بغیر میسر آئیں۔ تعدد ازدواج کی قباحت تسلیم لیکن اگر ایسی کوئی شکل پیدا ہو سکتی ہو اور ایک گھر کے اندر ایک مرد اور چند عورتوں کو راحت میسر آتی ہو اور ظلم یا حسرت کا وجود نہ ہو تو ایسی شکل پر قباحت کا حکم لگانا اور ایک جماعت کو ان کی مطلوبہ راحت سے محروم کرنا بھی فعل قبیح ہوگا +

تعدد ازدواج کی ایک خاص شکل

اہل دنیا نے تعدد ازدواج کے لئے کسی قانون کی پابندی کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر اسلام نے جہاں سوسائٹی کے اور نقائص کی اصلاح کی ہے وہاں نکاح و طلاق کیلئے بھی دستور اور قاعدے ترتیب دئے ہیں نکاح کے لئے جو کچھ ارشاد ہوا ہے اور اس ارشاد کی تعمیل میں جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ہمراہیوں نے (رضوان اللہ علیہم) جو طرز اختیار کی ہے۔ سر دست وہی پیش ہو سکتی ہے کہ تجربہ میں آچکی ہے۔ اس طرز عمل کی چند خصوصیتیں دنیا کے رسم و رواج سے مختلف ہیں اور انہی کی وجہ سے نتائج مختلف پیدا ہوتے ہیں +

ازدواج کی غرض اسلامی نقطہ نظر سے

اول۔ زن و شوہر کی والہانہ محبت کا جو نقشہ فسانوں اور ناولوں نے پیش کیا ہے عملی دنیا میں اس کا نشان بہت کم ملتا ہے پس اگر ازدواج کا انحصار اسی محبت پر رکھا جائے تو نکاح دنیا کا ایسا واقعہ ہوگا جو کبھی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آئے۔ حالانکہ یہ کام ہر شخص کو کرنا پڑتا بلکہ جوانی کے جذبات نابود ہو جائیں جب بھی اپنی اور بچوں کی ضرورتیں زن و مرد دونو کو اس کے قائم رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اسلام نے نکاح کی مصلحت نہایت جامع الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ نکاح کرنے والوں کو محصن اور محصنہ یعنے قلعہ نشین کہا ہے کیونکہ تکالیف سے محفوظ رہنے

کیلئے دونو کا اتحاد ایک قلعہ کا کام دیتا ہے اور اُس کو تسافح یعنے گناہ سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ جذبات کے تسکین پانے سے ضروریات کے سرانجام میں سہولت پیدا ہونے سے اور اپنے عیال کے ننگ و ناموس کے لحاظ سے انسان بدکاری کے علاوہ اور کئی طرح کی بدنیتی بے اعتدالی اور شورہ پُشتی سے اجتناب کرتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ (نساء پارہ ۵ ع ۴)	محرم عورتوں کے سوا اور سب عورتیں تمہارے واسطے جائز کی گئی ہیں بشرطیکہ ادائے مہر کے ساتھ نکاح کرو محفوظ رہو بدکاری سے بچو

ایک موقع پر زن و مرد کو ایک دوسرے کا لباس فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے رازدار ہوتے ہیں اور آپس میں کئی طرح کی انسانی کمزوریوں پر پردہ ڈالتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۳)	عورتیں تمہارا لباس ہیں تم اُن کا لباس ہو۔

ایک اور موقع پر ایک لفظ تسکین کا استعمال کیا ہے۔ جس میں محبت بھی شامل ہے ضروریات کی طرف سے اطمینان بھی ہے تکالیف سے حفاظت بھی ہے اور رازداری کا یقین بھی ہے۔ ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا (اعراف پارہ ۹ ع ۲۴)	وہی خدا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ اس سے تسکین پائے۔

تعداد کی حد بندی اور انصاف کی شرط

دوم۔ اہل دنیا نے تعدد ازدواج کیلئے کوئی تعداد مقرر نہیں کی اور لوگوں نے بے لگامی سے کام لیکر بیسیوں اور سینکڑوں تک نوبت پہنچائی۔ حالانکہ اتنی تعداد کی ہر گونہ راحت کا اہتمام شخص واحد سے ممکن نہیں اسلام نے زیادہ سے زیادہ چار کی اجازت دی اور اس میں بھی عدل و انصاف کی شرط لگائی۔ اور یہ نہ ہو تو ایک سے زیادہ کو ممنوع قرار دیا۔ انسان اس تعداد کے اندر محدود رہ کر اور اپنی قوت دیکھکر جہاں تک استطاعت ہو اقدام کر سکتا ہے اور

سب کی راحت کا اہتمام ہو سکتا ہے ۔

حسرت و افسوس کا انسداد اور راحت کا اہتمام

سویم۔ دنیا کے رواج پر عمل ہو تو تعدد ازدواج کے اندر بڑی قباحت یہ پیدا ہوتی ہے کہ پہلی بیوی شوہر کی سب جائداد اور گھر بار پر متصرف ہوتی ہے دوسری بیوی آتی ہے اور وہ انصاف کرتا ہے جب بھی گھر کا نصف اثاثہ پہلی بیوی کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور ضرور افسوس ہوتا ہے۔ انصاف کا خیال نہ ہو اور پہلی بیوی سے رنجیدہ ہو کر دوسرا نکاح کیا جائے تو اُسے کسی چیز کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات اس کے اپنے جہیز کا مال بھی جو گھر میں موجود ہو دوسری بیوی کے تصرّف میں آجاتا ہے۔ یہی رنج ہے جو راحت و آرام کا لحاظ رکھنے کے باوجود پہلی بیوی کی زندگی تلخ کر دیتا ہے۔ اور اگر تیسرے نکاح کا اتفاق ہو تو پھر دوسری کو بھی یہی روز بد دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ اور انصاف ہو جب بھی بجائے نصف کے مال اور آمد کے تیسرے حصہ پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ مگر اسلامی قانون کے مطابق بیویاں دو ہوں یا چار کسی کو اس رنج سے دوچار ہونے کا احتمال نہیں۔ یہاں بیوی کا جہیز اس کا اپنا مال ہے جو جائداد عورت کو ترکہ میں ملے۔ اس کی اپنی ملکیت ہے۔ زراعت سے تجارت سے یا کسی اور ذریعہ سے جو آمد رکھتی ہو اس پر اسے کامل اختیار ہے اور ایک ہی ہو جب بھی شوہر کو عورت کی اجازت کے بغیر اسکی کسی چیز کو استعمال کرنے کا اختیار نہیں۔ اسیطرح مرد کے مال جائداد و آمد پر ایک بیوی ہو جب بھی اُس کا قبضہ نہیں ہوتا۔ مرد نکاح کرتا ہے تو اس پر بیوی کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق مکان مہیا کرنا اور اُس کی خوراک۔ لباس اور دیگر ضروریات کا اہتمام فرض ہوتا ہے وہ دوسرا نکاح کرے تو پہلی بیوی کے تمام مطالبات حسب دستور سابق بحال رہتے ہیں اور اسے اپنی گرہ سے دوسری بیوی کے لئے بھی مکان علیحدہ دینا پڑتا ہے کہ ایک دوسری کی حالت نہ دیکھے اور رشک پیدا نہ ہو اور دیگر تمام مطالبات پہلی بیوی کے برابر ادا کئے جاتے ہیں۔ اس طریق سے چار نکاح ہوں تو ان سب کا بار مرد کی اپنی ذات پر ہوتا ہے کسی بیوی کے کسی معمول میں فرق نہیں آسکتا اس قاعدے کی پابندی ہو تو تعدد ازدواج کے باوجود نہ کسی بیوی کے مقبوضہ مال کی تقسیم کا اندیشہ ہے نہ کسی جائداد سے بے دخل ہونے کا رنج ہے۔ نہ کسی کے ناراض ہونے اور شوہر کو ناراض

کرنیکا احتمال ہے۔ خانہ داری کے فوائد سب کو مل سکتے ہیں اور ہر ضرورت کے وقت ایک نگران حال سب کو مدد دے سکتا اور اُنکی راحت کا اہتمام کر سکتا ہے ٭

مساوات کا لحاظ اور مقدرت کا اندازہ

چہارم۔ دنیا والے پچاس بیویاں کرلیں جب بھی حقیقت میں بیوی ایک ہی ہوتی ہے باقی سب سے کبھی کبھار کا تعلق رہتا ہے یا ایک دفعہ کے بعد کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اسلام نے عدل کی ایسی شرط لگائی ہے کہ روزانہ شب باشی کیلئے اور کھانا کھانے کیلئے نوبت مقرر کرنی پڑتی ہے اور بیماری کے اندر بھی اس پابندی سے سب کی اجازت کے بغیر آزاد نہیں ہو سکتا۔ البتہ جدید نکاح کرنے پر تین روز نئی منکوحہ کے پاس بسر کرنے کی اجازت ہو اس کے بعد حسب معمول نوبت کی پابندی ہوتی ہے۔ سفر کو جانا ہو اور ایک کو ساتھ لے جانے کا موقع ہو تو قرعہ ڈالا جاتا ہے اور شوہر اپنی مرضی سے کسی کو انتخاب نہیں کر سکتا۔ خرچ اور مکان کا جو معمول ایک کے لئے مقرر ہے اگر وہی معمول دوسری کیلئے مہیا ہو تو دوسرا نکاح کر سکتا ہے ورنہ یہ ممکن نہیں کہ معمول میں تخفیف کرے اور دوسری کا حصہ نکالے ہاں امیر سے غریب ہو جائے تو سب کے معمول میں یکساں تخفیف ہو سکتی ہے۔ بہرحال حیثیت کو دیکھنے کی ضرورت مقدم ہے۔ استطاعت نہ ہو تو حکم ہے کہ روزے رکھکر اپنی طاقت کم کرو اور مجرد رہو۔ یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔ قرآنی حکم کے الفاظ یہ ہیں:-

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور پارہ ۱۸ ع ۴)	جو لوگ نکاح کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے وہ پاک دامنی سے بسر کریں حتّٰی کہ خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے ٭

تعلقات زناشوئی اور محبت

پنجم۔ تعلقات زناشوئی ایک بیوی ہو جب بھی روز کا کام نہیں اور عورت اپنی نسوانی حالت اور وضع حمل اور شیر خوارانی کی وجہ سے دنوں اور مہینوں اس کی ضرورت نہیں رکھتی۔ روزانہ اس پابندی کی شرط نہیں اور تعدد ازدواج کسی پر فرض بھی نہیں ہے۔ قربت بیازما و آنگہ زن کن۔ اپنی قوت اور ضرورت کو دیکھکر ایک نکاح ہونا چاہئے اور اسی کو دیکھنے کے بعد زیادہ نکاحوں کا موقع ہے اور ان قواعد پر پابند رہنے کے زمانے میں عرب کے اندر جو اکثر مرد زیادہ نکاح کرتے تھے تو وجہ یہی ہے کہ انہیں

دیگر ممالک کی نسبت اس قوت کی شدت ہے اور جو واقعات اس کے متعلق معلوم ہیں آجکل ان کا اظہار بھی غالباً تہذیب کے خلاف ہوگا مختصر یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایک عورت پر قناعت کر ہی نہیں سکتے تھے البتہ محبت کا معاملہ اور ہے۔ وہ سب کے ساتھ یکساں نہیں ہو سکتی بعض کے اطوار و عادات زیادہ دلکش ہوتے ہیں اور بعض کے کم یہ دل کا معاملہ ہے اور قابل معافی ہے مگر ہر طرح کا سلوک سب کے ساتھ یکساں رکھنا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مروی ہے:-

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ (ترمذی ابو داؤد)

یاالٰہی یہ برتاؤ کے بارہ میں میری تقسیم ہے جہاں تک میرا اختیار ہے پس اس چیز کے بارہ میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں مجھکو سرزنش نہ ہو۔

ششم۔ عرب کے اندر تعدد ازدواج کی ضرورت اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ جنگجو قوم ہے اسلام سے پہلے باہمدگر کشت و خون میں مصروف رہتے تھے اور اسلام لانے کے بعد ان سے عرب میں اور نواح عرب میں دور دراز فاصلوں تک امن قائم کرنے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا کام لیا جانے لگا تو جنگجویانہ فطرت میں اور اضافہ ہوگیا اور جنگجو قوم میں ہمیشہ مردوں کی کمی ہوتی رہتی ہے۔ عورتیں تعداد میں بڑھتی جاتی ہیں اور اولاد پیدا کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی رہتی ہے۔ ان سب امراض کا علاج تعدد ازدواج ہے اور مسلمان اگر مسلمان ہوں تو جنگ آوری کی ضرورت ان سے جدا نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا ظالموں سے خالی نہیں رہتی اور انکے سامنے سینہ سپر ہونا مسلمان کا اولین فرض ہے۔ مگر اب زمانہ ایسا آگیا ہے کہ خود مسلمانوں کو اسلامی جہاد کے ذکر سے شرم آتی ہے ہمتیں پست ہوگئی ہیں عزم اور حوصلہ موجود نہیں رہا اغیار کے خوف سے کانپتے ہیں اور جہاد کے مسئلہ کو کئی طرح کی تاویلوں سے مسخ کرتے رہتے ہیں مگر حقیقت پر پردہ پڑ نہیں سکتا اور مسئلہ جہاد اور اس کی تفاصیل* دفاتر مذہب سے محو نہیں ہو سکتیں۔ مذہبی حکم بدستور موجود ہے مسلمان مسلمان بنینگے تو حکم جہاد کی تعمیل بھی کرنی پڑیگی اور دیگر مسائل شریعت پر بھی انکے شروط اور مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل پیرا ہونے کے موقعے پیش آتے رہینگے۔

ناگواری کا آخری علاج

ہفتم۔ دنیا والے ایک سے زیادہ عورتوں پر تصرف کرتے ہیں اور اُن کو تکلیفیں پہنچتی ہیں تو رسم و رواج کے مطابق وہ کچھ

---

* حکم جہاد کے شروط و لوازم میری تحریر دین و دولت میں ملاحظہ ہوں۔

نہیں کر سکتیں مردان کو علیحدہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے وہ علیحدگی کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہوتیں۔ اور کسی کو اتفاق سے طلاق مل جائے تو وہ عیب دار سمجھی جاتی ہے اور کوئی اور شخص اس کو زوجیت میں لینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس خیال سے عورتیں خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی ہیں اور طلاق کے نام سے کانپتی ہیں حالانکہ اسلامی احکام کے مطابق مرد طلاق دے سکتے ہیں۔ عورتیں طلاق لے سکتی ہیں اور اصول کی پابندی ہو تو طلاق یافتہ عورت سے مسلمان کو نکاح کرنے میں عار نہیں۔ تعدد ازدواج کی تمام شروط و لوازم کو ملحوظ رکھنے کے بعد بھی اگر کسی عورت کو تعلق ناگوار ہو اور وہ شوہر کے ساتھ رہ کر خلوص کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کر سکتی ہو تو جیسا کہ ذکر طلاق آئندہ بیان ہو گا وہ طلاق لے کر اپنے لئے کوئی اور موقع پیدا کر سکتی ہے اور تکلیفوں سے نجات پا سکتی ہے ٭

علاج پیش از وقوع

ہشتم۔ یہاں ایک اور قباحت ہے اور وہ مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے کہ عورت جوان ہو جب بھی اس کے سرپرست اس کی رائے دریافت کرنے کے بغیر نکاح کر دیتے ہیں۔ ایک بیوی کے بعد دوسری بیویاں بھی ایسی ہی مجبوری کے ساتھ باندھکر روانہ کر دیجاتی ہیں اور ان کو اس حالت کے اندر رہنا منظور نہ ہو جب بھی زبان نہیں ہلا سکتیں نہ ان کی بات کو سننا کسی کو منظور ہے۔ اسلام کا حکم یہ بھی نہیں۔ اس نے بالغہ عورت کو نکاح کے بارہ میں مختار قرار دیا ہے۔ اس حکم کی تعمیل ہو تو جو عورتیں اس حالت کو پسند نہیں کرتیں وہ خود اس مصیبت سے محفوظ رہ سکتی ہیں ٭

تلاش راحت میں کامیابی

ان تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔ طرفین کیلئے خانہ داری کی راحتوں کا سرانجام اور واقعی ضرورتوں کا اہتمام مقصود ہو۔ عورت کے علم اور اس کی رضامندی سے نکاح ہو۔ ہر عورت کا معمول بدستور قائم رہے۔ خلوت و جلوت کے تمام سلوک یکساں ہوں تو اگرچہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسی سب عورتوں کے دل میں شوہر کی محبت ہو گی نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شوہر کے دل میں سب کی جگہ ہو گی مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ نکاح کے اکثر و بیشتر واقعات میں جس قدر تکالیف اور پریشانیوں سے نجات پانے کی آرزو ہوتی ہے یہ کنبہ ایسی برکتوں سے محروم نہ رہیگا اور سرد و گرم حالات میں اپنے نگہبان پر بھروسہ کر کے جو اطمینان

ایک خانہ دار عورت کو حاصل ہوتا ہے وہ اس دستور کے اندر چار عورتوں کو ایک مرد کی وجہ سے میسر آئیگا اور اگر اتفاق سے کسی قوم میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو اور عورت کو وسائل معیشت بھی آسانی سے میسر نہ ہو سکتے ہوں تو اس دستور کو عورتوں کے نقطۂ خیال سے بھی غیر مفید نہیں کہہ سکتے۔

آزادی کی سہولت

ہاں اگر کوئی عورت ان سب شرائط کے باوجود اس حالت میں کسی طرح کی ناگواری یا تکلیف محسوس کرے اور علیحدہ ہونے کی آرزومند ہو تو مزاحمت نہ کی جائے۔ احکام ربانی اور فرامین رسالت پناہی میں یہ تمام مدارج بتفصیل مذکور اور سب کو معلوم ہیں طلاق اور خلع کی سہولتوں پر آجکل کے رسم ورواج نے البتہ پردہ ڈال رکھا ہے مگر جیسا کہ آگے بیان ہوگا شریعت حقہ کے اندر اس کے لئے کافی ہدایتیں موجود ہیں اور قرون اولی کا تعامل مطالب کو روشن کرنے کا کفیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت نعمان جونیہ سے نکاح کیا۔ وہ بنی کندہ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ قبائل عرب میں خاندانی برتری کا بہت تعصب تھا اور بنی کندہ اگرچہ بادیہ نشین اور خانہ بدوش تھے مگر اپنے تئیں شاہان یمن کا ہم قوم سمجھتے تھے اس قوم کی ایک شہزادی بلقیس پہلے بھی ایک پیغمبر کے ازدواج میں آچکی ہے جو شاہانہ جاہ وجلال سب سے زیادہ رکھتا تھا۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیغمبری کے ساتھ مسند شاہی پر متمکن ہیں بلقیس ثانیہ بننے کی آرزو دل میں لیکر آئی ہوگی مگر وہ بلورین محلسراؤں کی بجائے ایک کچے کوٹھے میں اتاری گئی اور حضرت تشریف لائے تو دل کی آنکھیں نہ رکھتی تھی ابر میں چھپا ہوا چاند نہ دیکھ سکی۔ سر کی آنکھیں ایک گلیم پوش سے دوچار ہوئیں تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ گھبرا کر بولی کہ ملکہ ایک بوریا نشین کی اطاعت نہیں کر سکتی۔ حضرت نے ہاتھ پکڑنا چاہا تو بولی اعوذ باللہِ منکَ حضرت نے فرمایا بڑے دربار سے پناہ مانگی۔ اَلْحِقِی بِاَھْلِکِ اپنے گھر کو جاؤ۔ حق مہر عطا فرمایا اور رخصت کر دیا۔ ثابت بن قیس کی بیوی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے شوہر سے نہ سلوک کے بارہ میں شکایت ہے نہ دینداری کے بارہ میں۔ مگر مجھے اس سے محبت نہیں اور اندیشہ ہے کہ حقوق زوجیت ادا نہ ہونگے اور میں مسلمان ہو کر ایسی کافرانہ حرکات کو پسند نہیں کرتی۔ ایک اور روایت ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے اسے ایک جماعت کے ساتھ دور سے آتے ہوئے دیکھا وہ سب سے زیادہ پست قامت۔ بدصورت اور سیاہ فام معلوم ہوا دل میں نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت نے

فرمایا کہ باغ جو اس نے تم کو مہر میں دیا ہے واپس کر دو گی کہا ہاں۔ آپ نے شوہر سے فرمایا طلاق دے دو۔ جناب معاویہ نے ایام خلافت میں ایک بدوی عورت سے جس کا نام میسون بنت بحدل کلبیہ ہے نکاح کیا۔ وہ جنگل سے شہر میں آئی اور خیمہ کی بجائے محل میں رہنے لگی تو خیال تھا کہ خوش رہیگی مگر ایک دن حضرت معاویہ گھر میں آئے تو دروازہ میں گنگنانے کی آواز آئی تھم گئے اور کان لگایا وہ عورت اپنی دھن میں یہ اشعار گا رہی تھی:۔

کَبَیْتٌ تَخْفِقُ الْاَرْوَاحُ فِیْہِ	وہ خیمہ جس کو ہوائیں ہلاتی رہیں
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قَصْرٍ مُنِیْفِ	مجھے بلند محل سے زیادہ پسند ہیں
وَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَّتَقَرُّ عَیْنِیْ	کمبل کا اوڑھنا جبکہ میری آنکھ ٹھنڈی ہو
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوْفِ	مجھے باریک کپڑے پہننے سے زیادہ پسند ہے
وَاَکْلُ کُسَیْرَةٍ فِیْ کِسْرِ بَیْتِیْ	گھر کے گوشہ میں روٹی کا سوکھا ٹکڑا کھانا
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَکْلِ الرَّغِیْفِ	مجھے پتلی چپاتیاں کھانے سے زیادہ پسند ہے
وَاَصْوَاتُ الرِّیَاحِ بِکُلِّ فَجٍّ	ہر رستے میں آندھیوں کا سرسرانا
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَقْرِ الدُّفُوْفِ	مجھے باجوں کی آواز سے زیادہ پسند ہے
وَکَلْبٌ یَنْبَحُ الطُّرَّاقَ دُوْنِیْ	وہ کتا جو میرے ساتھ چلتا مسافروں پر بھونکتا تھا
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ قِطٍّ اَلُوْفِ	پیار کرنے والے بلے سے زیادہ پسند ہے
وَبَکْرٌ یَتْبَعُ الْاَظْعَانَ صَعْبٌ	اونٹنی کا مضبوط بچہ جو کجاوے کے پیچھے دوڑتا تھا
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ بَغْلٍ زَفُوْفِ	مجھے آراستہ خچر کی نسبت زیادہ پسند ہے
وَخِرْقٌ مِنْ بَنِیْ عَمِّیْ نَحِیْفٌ	میرے چچا کی اولاد میں سے کوئی دبلا پتلا جوان آدمی
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ عِلْجٍ عَلِیْفِ	مجھے موٹے اور بڑے پیٹ والے سے زیادہ پسند ہے

آخری شعر میں ان پر کھلی چوٹ تھی حضرت معاویہ نے آگے بڑھکر اس کو مہر دلوایا اور طلاق دیکر واپس بھجوا دیا اس زمانے میں یہ سب کام بے تکلف انجام پاتے تھے امیر اور غریب کسی کو نکاح کے لئے اہتمام اور تیاری کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ مرد اور عورت کسی کو طلاق میں کوئی قباحت نظر نہ آتی تھی جب تک سلوک رہے ایک دوسرے کے رنج و راحت

میں شریک رہتے تھے کوئی اختلاف دیکھتے تھے تو بغیر کسی تامل کے علیحدہ ہو جاتے تھے ایسی فضا ہو اور دلوں میں یہ صفائی ہو تو اکیلی عورت شوہر کے ساتھ زیادہ خوش نہیں رہ سکتی کئی ہوں تو کوئی مصیبت نہیں آتی ۔ یہ ہے وہ تعدد ازدواج جس کو اسلام نے جائز رکھا ہے۔ اس میں بیکس عورتوں کو ٹھکانا میسر آتا ہے۔ ان کے لئے ایک نگہبان پیدا ہوتا ہے۔ کس مپرسی کے عالم سے نجات دیتا ہے اور تکلیف کی بجائے راحت پہنچاتا ہے ۔۔

انصاف ممکن ہے یا ناممکن

مگر آجکل چونکہ اہل تہذیب نے اس فعل کے ناجائز ہونے پر مہر لگا دی ہے جو انکے تابعین ہیں وہ بھی اس فیصلہ سے سرتابی کرنے کی مجال نہیں رکھتے بلکہ انمیں سے جو بفضل خدا مسلمان ہیں وہ اس فعل کی ممانعت قرآن کریم سے ثابت کرنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے تعدد ازدواج کو عدل سے مشروط کیا ہے اور عدل نہ ہو سکے تو ایک عورت پر قناعت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم صاف ہے وہ لوگ اس کے ساتھ ایک اور آیت کو چسپاں کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ عورتوں کے ساتھ انصاف اگر تم چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔ یہ الفاظ بھی بشرطیکہ صرف اسیقدر ہوتے اپنے مفہوم کو ظاہر کرنے سے قاصر نہ تھے۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ ضرور نکل سکتا تھا کہ ایک عورت پر قناعت ہونی چاہیئے کیونکہ زیادہ کے ساتھ انصاف شرط ہے اور انصاف ہو نہیں سکتا چنانچہ یہی نتیجہ نکالا جاتا ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے مگر آہ ان بزرگواروں کو قرآن سے جس حکم کے استنباط کرنے کی تمنا تھی دور سے اس کا جلوہ دیکھا اور فرط مسرت سے ایسے بیخود ہوئے کہ پوری آیت کو دیکھنے کی اور جو کچھ اس ذکر سے مقصود تھا اسے معلوم کرنے کی مہلت نہ پائی اور آیت کے ابتدائی الفاظ سے مطمئن ہو کر اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے میں جلدی کی اور جب ایک بہادر نے دروازہ کے سامنے پہنچ کر قلعہ کے مسخر ہونے کا بگل بجا دیا اور قلعہ کی اندرونی مزاحمت پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہ سوچی تو آئندہ جس جس حملہ آور تک یہ آواز پہنچتی گئی سب فتحمندی کا نقارہ بجاتے گئے۔ یہ عجلت اور تیزروی نہ کی جاتی تو دیکھنا مشکل نہ تھا کہ قرآن کریم نے انصاف کو ہماری طاقت سے باہر قرار دیکر عمل کیلئے کیا رستہ بتایا ہے اور اس صورت کو مانکر حکم کیا دیا ہے:۔

پوری آیت یہ ہے ۔

مساوی سلوک اور مساوی محبت کا فرق۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ
اور تم نہیں طاقت رکھتے کہ عورتوں میں مساوات کرو۔

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ	اگرچہ اس کی تمنا رکھتے ہو پس ایک طرف بالکل نہ
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (نساء پارہ ۵۔ ع ۱۹)	جھک جاؤ اور ایسا نہ کرو کہ دوسری سے کوئی تعلق نہ ہے

اور جس آیت سے تعدد ازدواج ثابت ہوتا ہے اس کے الفاظ یوں شروع ہوتے ہیں:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى	اگر تم کو اندیشہ ہے کہ یتیموں کا حق دینے میں کوتاہی کروگے
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى	تو ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں لے آؤ۔ دو یا تین یا چار
وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا	تک۔ اور اگر اندیشہ ہو کہ نکاح کے بعد بھی حصہ برابر نہ
تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء پارہ ۴۔ ع ۱)	دے سکوگے تو صرف ایک پر قناعت کرو۔

دیکھو انصاف کو ناممکن کہا ہے تو دو عورتوں کا ذکر کیا ہے ایک وہ جس کی طرف پورا میلان ہو اور دوسری بالکل بے تعلق ایسی حالت کا پیدا کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ دو عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد ایک شکل یہ پیدا ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے کہ ایک سے محبت ہو دوسری سے اس کے برابر محبت نہ ہو مگر سرانجام ضروریات کا خیال دونو کے لئے برابر رہے۔ اس شکل کی ممانعت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر تعدد کی ہر شکل کو ممنوع ٹھہرانا ہوتا تو فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ کی بجائے فَلَا تَنْكِحُوْا اِلَّا وَاحِدَةً یا فَاجْتَنِبُوْا مِنَ التَّعَدُّدِ فرمایا جاتا یعنے تم مساوات قائم نہیں رکھ سکتے صرف ایک سے نکاح کرو یا تم مساوات قائم رکھ نہیں سکتے زیادہ

---

* قرآن کریم میں اس مضمون کا آغاز ہی حاجتمندوں کی مالی ضرورتوں اور مقدرت والوں کی خبرگیری سے ہوا ہے یتیموں کا جو مال دوسروں کی تحویل میں ہو اُسے اپنے صرف میں لانے سے منع فرمایا ہے اور آگے عورتوں کے مہر اور اس کے ادا کرنیکا ذکر آیا ہے پھر ناسمجھ لوگوں کی جائداد و انکے تحفظ کا ذکر آیا ہے جسکو آجکل کورٹ آف وارڈز کہتے ہیں سمجھدار ہونیکے بعد انکے مال کی واپسی کا حکم دیا ہے آگے ترکہ کی تقسیم شروع کر دیگئی ہے۔ اول آخر سب داد و ستد کا تذکرہ ہے بیچ میں تعدد ازدواج کا ذکر آیا ہے اور فرمایا ہے کہ یتیموں کی خبرگیری اور انکے ساتھ انصاف کا برتاؤ بے غرض ہو کر کرنا دشوار معلوم ہو تو ان میں سے جو عورتیں ہوں انسے نکاح کر لو۔ ایک سے چار تک بیویاں رکھ سکتے ہو وہ تمہاری ہو جائینگی تو خبرگیری کے کام کی دشواری محسوس نہ ہوگی۔ سب سے یکساں برتاؤ کرنا اُن کو ٹھکانا ملیگا تم راحت پاؤ گے۔ یہ تمام مضمون باہمی ہمدردی سے تعلق رکھتا ہے اور تعدد ازدواج کا حکم اسی بنیاد پر دیا گیا ہے کہ بیکسوں کا سہارا ہو۔ نکاح کی غرض بھی جیسا کہ ذکر آچکا ہے یہی بتائی گئی کہ ایک دوسرے کے لئے قلعہ بندی کا کام دیں اور باعث تسکین ہوں۔ اس تمام سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوت اور مقدرت والوں کیلئے بیکسوں کی خبرگیری کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ ان کو حبالہ نکاح میں لاکر سب کے ساتھ یکساں سلوک کریں۔ یہ ہمدردی کی ایک شکل ہے جس سے ضروریات زیست کا سرانجام مدنظر ہے محبت کا جذبہ اور چیز ہے جو اپنے اختیار میں نہیں اسکی تشریح دوسری آیت میں ہو گئی ہے کہ ایک سے لگن ہو تو دوسرے سے غافل نہ رہو یہ نہیں فرمایا کہ ایک سے محبت ہو تو دوسری کو چھوڑ دو۔

نکاح کرنے سے باز آؤ۔ ایسے الفاظ ہوتے تو یہی ایک آیت حکم مکمل کرنے کیلئے کافی تھی وہ آیت جس میں چار تک اجازت ہے بیکار ہوتی۔ تعدد کو منع کرنے کے صاف و صریح الفاظ کو پہلی آیت سے ملا کر دیکھو۔ کلام بے ربط ہو جاتا ہے۔

۱۔ جس قدر عورتیں مناسب ہوں۔ دو تین یا چار تک نکاح میں لے آؤ لیکن اندیشہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک پر قناعت کرو۔

۲۔ تم عورتوں میں انصاف کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔ اسلئے صرف ایک سے نکاح کرو۔ دوسرے جملے کو حکم ماننے کے بعد پہلی عبارت کے اندر چار تک اجازت دینے کے کوئی معنے نہیں رہتے لیکن دوسرے جملہ کو جن الفاظ کے ساتھ قرآن کریم نے ختم کیا ہے اور پہلے جملہ کو جن الفاظ سے آغاز کیا ہے وہ دونوں آیتوں کو باہم ربط دیتے ہیں اور اپنا اپنا ماحصل رکھتے ہیں۔ پہلے جملہ کو اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا سے شروع کیا ہے جو لفظ قسط سے مشتق ہے قسط کے معنے حصہ کے ہیں۔ اقساط کے معنے ہیں برابر حصہ دینا۔ تقسیط کے معنے ہیں حصّہ دینے میں کمی کرنا۔ اقتساط کے معنے ہیں اپنا حصہ پورا لینا۔ اس لفظ کو اور اس کے مشتقات کو دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ضروریات زیست کے اندر برابر حصّہ دینے کا ذکر ہے اور اسی میں انصاف کو مدنظر رکھنے کا حکم ہے۔ اس کی تعمیل کرنے والے کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حصّہ دینے میں برابری کر سکتے ہیں مگر محبت کے بارہ میں مجبور ہیں۔ اس کی نسبت کیا ارشاد ہے دوسری آیت جواب دیتی ہے کہ بیشک محبت میں برابری نہیں ہو سکتی مگر ایک سے محبّت رکھنے کی صورت میں اور سب کو فراموش نہ کر دینا یہ سوال فرضی نہیں۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں پیدا ہوا اور آپنے دُعا کی کہ یا الٰہی جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ جو کچھ میرے اختیار میں نہیں بلکہ تیری قبضہ قدرت میں ہے اس پر مواخذہ نہ ہو اَللّٰھُمَّ ھٰذا قسمی فیما اَمۡلِکُ فَلَا تلمنی فیما تملک وَلَا املک) اسی پریشانی کو دور کیا گیا ہے اور دوسری آیت نازل ہوئی ہے پس پہلی آیت میں جس مساوات کی شرط ہے وہ مادی مساوات ہے اور انسان کے اختیار میں ہے اور اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ دوسری آیت میں جس مساوات کو ناممکن فرمایا ہے وہ میلان قلب کی مساوات ہے جس کا علاج بتایا گیا ہے

اس لحاظ سے صرف میلان کلی کی ممانعت ہے۔ تعدد ازدواج کو مطلقاً اور ہر شکل سے ناجائز ثابت کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ممکن نہیں۔

تعدد ازدواج کی قباحتیں

مگر ہاں فی زمانہ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر صاحبان جبہ و دستار کاربند ہوں یا کج کلہاں ذی اقتدار یا آوارگان کوچہ و بازار کوئی جرم قبیح سے خالی اور کوئی ظلم صریح سے پاک نہیں۔ اب وہ اسلامی فضا ہی نہیں جس میں زن و مرد سب کی جائداد اپنے اپنے تصرف میں ہوتی تھی اور ہر عورت کے مطالبات مرد اپنی گرہ سے پورے کرتا تھا۔ اب اگر محبت ہوتی ہے تو جی جان سے فدا ہوتے ہیں اور سب کچھ عورت کے اختیار میں دیدیتے ہیں اور عورت جو کچھ لاتی ہے مرد پر قربان کر دیتی ہے جب نفرت پیدا ہوتی ہے تو جان اور مال سب کچھ دوسری طرف منتقل ہو جاتا ہے اور پہلی عورت کے اپنے مال پر ڈاکہ۔ اس کے مطالبات سے تغافل۔ اس پر خدمتگاری کی مشقت۔ خانہ بدر ہونے کی مصیبت مارپیٹ۔ قتل۔ زہر خورانی اور کوئی ظلم و ستم نہیں جس کے واقعات دیکھنے اور سننے میں نہ آتے ہوں اور اس کا کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ نفرت ہو تو طلاق دیدیں اور عورت کے حقوق دے کر سبکدوشی حاصل کریں۔ نہیں بلکہ نفرت پیدا ہونے کے بعد یہ عورت کی سزا سمجھی جاتی ہے کہ وہ معلق رہے۔ نہ آزادی پائے نہ کسی آسائش سے بہرہ اندوز ہو۔ اور یہ جرم سمجھا جاتا ہے کہ وہ انقلاب حالت سے رنجیدہ ہے اور تکلیف کی شکایت کرتی ہے اور اس جرم میں کہ پہلی بیوی ہونے کی دعویدار ہے اور کچھ حقوق طلب کرتی ہے نہ صرف اس کو مبتلائے مصائب دیکھا گیا ہے بلکہ اس کے بچوں کو بھی ان کے باپ کے سامنے اور ان کی ماں کو جلانے کے لئے دوسری عورت کے ہاتھ سے مار کھاتے اور فاقوں سے مرتے دیکھا جاتا ہے اور کہیں خود باپ کے ہاتھ سے دوسری بیوی کے تعمیل حکم میں بچوں کو ظالمانہ سزاؤں کا شکار ہوتے دیکھا گیا ہے اور اکثر جگہ پہلی بیوی کو گھر سے نکال کر اس کے خورد سال بچوں کو اپنی سرپرستی کے زعم میں علیحدہ کر لیا جاتا ہے تو ماں الگ تڑپتی ہے اور بچے جدا سوتیلی ماں کے ہاتھوں خدمتگاری۔ مار اور بھوک کا نشانہ بنتے ہیں اور بعض اوقات لقمہ اجل ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شہوت پرست مرد کی ہوس رانی کے نتائج اور تعدد ازدواج کے غلط استعمال کا ثمرہ ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ

صاف ہیں عدل نہ ہو سکے تو ایک سے زیادہ نکاح کی ممانعت ہے۔ جو لوگ یہ فعل کرتے ہیں وہ فعل حرام کے مرتکب ہوتے ہیں اور معصوم عورتوں کو اس فعل پہ مجبور کرتے ہیں اور ان کے جو دوست یا عزیز زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں نکاح ثانی کے لئے ساعی ہوتے ہیں اور ایسی محفل میں شرکت کرتے ہیں اعانت مجرمانہ کے ملزم ہوتے ہیں اور گناہ میں مددگار ہونے کا گناہ سر پہ لیتے ہیں اگرچہ نکاح کے وقت اپنے دوستوں اور ملامت کرنے والوں کے سامنے عدل و انصاف کے لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں مگر پوری پابندی کا کبھی ایک بار بھی تجربہ نہیں ہوا۔ کوئی اور وجہ نہ ہو جب بھی مساوات کی پہلی شرط بالعموم معدوم ہوتی ہے اور سب عورتوں کو ایک ہی مکان میں رہنا پڑتا ہے اور یہ واقعہ ضرور ہی پیش آتا ہے کہ پہلی عورت اپنی کس مپرسی اور دوسری عورت کی نازبرداری سے رنجیدہ ہوتی ہے تو کسی نہ کسی کام میں بے اختیار اس کی طرف سے بے اعتنائی اور کسی نہ کسی بات میں بے ساختہ اس کی جانب سے کج ادائی کا ظہور ہو جاتا ہے جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل میں نقص نظر آتا ہے۔ جو گفتگو کی جاتی ہے اس کے جواب میں ترشروئی دیکھی جاتی ہے تو شوہر کی بہانہ جو طبیعت اس کو اپنی نافرمانی اور اپنی شان عالی میں گستاخی تصور کرتی ہے۔ اُدھر عورت کی رنجیدہ طبیعت معاملہ کی نزاکت سمجھکر جلدی اصلاح پر آ نہیں سکتی۔ جواب طلب کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ بیرخی دکھاتی ہے جس پر غصہ کا طوفان اُٹھتا ہے تو پھر اُس پر جو ظلم کیا جاتا ہے وہ اُس کے جرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور قصوروار کو سزا دینا عین انصاف سمجھا جاتا ہے۔ محبوبہ عورت کی تمام تواضع اس کی اطاعت شعاری کا انعام اور گستاخ بیوی کی تمام محرومی اُس کی سرکشی کا انتقام تصور ہوتا ہے۔ ازواج کی باہمی مساوات کو اس بہانے سے پامال کرتے ہیں اور دیکھنے والوں کے سامنے سرخرو رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک بدعادتوں سے باز نہ آئیگی اسی طرح ذلیل رہیگی نہ آزادی پائیگی نہ کسی رعایت کی مستحق ہوگی تعدد ازدواج کی یہ شکل اسلام کے روشن چہرہ پر بدنما داغ اور اسلامیوں کیلئے باعث شرم ہے اور جس شکل کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے اور جس کی تعمیل قرون اولیٰ میں ہوتی رہی ہے وہ اپنی تمام شرطوں کیساتھ اور ضروریات واعیہ کو دیانت داری کے ساتھ ملحوظ رکھکر اب بھی

اگر کہیں پائی جائے تو اُس کو ناجائز کہنے کے لئے کوئی دلیل نہیں اور اس کی قباحت ثابت کرنے کے لئے کوئی بنیاد نہیں۔ وہ ضرورت مند مرد کے لئے اور حاجتمند عورتوں کے لئے تسکین کا سرمایہ ہے اور راحتوں کا ذخیرہ اور ایسے لوگ ہر زمانے میں پائے جاسکتے ہیں جو اس پاک ذریعہ سے آوارہ مزاجی اور کس مپرسی کی بلا سے محفوظ رہنے کو غنیمت سمجھیں اور تعدد ازدواج کے قواعد اور تحفظات کو دنیا کے لئے برکت تصور کریں +

باب ہشتم

طلاق اور خلع

مواصلت کے مختلف انجام

مواصلت کی تمام صورتوں کو دیکھنے کے بعد مفارقت کی شکلیں سامنے آتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ اس کے لئے کیا قاعدہ ہونا چاہیئے۔ نکاح دنیا کا ایک عجیب واقعہ ہے۔ ایک مرد ہوتا ہے ایک عورت جن کی ساخت مختلف ہے۔ فطرت مختلف ہے۔ اور عادات مختلف ہیں۔ اُنکا باہم کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بسا اوقات پہلے سے کوئی تعارف نہیں ہوتا۔ بات کرنے اور شکل دیکھنے کا بھی اکثر اتفاق نہیں ہوتا۔ ایسے دو شخصوں میں ان کے اپنے اختیار سے یا سرپرستوں کی کوشش سے ایک معاہدہ ہو جاتا ہے جس کے بعد ایک کو دوسرے سے کوئی شرم نہیں رہتی۔ کوئی پردہ نہیں رہتا۔ اُنکا جسم اور اُن کا دل ایک دوسرے سے ایسا ملجاتا ہے کہ اگر حالات موافق ہوں تو ایک کی بات دوسرے کی بات اور ایک کی خواہش دوسرے کی خواہش ہوتی ہے۔ ایک کی خواہش سے دوسرا اپنا میلان بدل دیتا ہے اپنی عادت بدل دیتا ہے۔ اپنی فطرت بدل دیتا ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ دوئی باقی نہیں رہتی۔ دونو ایک ہو جاتے ہیں۔ مگر آہ یہی تعلق بعض وقات ایسا نا مبارک ہوتا ہے کہ شروع ہوتے ہی یا کچھ عرصہ کے بعد

دلوں میں صفائی نہیں رہتی تو بات کرنے کو جی نہیں چاہتا اور ایک دوسرے کی شکل سے نفرت کرتا ہے پہلی حالت میں گھر دونوں کیلئے پھولوں کی سیج سے بہتر ہوتا ہے تو دوسری حالت میں کانٹوں کے بستر سے بدتر پہلی حالت میں وہ مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے جدا ہونا نہیں چاہتے اور ایک کے بعد دوسرے کے لئے زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔ تو دوسری حالت میں وہ ایک دم کیلئے ساتھ رہنا گوارا نہیں کرتے اور مفارقت نہ ہو جب بھی وہ حقیقت میں زن و شوہر نہیں رہتے ٭

متضاد نتائج کا سبب

ایک عمل کے دو متضاد نتیجے اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ بعض زن و مرد سلیم المزاج ہوتے ہیں۔ معاہدہ سے پہلے وہ خود یا انکے سرپرست عادات و اطوار کا اندازہ لگا کر شادی کرتے ہیں اور شادی کے بعد معاہدہ کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ اپنی ضرورتوں کو دیکھتے ہیں معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔ طبعی اختلافات کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ زندگی خوب گذرتی ہے بعض لوگ زود رنج ہوتے ہیں مآل اندیشی کا وصف نہیں رکھتے اور عقل سلیم سے کام نہیں لیتے۔ ان میں باہم رنجشیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ زندگی تلخ و ترش گذرتی ہے یا جدائی تک نوبت پہنچتی ہے! اس صورت میں بھی شوہر کے بڑے بڑے ظلم و ستم پر شریف عورت صابر۔ جادۂ وفا پر گامزن اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں منہمک پائی گئی ہے۔ اور مرد اگر عقل سلیم رکھتا ہو تو عورت کی جہالت اور شورہ پشتی کو برداشت کرتے دیکھا گیا ہے۔ اور عورت مفارقت کی خواہش رکھتی ہو تو شریف مرد خاموشی کے ساتھ یہ مرحلہ بھی طے کرتے آئے ہیں۔ نزاع اور فساد ہمسایوں کے اندر چرچا پنچایتوں کے آگے فریاد اور عدالتوں کے اندر مقدمہ یا دیگر قباحتیں اسی صورت میں پیدا ہوتی ہیں جبکہ دونو طرف جہالت کا زور ہو اور عقل کی کوتاہی۔ یا ایک فریق کی ایذا رسانی کو اس حد تک پہنچائے کہ دوسرے میں صبر کی طاقت نہ ہے یا جبکہ ایک کی ناپاک زندگی کا ایسا تجربہ ہو جس کو دوسرا برداشت نہ کرے ٭

نکاح کی ضرورت اور فراق کی مجبوری

پس ایک طرف نکاح اور اس کے قیام کی ضرورت ہے کیونکہ زن و مرد دونو کی تمامتر آسائش بلکہ دنیا کا قیام اسی

پر منحصر ہے اور اسی لئے قرآن کریم میں اسکو میثاق غلیظ یعنے گہرا یا گاڑھا معاہدہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔
وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ (نساء پارہ - ع)

اور اسی لئے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے طلاق کو اَبْغَضُ الْمُبَاحَاتِ عِنْدَ اللّٰہِ یعنے جائز اعمال میں سے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل فرمایا ہے۔ دوسری طرف اس میں بھی شک نہیں کہ معاہدہ نکاح کو فسخ کرنے اور زن و شوہر کے علیحدہ ہونے کی ضرورت بھی بعض اوقات ایسی پیش آتی ہے کہ ایک فریق کو یا دونو کو اس کے بغیر تکالیف سے نجات نہیں ملتی ایسی ضرورت عورت کو محسوس ہو یا مرد کو اگر اس کو پورا کرنے اور علیحدہ ہونے کی اجازت نہ دیجائے تو مفروضہ تکلیف میں زندگی بسر کرنے کے علاوہ یہ دشواری اور بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ جس شخص سے دل میں نفرت پیدا ہوگئی ہے اور جس سے مفارقت کی تمنا ہے اس کے ساتھ عمر بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور بطور زن و شوہر کے باہم رہ کر خانہ داری کے تمام فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور ہمدردی و اعانت کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور مفارقت کا خواہشمند مرد ہو یا عورت دونو کو دل میں نفرت رکھکر محبت کے لوازم کو بجالانا سخت ناگوار ہوتا ہے۔

مرد کی مشکلیں اور مصارف کا بار

نفرت کرنے والے مرد پر اس کے علاوہ یہ مصیبت بھی آتی ہے کہ جس عورت سے وہ بیزار ہے اس کے مصارف کا بار بھی اسی پر ہے اور جس سے بات کرنا گوارا نہیں اس کی ضرورتوں اور فرمائشوں کا سرانجام اس پر فرض ہے۔ حالانکہ دوسرے شخص کے مصارف کو برداشت کرنے کی ہمت صرف محبت سے پیدا ہوتی ہے۔ آدمی اولاد پر صرف کرتا ہے۔ ماں باپ پر۔ بھائی بہن پر۔ عزیزوں اور رشتہ داروں پر صرف کرتا ہے ملک اور قوم پر صرف کرتا ہے ان سب سے کوئی نہ کوئی محبت کا تعلق ہوتا ہے اور جس کے ساتھ جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے اسیقدر اس پر زیادہ صرف کرنے کو آمادہ ہوتا ہے۔ اولاد سے زیادہ عزیز ہو اس پر آدمی اپنی ذات سے زیادہ صرف کرتا ہے مگر جس سے عداوت ہو اس پر ایک حبہ صرف کرنے کی بھی انسان کو توفیق نہیں ہوتی۔ تمام دنیا میں فقط ایک بیوی کی مثال ہے جس کو طلاق دینے کی اجازت نہ ملے۔ تو اس کے لئے وہی صرف برداشت کرنا پڑتا ہے جو محبت کی حالت میں ہوتا رہا ہے

یہ ایسا بار ہے جو اور سب تکلیفوں سے زیادہ مرد کو ناگوار رہتا ہے۔ اور جن ممالک میں عدالت کے اندر ثبوت پیش کرنے کے بغیر طلاق نہیں دے سکتے وہاں ایسے دعوے میں مرد کامیاب نہ ہوا اور حاکم طلاق کی اجازت نہ دے تو عورت شوہر کی حیثیت کے مطابق اپنے صرف کی ڈگری لیتی ہے جو عدالت کے زور سے جاری ہوتی رہتی ہے۔ اور ایسے مرد عورت کے ساتھ ایک گھر میں زن و شوہر کی طرح نہیں رہ سکتے۔ ایک ماہوار یا سالانہ جرمانہ ہوتا ہے جو مرد ادا کرتا رہتا ہے اور دوسرا جرمانہ دونو پر یہ ہوتا ہے کہ اور شادی نہیں کر سکتے۔ تمام عمر تکلیف اٹھاتے ہیں یا آوارگی میں بسر کرتے ہیں لیکن اگر عورت کو نفرت ہو۔ وہ شوہر کے خلاف طلاق کا دعوےٰ دائر کرے اور ثبوت نہ دے سکے تو اس پر وہی مصیبت رہتی ہے جو پہلے موجود ہوتی ہے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ وہ شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے اور اپنی مفروضہ تکلیف کے سوا خانہ داری کے اندر کسی تکلیف سے دوچار نہیں ہوتی۔ اندریں حالات مرد کو طلاق کا اختیار نہ دیا جائے تو اس کے لئے مصیبت زیادہ ہے اور عورت کی مصیبت ایسی حالت میں مرد کی نسبت کم ہے+

رنجش اور نفرت کے اسباب

ایک حقیقت غور طلب اور ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مرد اور خانہ دار عورت کی دلچسپیوں میں۔ انکے تجربوں میں اور ان کی دماغی حالت میں تفاوت ہے۔ مرد کے افکار اور اس کی دلچسپیاں عورت کیلئے دلکش نہیں ہیں اور عورت کے افکار اور اس کی دلچسپیاں مرد کے نزدیک اہمیت نہیں رکھتیں اور باہم رنجش اور اس کے بعد نفرت پیدا ہونیکے اسباب اگرچہ بے شمار اور مختلف الاقسام ہیں بعض اوقات اپنی بے وقوفی۔ بداطواری یا کج خلقی کی وجہ سے ایک فریق دوسرے کو پسند نہیں کرتا بعض اوقات دوسرے فریق کو بے وقوف بداطوار یا کج خلق پاکر اس سے نفور ہوتا ہے مگر ان سب کے علاوہ اکثر اوقات رنجش اور نفرت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو افکار اور جو دلچسپیاں ایک فریق رکھتا ہے فریق ثانی ان کو پسند نہیں کرتا یا ان میں کافی مدد نہیں دیتا یا ان میں مزاحم ہوتا اور نقصان پہنچاتا ہے مثلاً مرد جو مال تجارت گھر میں لایا ہے چاہتا ہے کہ عورت اس کو احتیاط سے رکھے یا تجارتی سرمایہ جو عورت کی تحویل میں ہے عورت اس کے حساب سے خبردار رہے۔ مگر عورت گھر کے کاروبار اور بچوں کی غور و پرداخت میں ایسی مصروف رہتی ہے کہ اور کام کی فرصت نہیں پاتی۔ مرد اپنے

پیشہ میں عورت سے مدد لینے کی ضرورت رکھتا ہے اور عورت اس میں ماہر نہیں ہوتی ۔ یا مرد اپنا زیادہ وقت علمی مشاغل میں بسر کرتا ہے اور عورت اسکو دل لگی اور تفریح میں مشغول رکھنا چاہتی ہے تو اس سے کسی قدر رنجش پیدا ہوتی ہے ۔ اس کے ساتھ اگر عورت شوریدہ پشت اور ضدی ہو یا مرد زود رنج اور تند مزاج ہو تو رنجش بڑھتی جاتی ہے اور باہم زندگی بسر کرنے میں دشواری نظر آتی ہے ۔ دونو یا ان میں سے ایک گرم ہونے کے بعد ٹھنڈا ہونے کی اور بگڑی بات کو سنوارنے کی قابلیت رکھتا ہو یا صاحب اولاد ہونے کی وجہ سے کوئی اور چارہ کار نہ دیکھتا ہو تو صلح جنگ کے جھولے میں جھولتے ہوئے وقت گذرتا رہتا ہے ۔ نہیں تو مفارقت کا عزم پیدا ہو جاتا ہے اسیطرح عورت نوکروں سے ناراض ہو کر چاہتی ہے کہ مرد اور آدمی مہیا کرے اور مرد اپنی مصروفیت میں پروا نہیں کرتا ۔ یا عورت بچوں کی تربیت نرمی سے کرنا چاہتی ہے اور ناز برداری کرتی ہے مرد اس کو جائز نہیں سمجھتا درشتی کرتا ہے یا عورت کو عزیزوں اور ہمسایوں سے لین دین اور سلوک کے اندر شکایتیں پیدا ہوتی ہیں مرد کو اپنا ہم خیال بنانا چاہتی ہے ۔ وہ ایسی باتوں کو فضول سمجھتا ہے یا عورت اپنی آرائش یا آسائش کیلئے کچھ فرمائش کرتی ہے اور مرد اسے پسند نہیں کرتا ۔ اسی طرح کئی خانگی معاملات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اور باہم جھگڑا ہوتا رہتا ہے تو عورت کے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ علیحدہ ہونا چاہتی ہے اور ہرچند بات خفیف ہو اور کچھ عرصہ کے بعد دونو متحد ہو جائیں مگر سر دست مفارقت کی خواہش پر غالب نہیں آسکتی ۔ فوری غصہ سے بے اختیار ہونے کی عادت کوتاہ اندیش مردوں میں بھی ہوتی ہے ۔ مگر عورت زیادہ دلچسپی چونکہ خانگی معاملات سے رکھتی ہے اور مرد اسکو زیادہ وقعت دیتے نہیں اس لئے غصہ سے مغلوب ہونے کے واقعات عورت کو مرد کی نسبت زیادہ پیش آتے ہیں ۔

اختیار مفارقت میں مرد اور عورت کا تفاوت

پس اگر مرد اور عورت دونو کو جب اُن کی خواہش ہو مفارقت کا اختیار دے دیا جائے تو عورت کو ایسے موقعوں سے مرد کی نسبت زیادہ مقابلہ پڑیگا جن میں وہ مفارقت کے بعد پشیمان ہوگی اور اپنی حرکت سے خود تکلیف پائیگی ۔ ان تمام حالات کا تقاضا ہے کہ سچی ضرورت کے وقت مرد اور عورت دونو کے لئے مفارقت کی سبیل پیدا کی جائے مگر فوری غصہ سے جو قباحتیں پیش آتی ہیں انکا علاج

بھی دونو کے لئے تجویز ہو البتہ مرد کے لئے مفارقت کی سہولت عورت کی نسبت زیادہ ہونی چاہئے کہ اس کی شکایتیں نسبتاً زیادہ وزن رکھتی ہیں اور نیز ایسے حالات میں اس کو صرف، کا بار اٹھانا بہت دشوار ہوتا ہے +

طلاق مسنون

اب اسلامی قانون کی دفعات ذیل ملاحظہ ہوں:-

۱- مرد کو جب چاہے طلاق کا اختیار حاصل ہے مگر طلاق کے وقت مہر ادا کرنا پڑتا ہے اور اگر پہلے ادا کر چکا ہو تو خواہ کیسی بڑی مقدار ہو واپس نہیں لے سکتا۔ اور عدت کے زمانے تک جو تین ماہ کے قریب ہے عورت کے لئے مکان اور ضروریات کا سامان مہیا کرنا مرد پر فرض ہوتا ہے +

۲- طلاق کیلئے مسنون طریق یہ بتایا گیا ہے کہ ان دنوں میں طلاق نہ دے جبکہ عورت ماہواری نجاست میں مبتلا ہوتی ہے اور مرد اس کی طرف سے بالطبع نفور ہوتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں طبعی نفرت غصہ کی شکل پیدا کر سکتی ہے اور مناسب غور و تامل کا موقع کم ہوتا ہے۔ اگر مرد جہالت کرے اور اس حالت میں طلاق دیدے تو گنہگار ہوتا ہے مگر طلاق نافذ ہو جائیگی +

۳- عورت کے پاک صاف ہونے کے زمانے میں صرف ایک طلاق دے۔ اس کو رجعی طلاق کہتے ہیں۔ عدت کے اندر مرد اپنے الفاظ کو واپس لے سکتا ہے اور بغیر دوبارہ نکاح کرنے کے دونو بطور زن و شوہر کے رہ سکتے ہیں۔ عدت گذر جائے اور بعد میں مرد پشیمان ہو تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں +

۴- رجعی طلاق کے بعد اگر مفارقت کو زیادہ پختہ کرنا ہو (حالانکہ شریف آدمی کو اس کی ضرورت نہیں) تو دوسرے مہینہ میں عورت کے پاکیزہ ہونے کے ایام میں ایک طلاق اور دے اس فعل کو طلاق بائن کہتے ہیں (طلاق رجعی بھی عدت کے بعد طلاق بائن ہو جاتی ہے) اس کے بعد اگر اپنے فعل سے نادم ہو تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے +

۵- دائمی مفارقت کا ارادہ ہو تو تیسرے مہینہ میں ایک بار طلاق اور دے۔ یہ طلاق مغلظہ ہوگی جس کے بعد مواصلت نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر عورت کسی اور شخص سے نکاح کرے اور اس کے گھر میں بطور بیوی کے رہنے کے بعد طلاق لے یا بیوہ ہو جائے تو شوہر اول

کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے ۔

طلاق غیر مسنون

طلاق مسنون یعنے مستحسن شکلیں طلاق کیلئے یہی ہیں۔ انکے علاوہ اور شکلوں کی سب طلاقیں مستحسن نہیں ہیں۔ آدمی ایک ہی مجلس میں دو یا تین طلاقیں دیدے۔ تو ظالم ہے۔ عذاب اخروی کا مستحق ہے مگر یہ طلاق اپنی شکل کے مطابق نافذ ہو جائیگی یعنے دو طلاقیں دی ہیں تو طلاق بائن ہوگی جس کے بعد طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ البتہ تین طلاق یک جا دینے کی نسبت قرآن میں جو حکم ہے اُس کا مفہوم معین کرنے میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور اکثر ائمہ دین ایک مجلس میں تین طلاق دینے پر اسے طلاق مغلظہ نہیں کہتے اور دوبارہ نکاح کی اجازت ثابت کرتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کوئی تین طلاقوں کو خواہ ایک مجلس میں دی جائیں یا جُداگانہ مغلظہ قرار دیتے ہیں اور ایسی طلاق کے بعد بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے شوہر اول کے ساتھ نکاح کو جائز نہیں کہتے ۔

ہندوستانی قانون کا نقص

ہندوستان کے اندر انگریزی عدالتوں نے طلاق کے ان احکام کو نظر انداز کر دیا ہے اور طلاق کیلئے صرف ایک شکل معین کر لی ہے۔ وہ کاغذ پر "ایک طلاق دو طلاق تین طلاق" کا لفظ لکھواتے ہیں تو طلاق کو نافذ مانتے ہیں اور ہر شخص کو طلاق مغلظہ دینے پر مجبور کرتے ہیں۔ حالانکہ یکدم تین طلاق دینے کا فعل ناجائز ہے اور نیز طلاق کی تعداد کو معین کرنا شوہر کی اپنی رضا پر منحصر ہے۔ وہ اپنے اختیار سے بغیر مجبوری کے جتنی دفعہ طلاق دے عدالت کو اسی کے مطابق حکم نافذ کرنا چاہیئے کونسلوں میں قانون روز بنتے ہیں مگر مسلمان ممبر چونکہ مذہب سے کمتر آشنا ہوتے ہیں ایسے غلط قانون کو درست کرنے کی توفیق نہیں پاتے۔ ہائی کورٹ کا فیصلہ بھی قانون ہے اور اصولی طور پر ایسے معاملات میں مسلمانوں کا پرسنل لا نافذ ہے مگر ہائی کورٹ کے مسلمان جج بھی اسلامی احکام کا شعور مسلمان دھوبی۔ نائی یا تیلی سے زیادہ نہیں رکھتے۔ ایسے نقائص دیکھنے کی قابلیت ان میں بھی نہیں۔ علمائے اسلام مسلمانوں کے پرسنل لا میں ایسی غلط فہمیاں بہت دیکھتے ہیں مگر یہ کہکر چپ ہو رہتے ہیں کہ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ

جب تک قاضی کا منصب بحال نہ ہو اور اُس کرسی پر لنڈن اور آئرلینڈ کے ڈگری یافتگان کی بجائے کسی بوریا نشین مُلا کو بٹھا دیا جائے۔ عدالتوں کی کج ادائیاں دور نہیں ہوسکتیں ؛

خُلع

۷۔ عورت طلاق لینی چاہے تو حاکم وقت سے اجازت لینے پر مجبور ہے۔ اور اس طرح جو طلاق حاصل کریگی وہ بائن ہوگی اور تجدید نکاح کے بعد شوہر کے ساتھ رہ سکیگی ؛

۸۔ عورت کی طلاق کے لئے جس کو خُلع کہتے ہیں عورت کے دل میں بخۃ نفرت پیدا ہونے کے سوا اور کوئی شرط احکام شریعت کے رو سے ثابت نہیں ہوتی۔ قرآن میں ارشاد ہے

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا
جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ
حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
(بقرہ پارہ ۲ ع ۲۹)

اگر تم کو اندیشہ ہو کہ زن و شوہر خدا کے حکم کو پورا نہ کرسکینگے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ تاوان دے کر طلاق حاصل کرے۔ یہ خدائی احکام ہیں ان سے روگردانی نہ کرنا۔ جو خدائی احکام سے روگردانی کرے وہ ظالم ہے ؛

اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اگر عورت نفرت کی وجہ سے گمان رکھتی ہو کہ حقوق زوجیت پورے طور پر ادا نہ کرسکیگی تو شوہر کی طرف سے بالطبع یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ عورت کی طرف سے کوتاہی دیکھیگا تو اس کو تنبیہہ کرنے کی صورت میں اعتدال سے بڑھ جائیگا اور اس پر ظلم روا رکھیگا اس طرح دونو حقوق ادا کرنے کے خدائی فرمان سے منحرف ہو جائینگے کیونکہ ایک طرف سے نفرت کا اظہار ہو تو دوسری طرف غصہ ضرور پیدا ہوگا اور نفرت اور غصہ دونو بلائیں آدمی کو سلامت روی سے دور کر دیتی ہیں (تفسیر کبیر) یہ شکل ہے جس میں عورت کی درخواست مفارقت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قانون خلع کی نظیریں

یہی شکل پیدا ہوئی ہے سب سے پہلی نظیر میں جس کا اس قانون کے مطابق فیصلہ ہوا ہے۔ جمیلہ بنت عبداللہ جو ثابت بن قیس کی بیوی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔ اس کو اپنے شوہر سے

نفرت ہے اور شوہر کو اس سے محبت ہے۔ جو الفاظ مختلف روایات میں اس کی زبان سے مروی ہیں وہ یہ ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے شوہر کی طرف سے نہ سلوک کے بارہ میں شکایت ہے نہ دینداری کے بارہ میں۔ ایک دن خیمہ کا پردہ ہوا سے اڑا اور مجھے شوہر ایک جماعت کے اندر نظر آیا۔ وہ سب سے پست قد تھا سب سے بدصورت تھا سب سے سیہ فام تھا۔ اس لئے نفرت ہوگئی۔ میں اس کے پاس رہوں تو حقوق زوجیت ادا نہ کر سکونگی اور میں مسلمان ہوکر ایسی کافرانہ عادت میں مبتلا رہنا پسند نہیں کرتی۔ شوہر نے کہا حضرت حکم دیں کہ میرا باغ جو مہر میں لیا ہے واپس کردے اس نے کہا بڑی خوشی سے۔ بلکہ کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں حضرت نے فرمایا نہیں صرف باغ واپس کردو شوہر سے کہا طلاق دیدو ٭

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر کی خلافت میں پیش آیا ہے کہ عورت نے نفور ہوکر مفارقت کی التجا کی۔ حضرت عمر نے اسے رات کو بیت الخلا میں بند کردیا اور صبح کو پوچھا کہ رات کیسی گذری۔ اس نے کہا جیسی آرام کی یہ رات گذری ہے شوہر کی صحبت میں کبھی نہیں دیکھی حضرت عمر نے شوہر سے کہا چوٹی کا موباف ہی ہو تو وہ بھی لیکر طلاق دیدو۔ (تفسیر طبری)

نزاع اور پنچایتی فیصلہ

۹۔ زن و شوہر کے اندر جو نزاع پیدا ہو قرآن کریم اس کے لئے دو منصف مقرر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جن میں سے ایک مرد کا رشتہ دار ہو اور ایک عورت کا حضرت علی نے ایک ایسے واقعہ میں اپنے زمانہ خلافت کے اندر اس حکم کے مطابق دو منصف مقرر کئے اور منصفوں سے فرمایا کہ دیکھو۔ تم جانتے ہو تمہارا فرض کیا ہے۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اگر ان دونو کو جمع کر سکتے ہو تو کردو اور اگر سمجھو کہ ان میں مفارقت ہونی چاہیئے تو جدا کردو۔ عورت نے کہا کہ میرے حق میں یا میرے خلاف جو فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہے اس کے شوہر نے کہا کہ میں بھی ہر ایک حکم کو ماننے کیلئے تیار ہوں مگر مفارقت پر رضامند نہ ہونگا حضرت علی نے فرمایا تو غلط کہتا ہے۔ تجھے بھی وہی اقرار کرنا ہوگا جو عورت نے کیا ہے (تفسیر کبیر) اس آیت اور اس تفسیر کے مطابق جدائی اور مواصلت کا کامل اختیار دیگر دو منصف مقرر کئے جائینگے اور آیت میں خدا کا وعدہ ہے کہ اگر

٭ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا (نساء پارہ ۵ ع ۳) امام رازی علیہ الرحمہ نے دیر ۱۹۳)

منصف صدق دل سے زن و شوہر کی اصلاح حال کی کوشش کرینگے تو دونو منصفوں کے مابین خدا کسی فیصلہ پر اتفاق پیدا کردیگا اور ان کے تقرر کا مدعا جیسا کہ تفسیر میں لکھا ہے یہ ہوگا کہ خلوت میں دونو کا عندیہ معلوم کریں اور دیکھیں کہ دونو کسی شکل سے نکاح کو قائم رکھنے پر رضامند ہو سکتے ہیں یا نہیں - اگر ایسا ممکن ہوا تو صلح کرا دینگے اور اگر دیکھینگے کہ عورت کسی وجہ سے ایسی متنفر ہے کہ حقوق زوجیت خوشی سے ادا نہ کرسکیگی تو آیت خلع کے مطابق اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق مفارقت کا حکم دینگے اور وہ نافذ ہوگا +

خلع کا معاوضہ

۱۰ - نکاح کے وقت شوہر پر فرض ہوتا ہے کہ کوئی ایسی رقم جس پر دونو کا اتفاق ہو نکاح کے وقت دے یا آئندہ دینے کا وعدہ کرے - اس رقم کو مہر کہتے ہیں اور یہ رقم جب تک عورت معاف نہ کرے قیام نکاح اور وقوع طلاق دونو صورتوں میں واجب الادا ہے - اس کے مقابلہ میں عورت پر خلع کے وقت اگر شوہر طلب کرے تو کسی رقم کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے مگر جیسا کہ ثابت بن قیس کے واقعہ میں ذکر ہوا شوہر کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو مہر دے چکا ہے اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ نہ کرے اور بغیر کوئی رقم طلب کرنے کے طلاق دیدے تو کار ثواب ہے - اور مہر سے زیادہ رقم پر اگر دونو اتفاق کریں تو وہ بھی جائز ہے

بقیہ حاشیہ ۱۹۲ - اس جملے کے چار معنے کئے ہیں (۱) اگر منصف زن و شوہر کی بھلائی چاہینگے تو خدا منصفوں کو کسی بات پر متفق کردیگا (۲) اگر منصف زن و شوہر کی بہتری چاہینگے تو خدا زن و شوہر میں اتفاق پیدا کر دیگا - (۳) اگر زن و شوہر اپنی بہتری چاہینگے تو خدا زن و شوہر میں اتفاق پیدا کر دیگا - (۴) اگر زن و شوہر اپنی بہتری چاہینگے تو خدا منصفوں میں اتفاق پیدا کر دیگا" امام موصوف نے ان معنوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی مگر میرے دل پر پہلے معنوں کا اثر سب سے زیادہ ہوا ہے اسلئے کہ اگر خدا کا یہ وعدہ ہوتا کہ منصفوں کی خواہش اصلاح سے زن و شوہر میں اتفاق ہو جائیگا تو ایسے اچھے نتیجہ کا یقین رکھنے کے بعد منصفوں پر صلح کرانے کی کوشش فرض ہوتی اور سب سے پہلے مقدمہ میں جبکہ دو منصفوں کی جگہ خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام منصف ہوئے ہیں حضرت بھی ثابت بن قیس اور ان کی بیوی میں صلح کی کوشش فرماتے حالانکہ حضرت نے دونو کا بیان سنتے ہی مفارقت کا حکم دیدیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منصف کے نیک نیتی سے نہ ہر زن و شوہر میں اتفاق پیدا کرنیکا وعدہ ہے نہ ہمیشہ انمیں صلح کرانیکی کوشش فرض ہے پس دوسرے معنے اس موقع پر چسپاں نہیں ہیں اور تیسرے اور چوتھے معنے بھی موزون نہیں ہیں اسلئے کہ زن و شوہر ہمیشہ اپنی بہتری چاہتے ہیں باوجود اس کے کبھی انمیں صلح ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی اور اسیطرح زن و شوہر اپنی بہتری ہمیشہ چاہتے ہیں اور باوجود اس کے منصفوں میں کبھی اتفاق ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا - مگر یہ ضرور صحیح ہے کہ اگر منصف دل سے زن و شوہر کی بہتری چاہینگے اور کسی ایک فریق کی رعایت نہ کرینگے تو زن و شوہر کی حالت اور انکے خیالات دیکھکر اگر ہمیشہ نہیں تو اکثر حالات میں کوئی متفقہ فیصلہ صادر کردینگے پس اسیقدر خدا کا وعدہ ہے جو تجربہ سے صحیح ثابت ہوتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن مقدمات کا فیصلہ دو جج ملکر کرتے ہیں انمیں اکثر اتفاق ہوتا ہے اور شاذ و نادر اختلاف اور طرفداری و رعایت کے واقعات کو نکال دیا جائے تو اختلاف کی مثالیں اور بھی کم رہجاتی ہیں +

مستحسن نہیں +

تفصیل کا خلاصہ

۱۱۔ ان سب احکام کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اگر مرد عورت سے بیزار ہو گیا ہے تو چونکہ اس کو قابل نفرت حالات میں عمر بسر کرنے کے علاوہ صرف کا بار بھی برداشت کرنا پڑتا ہے اسے اس دشواری سے عہدہ برآ ہونے کا اختیار دیا گیا ہے اور مہر ادا کرنے کا فریضہ اور عورت کے مصارف کا بار عدت کے زمانہ تک اس پر ڈالا گیا ہے اور طلاق کی شکلیں اور انکے احکام مختلف مقرر کیے گئے ہیں تا ندامت پیدا ہو تو اپنے الفاظ کو ایک صورت میں محض اپنے اختیار سے اور ایک صورت میں عورت کی رضامندی سے واپس لے سکتا ہے اور نفرت زیادہ ہو تو مفارقت کو پختہ کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں بھی ایک شرط ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اگر وہ پوری ہو جائے تو دوبارہ جمع ہو سکتے ہیں۔ اگر عورت بیزار ہو گئی ہے اور جدا ہونا چاہتی ہے تو اسے اس ارادہ کے پورا کرنے میں حاکم اور دو منصفوں کے مشورہ سے مدد لینے کا موقع دیا ہے تا کہ اس کے عزم میں جو حصہ اس کے جذبات کا ہے اور جذبات نے جس قدر عقل سلیم کو مغلوب کر لیا ہے۔ اس سے آگاہ ہونے اور مشیروں کے ساتھ ملکر غور کرنے کا موقع ملے۔ اس کے بعد بھی اگر اس کی طرف سے اصرار ہو تو مفارقت کا حکم دیا ہے اور رفع ندامت کی سبیل اور زن و شوہر رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح کی اجازت اس صورت میں بھی بحال رکھی گئی ہے۔

اقوال ائمہ

۱۲۔ احکام شریعت کو دیکھنے کے بعد ضرورت ہے کہ ائمہ دین کے اجتہاد و قیاس کو بھی دیکھا جائے کیونکہ مسلمانوں کی تعداد کثیر تمام مسائل فقہیہ میں مجتہدین اسلام میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کرتی ہے ایسے لوگوں کو اپنے مسلک کے مطابق اصول تقلید میں غور کرنے کے بغیر تسکین نہیں ہو سکتی۔ اس بارہ میں حضرت عمر اور حضرت علی کی رائے معلوم ہو چکی ہے۔ حضرت عمر نے عورت کی نفرت کا اندازہ لگانے کے بعد شوہر کو طلاق کے لئے تاکیدی حکم دیا ہے اور حضرت علی نے منصفوں کا فرض ہی یہ مقرر کیا ہے کہ صلح کروادو یا طلاق دلوادو۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک اور غیر معروف مجتہدین میں سے امام اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ دونوں منصف اگر زن و شوہر کے افتراق کا فیصلہ کریں تو اس کی پابندی واجب ہے (تفسیر کبیر) امام شافعی کی جانب اس بارہ میں دو خیال منسوب کئے جاتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ

اس صورت میں افتراق کو واجب سمجھتے ہیں اور ایک روایت کے رو سے واجب نہیں سمجھتے (تفسیر کبیر) مگر علمائے شافعیہ بالعموم امام شافعی کی پہلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور افتراق کے واجب ہونے پر یقین رکھتے ہیں (نووی شرح مسلم۔ کتاب الطلاق) امام ابو حنیفہ کی طرف یہ خیال منسوب ہے کہ ایسی صورت میں شوہر کے لیئے بہتر ہے کہ طلاق دیدے (مرقاۃ شرح مشکواۃ) اس اختلاف میں دو طرح سے غور کرنے کی ضرورت ہے (۱) نصوص شرعیہ اور الفاظ حکم سے کس مجتہد کے قیاس کو زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔ (۲) تقلید کو ہاں کر اور حالات گرد و پیش کو دیکھکر ایسے اختلافی مسائل میں فتوے دینے کے لیئے فقہائے اسلام کیا مسلک اختیار کرتے ہیں ٭

زن و شوہر کی بے آرامی اور مبتلائے معصیت ہونیکا اندیشہ

اول۔ بحث اس صورت میں ہے کہ عورت نارضامند ہے اور شوہر سے کچھ شکایت رکھتی ہے۔ یہی صورت ہے جس میں خلع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی صورت ہے جس میں منصف مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور یہی صورت ہے جس کا فیصلہ حاکم کے حکم پر موقوف ہے۔ ورنہ اگر مرد بیزار ہو تو اُسے حاکم سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں منصف ماننے کی ضرورت نہیں نہ عورت کی طرف سے تاوان لینے کا موقع ہے۔ یہ سب مرحلے صرف عورت کی نارضامندی پر طے کیئے جاتے ہیں اور یہ شکل بذات خود ثابت کرتی ہے کہ ایسے گھر میں راحت و فرحت مفقود ہے کیونکہ ایک فریق کو نفرت ہے تو دوسرا فریق بھی اس کی صحبت میں خوش نہیں رہ سکتا۔ اس پر مستزاد یہ ہے کہ قرآن کریم نے خلع کا حکم اسی صورت میں دیا ہے جبکہ اندیشہ ہو کہ عورت نفرت کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا کرنے میں کوتاہی کریگی اور شوہر ایسی کوتاہیوں کو دیکھکر ناراض ہوگا تو اس پر کسی طرح کی زبردستی کریگا۔ یہ صورت زن و شوہر دونو کے عیش کو مکدر کرنے کیلئے کفایت کرتی ہے۔ عورت کو ایسے شوہر کا گھر دوزخ معلوم ہوگا اور شوہر کو بیزار عورت اور بیکار عورت کے ساتھ رہنے میں زناشوئی کا لطف نہ آئیگا۔ بلکہ ایسی عورت کے پاس آکر طبیعت اور زیادہ مکدر ہوگی اور وہ گھر میں آنے کی نسبت باہر رہنے کو ترجیح دیگا۔ جن لوگوں کا اپنی بیویوں سے اتحاد ہے ان میں بھی کبھی کبھی باہمد گر رنجیدہ ہونے کا موقع پیش آجاتا ہے اور

تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے بیزار ہونیکا ذائقہ ہر شخص کو چکھنا پڑتا ہے۔ اس وقت اگر عورت کی قلبی حالت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تو مرد اپنی حالت کو دیکھ سکتا ہے کہ اس کو اپنے گھر سے کیسی نفرت ہوتی ہے اور بیوی کے پاس بیٹھنا بلکہ اس کا سامنے آنا کیسا ناگوار ہوتا ہے۔ اور ثابت ہو جاتا ہے کہ گھر کی راحت اور لذت اسی وقت تک ہے کہ مرد اور عورت دونو کا دل شکایتوں سے صاف ہو۔ ورنہ عورت اگر بیزاری کی حالت میں شوہر کے پاس بکراہ گرم کوئلو پر لوٹتی ہے تو مرد ایسی عورت کی صحبت میں کانٹوں کی سیج پر سوتا ہے۔ ہمارے زمانے میں عورت کو یہ مصیبت پیش آتی ہے اور مرد اس کی پروا نہیں کرتے اور پھر بھی خوش رہتے ہیں تو اس لئے کہ وہ جائز اور ناجائز طور پر اپنے لئے اور انتظام کر لیتے ہیں اور بیوی کو اگر گھر میں رکھتے ہیں تو کنیز سمجھتے ہیں اور باہر نکال دیتے ہیں تو اس کی ہر حالت سے بے خبر ہوتے ہیں۔ قدر عافیت جب معلوم ہوتی ہے کہ کوئی شخص مذہب اسلام کا پورا پابند ہو منکوحہ عورت کے سوا کسی طرف دیکھ نہ سکے۔ ایک سے زیادہ نکاح کرے تو پورے انصاف سے نوبت بنوبت سب کے ساتھ بود و باش رکھے اور سب کی ضروریات کا اہتمام کرے اسوقت اسے معلوم ہوگا کہ وہ دن کیسا منحوس ہوتا ہے جو بیزار عورت کی صحبت میں گذرتا ہے اور وہ خرچ کیسا ناگوار ہوتا ہے جو ایسی عورت کے لئے کرنا پڑتا ہے۔

قرآن کریم اور مصیبت سے محفوظ رکھنے کا اہتمام

قرآن کریم میں آیت خلع کے اندر اس تکلیف کا علاج بتایا گیا ہے اور کج خلقی و دل آزاری کے گناہ سے جس کے ارتکاب کا اندیشہ زن و شوہر دونو کی طرف سے بری رکھنا چاہا ہے لیکن اگر آیت خلع کا مفہوم یہ لیا جائے کہ اس صورت میں طلاق کا دینا شوہر پر واجب نہیں ہے اور وہ ناراض عورت کو اپنے تصرف میں رکھ سکتا ہے تو جس اندیشہ کی بنا پر یہ حکم دیا گیا ہے وہ بجنسہ موجود رہیگا اور اس کے نتیجہ میں جو بے آرامی اور زحمت دونو کو اٹھانی پڑیگی اس کا تدارک نہ ہوگا۔ بلکہ ایک طرح سے اجازت ہوگی کہ عورت حقوق زوجیت ادا نہیں کرتی تو نہ کرے اور مرد اس پر ظلم کرتا ہے تو کئے جائے اور دونو کی زندگی بے لطف گذرتی ہے تو گذرا کرے یعنے اس موقع پر طلاق کا ذکر کرنے اور اسے اولی قرار دینے کے بعد لازم

آئیگا کہ حدود اللہ کو قائم رکھنے کی کوئی پروا نہیں کیگئی اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے جائز سمجھا گیا ہے۔ صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسا نہ کرتے اور جدا ہو جاتے تو بہتر تھا۔ حالانکہ یہ حکم قرآنِ حکیم کا ہے جو ہر قسم کی معصیت سے پاک کرنے اور معصیت کے ہر اندیشہ پر سبیل کار بتانے کیلئے نازل ہوا ہے اور اس کی ہر آیت سے اسی حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔

اندیشۂ معصیت اور تبدیلِ وصیت

مرنے والا اپنے مال کی نسبت وصیت کرے تو وارثوں پر اسکی تعمیل فرض ہے اور اس میں کمی بیشی کریں تو گنہگار ہوتے ہیں لیکن اگر خود وصیت کسی ظلم اور معصیت کی بنیاد رکھتی ہو تو وصیت کرنے والے کو ایسی وصیت سے روکنا اور مر جائے تو اس کی وصیت میں مناسب تغیر کر دینا کار ثواب ہے اور اس کو بجنسہ نافذ کرنا گناہ۔ ارشاد ہے:۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا
اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

وصیت کے الفاظ سننے کے بعد جو اسکو بدل دے تو بدلنے والوں پر گناہ ہوگا کیونکہ اللہ سننے اور جاننے والا ہے جو وصیت کرنے والے سے کسی ظلم یا گناہ کا اندیشہ رکھتا ہے وہ وصیت میں اصلاح کر دے تو گناہ نہیں خدا بخشش کرنے والا مہربان ہے۔

اس مبارک فرمان میں نہ صرف معصیت کے ارتکاب پر بلکہ اس کا اندیشہ پیدا ہونے کی صورت میں بھی روکنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ وصیت کرنے والا اپنے مشیروں کے سامنے ارادہ کا اظہار کرتا ہو اور اس کے الفاظ سے اندیشہ پیدا ہوتا ہو کہ اس کے ہاتھ سے کوئی ظلم ہونے والا ہے تو مشیروں پر فرض ہے کہ فوراً آگاہ کریں۔ اور اگر وصیت کر چکا ہے جس میں ظلم کا ارتکاب ہوا ہے تو اس کی زندگی میں خود اس کے ہاتھ سے وصیت کو بدلوایا جائے اور مرنے کے بعد جو لوگ اختیار رکھتے ہیں وہ بدل دیں یہ فریضہ اس پر بھی عائد ہے جس کو وصیت کی تعمیل پر مقرر کیا ہے۔ ان پر بھی عائد ہے جو گواہ بنائے گئے ہیں۔ حاکم پر بھی عائد ہے۔ ناصحین اور واعظین پر بھی عائد ہے۔ اور اسی کوشش میں کوشش کرنے والوں کے کسی قول یا فعل سے اگر نادانستہ کسی شخص کی دل شکنی اور دل آزاری

ہوتی ہو تو غفور رحیم کے الفاظ لا کر اس کو معاف کرنے کی نوید دیگئی ہے۔ کیونکہ اس کی نیت بخیر ہے (تفسیر کبیر)

تعدی کا اندیشہ اور صلح کی تاکید

علیٰ ہذا عورت کو شوہر کی طرف سے کسی قسم کی بے توجہی یا تعدی کا اندیشہ ہو تو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے دل کو صاف کرنے کی کوشش کرے۔ ارشاد ہے:۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا
اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ
يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَيْرٌ
وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۵ (نساء پارہ ۵ ع ۱۹)

اگر عورت اپنے شوہر سے کسی زبردستی یا روگردانی کا اندیشہ کرے تو اس کو چاہئے کہ باہم صلح کی کوشش کرے اور صلح بہتر ہے مگر دلوں میں خودغرضی رکھی گئی ہے۔ اگر تم احسان کرو اور خدا سے ڈرو تو خدا تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یہاں بھی جیسا کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے خشونت اور اعراض کے پیدا ہونے کے بعد نہیں بلکہ اس کی علامتیں دیکھکر عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی نہ کسی طرح شوہر کو اس گناہ سے اور اپنے تئیں مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچائے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی رعایت دیکر یا سہولت پیدا کر کے اتحاد و موافقت کی طرف لائے۔

فساد کا اندیشہ اور معاہدہ کی تنسیخ

اسی طرح مسلمانوں سے کسی قوم کا معاہدہ ہو تو اس کی پابندی کرنے کی تاکید کئی جگہ کیگئی ہے لیکن ان کی طرف سے خلاف ورزی کی علامتیں دیکھنے کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ فسخ معاہدہ کی اطلاع دیدو اور اپنے قول و فعل کی آزادی میں انکے برابر ہو جاؤ۔ ارشاد ہے:۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ
عَلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْخَآئِنِيْنَ ۵ (انفال پارہ ۱۰ ع ۷)

اگر کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو معاہدہ کو واپس کر کے برابر ہو جاؤ۔ خدا خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔

دشمن کا اندیشہ اور نماز میں اختصار

ادائے نماز کی اسلام میں جیسی کچھ تاکید ہے کسی سے مخفی

نہیں مگر جہاں دشمن کی طرف سے کسی بلا کا اندیشہ ہو وہاں نماز کو قصر کرنے اور جلدی فارغ ہونے کا حکم ہے۔ ارشاد ہے:-

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط (نساء پارہ ۵ ع ۱۵)	جب تم سفر میں ہو تو حرج نہیں کہ نمازیں قصر کر دو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ جو لوگ کافر ہیں تم کو کسی قسم کی بلا میں مبتلا کرینگے ۔

طلاق کو ولی سمجھنے کا فیصلہ بے محل ہے

غرض ہر حال میں گناہ کا اندیشہ ہو یا کسی تکلیف کا۔ قرآن حکیم نے اس سے سلامت رہنے کی سبیل بتانے میں کوتاہی کبھی نہیں کی اور ہمیشہ برمحل رہنمائی کی ہے۔ خلع کے وقت مرد اور عورت دونوں کی نسبت احکام الٰہی کی نافرمانی اور ادائے حقوق میں قصور کرنے کا اندیشہ تسلیم کیا گیا ہے تو کیا ایسے وقت کیلئے صرف یہی حکم کافی سمجھا گیا ہوگا کہ جدائی بہتر ہے لیکن جدا نہ ہو اور اسی گناہ میں مبتلا رہنے کو برداشت کرو تو جائز ہے ۔

آیت کا اختصار اور حکم طلاق کا استنباط

قرآن حکیم میں ہمیشہ ایجاز و اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جو مطالب طرز کلام سے خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں ان کے اظہار کی ضرورت نہیں سمجھی گئی حتی کہ بعض جگہ شرط کے بعد جزا کا بھی ذکر نہیں ہوا۔ ارشاد ہے:-

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ (نور پارہ ۱۸ ع ۱)	اور اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اگر اللہ کی ذات توبہ قبول کرنیوالی اور حکمت کی مالک نہ ہوتی۔
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط (نور پارہ ۱۸ ع ۲)	اور اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ خدا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اسی طرح خلع کے ذکر سے پہلے طلاق کا ذکر آچکا ہے۔ ساتھ ہی یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو مہر ادا کر چکے ہو طلاق دینے کے بعد واپس نہ لینا آگے خلع کا ذکر آیا ہے اور ان کے معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے تو اسوقت چونکہ مہر واپس لینے کی اجازت ہے اور مہر واپس ہوتا ہے طلاق کے بعد اس لئے اسی کے ذکر پر اکتفا کیا۔ طلاق کا مفہوم خود بخود سمجھ میں آگیا بلکہ کلام میں اور زور پیدا ہو گیا اور سمجھا گیا کہ یہ ایسا واضح حکم ہے جسکے ذکر کی ضرورت نہیں پوری آیت یہ ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ط فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ
اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ
اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ
خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
(بقرہ پارہ ۲ - ع ۲۹)

طلاق دو بار ہے جس کے بعد نیک سلوک کے ساتھ عورت کو رکھنے کی اجازت ہے یا احسان کے ساتھ آزاد کرنیکی۔ تم کو جائز نہیں کہ جو انکو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لو مگر صورت میں جب کہ احکام خدا کو توڑنے کا اندیشہ ہو پس اگر تم کو اندیشہ ہو کہ وہ دونو حکم خدا پر قائم نہ رہینگے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر عورت بھتاوان دیکر آزادی لے۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ خدا کی مقرر کی ہوئی حدود کو توڑتے ہیں وہ بے بیشک بڑے ظالم ہیں۔

حسب معمول اس آیت کے آخری الفاظ بھی معنے خیز ہیں۔ حدود اللہ کو توڑنے سے روکا گیا ہے اور ایسی جرأت کرنے والوں کو ظالم کہا گیا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بارہ خاص میں کون سی حدود کے ٹوٹنے کا احتمال ہے۔ مہر کو واپس لینے کی ممانعت تھی اس کی خلع کے وقت خود ہی اجازت دے دی ہے تو مہر کے واپس لینے سے کسی حد کو توڑنے کا ارتکاب نہ ہوگا۔ اگر شوہر طلاق دے اور مہر واپس نہ لے جب بھی صحیح ہے اور کسی حد کا فسخ لازم نہیں آتا۔ صرف یہی مرحلہ باقی ہے کہ مرد ایسی عورت کو طلاق نہ دے۔ عورت ادائے حقوق میں قصور کرنے سے اور مرد اس پر ظلم و تعدی کرنے سے گنہگار ہوتا ہے یہی شکل ہے جس میں حدود اللہ کو توڑا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا فعل ممنوع ہوگا اور بیزار عورت کو زوجیت میں رکھکر مرد ظالم بنیگا تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس وقت طلاق دینے پر مجبور نہیں ہے۔

دربار نبوت کا فیصلہ اور طلاق کا جبری حکم

آیت خلع کو دیکھنے کے بعد اس فیصلہ کو جو خلع کے بارہ میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار خاص سے صادر ہوا ہے دیکھا جائے تو اس سے بھی شوہر کیلئے کوئی رعایت خیال میں نہیں آتی۔ عورت نالش کرتی ہے۔ سچا واقعہ عرض کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیتے ہیں۔ اب اگر بقول صاحب مرقاۃ فرض کیا جائے کہ حضرت نے

شوہر کو صرف مشورہ دیا ہے جس کی بجا آوری اس کے لئے واجب نہ تھی اور وہ چاہتا تو اس سے انکار کرتا اور عورت کو تصرف میں رکھنا تو ایسے مشورہ کے لئے صحیح طرز کلام وہ ہے جو ایک موقع پر صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مُغیث اور بریرہ دونو میاں بیوی تھے اور غلام تھے۔ بریرہ آزاد ہوگئی اور حسب قاعدہ اُس نے آزادی کے بعد غلام کی زوجیت میں رہنا نہ چاہا۔ افتراق ہوگیا۔ اب مغیث کو دیکھا جاتا تھا کہ وہ روتا ہوا بریرہ کے پیچھے پھرا کرتا تھا۔ حضرت نے یہ دیکھکر بریرہ سے فرمایا کہ کاش تو اس سے دوبارہ نکاح کر لیتی۔ اس نے عرض کی کہ کیا آپ حکم دیتے ہیں۔ فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں۔ اس نے کہا تب مجھے ضرورت نہیں اسی طرح یہاں شوہر کو طلاق کا حکم دینے کی بجائے حضرت دونو کو سبیل کار بتاتے۔ شوہر سے صاف فرماتے کہ طلاق بہتر ہے مگر ہم مجبور نہیں کرتے اور عورت کو ارشاد ہوتا کہ ہم نے طلاق کا مشورہ دیا ہے اگر اس نے تسلیم کیا تو بہتر ہے ورنہ تم کو اس کی زوجیت میں رہنا پڑیگا اور تمام حقوق ادا کرنے ہونگے نہیں تو گنہ گار ہوگی اور سزا پاؤگی یا اُس کے حق میں کسی رعایت کا امکان ہوتا تو فرماتے کہ تم کو شوہر کی فلاں فلاں خدمت سے سبکدوش کیا جائیگا فلاں فلاں کام معاف نہ ہوگا۔ مانا یہ جاتا ہے کہ حضرت نے صرف مشورہ دیا ہے اور الفاظ حکم ناطق کے بیان کئے جاتے ہیں۔ دوسری جانب عورت ادائے حقوق میں کوتاہی کرنے کو کفر کے برابر سمجھتی ہے۔ اسے بتایا نہیں جاتا کہ طلاق نہ ہو تو اس کفر سے کیونکر پاک رہیگی تو کیا معاذ اللہ ظالم بدہن مشورہ کا ایسا دو حرفی حکم ناقص نہ سمجھا جائیگا اور وہ ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ہدایت کے تمام احکام کو روشن کرنے کی وجہ سے سراج منیر کا خطاب رکھتی ہے کیا آپکے مبارک الفاظ ادائے حقوق کے مسئلہ کو تاریک رہنے دینگے؟ نہیں آیت خلع کا حکم اور دربار نبوت کا فیصلہ دونو مکمل اور مادہ فساد کا استیصال کرنے والے ہیں آیت میں اس کام کا ذکر ہوا ہے جو طلاق کے بعد کیا جاتا ہے اور اس سے طلاق کا حکم خود بخود مفہوم ہوتا ہے اور حضرت اپنی زبان مبارک سے طلاق کا حکم دیتے ہیں مطالبہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کوئی مابہ النزاع باقی نہیں چھوڑتے ÷

حکم رسول کی وقعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی استغاثہ دائر ہوا اور

دربار رسالت اس کا فیصلہ کرے۔ تو حکم قرآنی کے مطابق اس کو تسلیم کرنا فریقین پر فرض ہے۔ اور اس میں پس و پیش کرنے سے آدمی مومن نہیں رہتا۔ ارشاد ہے:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ
فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ
يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥ (نساء پارہ ۵ ع ۹)

ہرگز نہیں قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہ
ہونگے جب تک اپنے جھگڑوں میں تمکو منصف مانیں
اور تمہارے فیصلہ سے اپنے دل میں ناپسندی کا خیال
نہ لائیں اور پورے طور پر اسکو تسلیم نہ کریں +

اس آیت میں قسم کھا کر ذکر کیا گیا ہے کہ ہر اختلاف کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے فیصلہ لو۔ اسے دل سے حق سمجھو اور اس کو تسلیم کرو تو مسلمان ہوتے ہو ورنہ ایمان کا کوئی ٹھکانا نہیں پس اس نزاع میں جو مرد اور عورت کے مابین حضرت کی خدمت میں پیش ہوئی کیا صاحب مرقاۃ کے نزدیک مرد انکار کرنے سے کافر نہ ہوتا اور کیا اسے اختیار باقی رہتا کہ چاہے تو طلاق کے حکم سے سرتابی کرے اور کیا لازم نہیں آتا کہ یہ بزرگوار دربار نبوت کے فیصلہ کو اولویت کا درجہ دیکر عدم تعمیل کو جائز سمجھتے ہیں اور جس جرم پر خدا کسی کو کافر کہتا ہے وہ اسے گناہ کا مرتکب بھی نہیں سمجھتے +

فیصلہ بے رعایت ہونا چاہیے

یہ نزاع کسی کے اپنے ذاتی معاملہ کا نہیں ہے کہ اس کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا اثر دوسرے پر نہ ہو۔ یہ مدعی اور مدعا علیہ کا جھگڑا ہے اور حاکم کا فیصلہ ہے۔ اگر ایک فریق فیصلہ کو نہیں مانتا تو جو حکم خدا نے اس کے لئے نافذ فرمایا ہے وہ الگ رہا دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ فیصلہ میں کسی فریق کی رعایت نہ ہونی چاہیے یہاں اگر عورت کا دعوے کمزور تھا اور وہ طلاق کی مستحق نہ تھی اور نیز یہ بھی ثابت ہے کہ شوہر کو اس سے محبت تھی تو اس صورت میں شوہر کو طلاق کا حکم دینے میں عورت کی رعایت اور شوہر پر ظلم ہوتا ہے اور اگر عورت کیلئے طلاق کا استحقاق ہے تو مرد کو طلاق دینے اور نہ دینے میں با اختیار قرار دینا اسکی رعایت ہوگی اور کون ہے جو اس عدالت عالیہ کے فیصلہ میں رعایت کا گمان کر سکتا ہے؟

نفرت کا وجود اور طلاق کا وجوب

پس فرمان رسول علیہ السلام کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ عورت کو ایسی حالت میں طلاق کا استحقاق حاصل تھا۔ اور

اس سے سرتابی کرنے کی شوہر کو مجال نہ تھی یہیں آکر یہ سلسلہ حکم قرآنی کے ساتھ مطابق ہوتا ہے قرآن کریم نے زن و شوہر کے اختلاف پر خلع کا حکم دیا ہے اور اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کیلئے دو منصف مقرر کرنے کا قاعدہ بنایا ہے۔ اس مبارک زمانے میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک دنیا میں رونق افروز تھی۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (خدا اور اس کا رسول تمہارے سرپرست ہیں) کے مطابق آنحضرت زن و شوہر دونو کے ایسے مربی اور ہمدرد تھے کہ آپ کے سوا کسی اور تعلقدار اور قریبی کو منصف بنانے کی ضرورت نہ تھی آپ نے عورت کی طبیعت کا اندازہ کیا کہ اگرچہ نفرت کی وجہ بہت خفیف ہے مگر نفرت ایسی ہے کہ اس کے ہوتے وہ بیشک فرائض زوجیت کو ادا نہ کر سکیگی اور اس وجہ سے زن و شوہر دونو معصیت میں اور مصیبت میں مبتلا رہینگے طلاق کا حکم دے دیا یہی صورت اور عورتوں کو پیش آسکتی ہے ان کے لئے بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔ البتہ اس مقدس زمانے کے بعد دو منصف مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور منصف چونکہ نور نبوت سے بہرہ ور نہ ہونگے انہیں زیادہ غور و تامل کرنا پڑیگا اور انکا فرض ہوگا کہ شکایت سنتے ہی فیصلہ نہ دیں بلکہ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا بِالْعَدْلِ (زن و شوہر میں انصاف کے ساتھ صلح کرواؤ) کے مطابق مصالحت کیلئے ہر ایک کوشش جو ممکن ہو پوری کریں۔ فریقین کی شکایت سن کر اس کو دور کرنے کی سبیل نکالیں اور ضرورت ہو تو مناسب حال شرائط کے ساتھ کچھ عرصہ کیلئے رواداری برتنے اور باہم رہنے کی ترغیب دیں اس ترکیب سے اتحاد ہو جائے تو بہتر۔ اگر نہ ہو اور شکایت موجود ہے تو پھر یہ دیکھیں کہ شکایت کی نوعیت کیا ہے۔ اور دوسرے لوگ ایسی شکایت کے موقع پر کیا سلوک کرتے ہیں زمان رسول علیہ السلام کی نظیر موجود ہے اس کے مطابق فیصلہ دیں ؞

نکاح ثانی بھی طلاق کا سبب ہو سکتا ہے

احساس ہر شخص کا مختلف ہوتا ہے ایک عورت ہر وقت کی گالی گلوچ اور مار پیٹ کے اندر رہنے کی حالت میں گاہ گاہ شوہر کی طرف سے محبت کا اظہار ہونے پر یا نان و نفقہ کے ملتے رہنے پر قانع ہو سکتی ہے اور خوش رہ سکتی ہے۔ دوسری عورت مرد کی ذرا سی بے تمیزی او ر نالائقی دیکھکر ایسی متنفر ہو سکتی ہے کہ اس سے ہمکلام ہونا گوارا نہ کرے۔ ایک عورت شوہر کی علانیہ

بدمعاشیوں کو دیکھکر بھی صبر کر سکتی ہے بلکہ غیر عورتوں کے ساتھ شوہر کی خوشی کے کاموں میں حصہ لے سکتی ہے۔ دوسری عورت شوہر کے دوسرے نکاح کو بھی برداشت نہیں کر سکتی اور ایسی ہر حالت کے اندر اس سے ادائے حقوق میں کوتاہی ہو سکتی ہے۔ ابوجہل کے کنبہ والوں نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اجازت ہو تو ابوجہل کی لڑکی کو حضرت علی کے عقد میں دیں۔ یہ ایک جائز فعل اور اہل عرب کا عام دستور تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کبار کا اس پر عمل تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہی خواہش ہو تو علی فاطمہ کو طلاق دیدیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب زہرا کی غیور طبیعت سے آگاہ تھے جو اُن کو ماں کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی۔ اُن کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زیست میں رسول علیہ السلام نے کبھی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت کو معلوم تھا کہ اگرچہ عرب کی اکثر عورتیں اس بار کو برداشت کر سکتی ہیں مگر جناب زہرا اس زحمت کی تحمل نہ ہو سکینگی اور یہ طلاق کیلئے کافی سبب ہے اس لئے حضرت علی کو اصرار ہو تو بی بی فاطمہ کو سبکدوش کریں۔ امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب النکاح میں درج کیا ہے تو باب کا عنوان لکھا ہے "غیرت اور انصاف کی بنا پر باپ کی طرف سے بیٹی کی حمایت"۔ دوبارہ یہی حدیث کتاب الطلاق میں لائے ہیں جو عنوان قائم کیا ہے "باہمی اختلاف جس سے خلع کا احتمال ہو"۔ امام بخاری محدث ہونے کے علاوہ مجتہد بھی ہیں اور ایسے عنوانوں سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ نکاح ثانی کا ارادہ ہو تو عورت کیلئے خلع کی وجہ پیدا ہو سکتی ہے اور اُس کا سرپرست اس کی طرف سے افتراق کی کوشش کر سکتا ہے اور شارح بخاری کرمانی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ حدیث کو اس عنوان کے تحت میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ جناب زہرا اس پر رضامند نہ تھیں اور اختلاف پیدا ہونے کا احتمال٭ تھا پس ہمیں کوئی اختیار نہیں

٭ اس حدیث کو اکثر محدثین نے روایت کیا ہے اور مختلف الفاظ اضافہ کئے ہیں۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آنحضرت کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کہ عدو اللہ کی بیٹی اور نبی اللہ کی بیٹی یکجا نہیں رہ سکتیں۔ مگر بخاری۔ ترمذی اور ابو داؤد نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ مسلم نے اپنے دستور کے مطابق سب روایات کو جو اس حدیث سے تعلق رکھتی ہیں یکجا کیا ہے تو ایک میں یہ الفاظ بھی مذکور ہوئے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ راوی کے اپنے دل سے نکلے ہیں۔ حضرت کی طرف سے نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسا خیال قرآنی ہدایت آنحضرت کے فرامین اور اسلامی روایات کے سراسر مخالف ہے۔ عدو اللہ یعنی کافر کی بیٹی اگر مسلمان ہو اور اعمال صالحہ کی پابند ہے تو کافر کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس پر کوئی الزام نہیں۔ قرآن میں

(باقی بر صفحہ ۲۰۵)

ہے کہ عورت جو شکایت رکھتی ہے اس کو خفیف سمجھکر شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کریں۔ ہمارا فرض اسی قدر ہے کہ دیکھیں اگر وہ سمجھانے اور مناسب شرائط پر عمل کرنے کے باوجود بھی رضامند نہیں ہے تو اسکو رہائی دیں اور شوہر سے حکماً طلاق دلوائیں۔ یہ آیت قرآنیہ کی تعمیل ہوگی اور فعل رسول

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (ایک کا الزام دوسرے پر عائد نہیں ہوتا) بار بار مذکور ہے کفار کی نسبت ارشاد ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ۵ (کفار اگر توبہ کریں نماز کے پابند ہوں زکوٰۃ ادا کریں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں) حضرت کی اپنی عنایتیں سخت ترین دشمنان خدا اور ان کی اولاد پر جبکہ وہ مسلمان ہوگئے ہیں۔ ہمیشہ بے شمار رہی ہیں۔ ہبار ابن اسود نے ہجرت کے موقع پر آنحضرت کی صاحبزادی بی بی زینب کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرا دیا۔ انکا حمل ساقط ہوگیا اور وہ اسی عارضہ سے فوت ہوئیں۔ ایسا شخص توبہ کرنیکے لئے خدمت میں حاضر ہوا ہے تو فرمایا اسلام سب قصوروں کو مٹا دیتا ہے۔ الحمد للہ خدا نے تمکو ہدایت دی۔ ابولہب سے بڑا عدو اللہ کون تھا اس کے دونو بیٹوں کو حضرتؐ نے خود طلب فرمایا وہ آکر مسلمان ہوئے تو حضرتؐ کے چہرہ سے خوشی کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا میں ان کے لئے دعائیں مانگتا تھا شکر ہے اس نے قبول فرمائیں۔ اسیطرح کا سلوک اسلام لانے کے بعد تمام کفار عنید سے ہوتا رہا ہے۔ کفار کی اولاد خدا کو ماننے کے بعد ولی امام صدیق اور نبی سب کچھ ہو سکتی ہے اور ہوتی آئی ہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد کو قرآن میں عدو اللہ کہا گیا ہے اور آپ خلیل اللہ ہیں۔ آپ کی صاحبزادی سیدۃ النساء جناب زہرا رضی اللہ عنہا حضرت کے ارشاد کے مطابق اعمال صالحہ کی ایسی ہی ضرورت رکھتی ہیں جیسے اور مسلمان۔ حضرت کا ارشاد ہے یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِکُ لَکِ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (ترمذی) یعنے اے محمد کی بیٹی فاطمہ اپنے تئیں دوزخ کی آگ سے بچائیو میں تجھکو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ غرض کسی طرح کا فرق مومن اور ان کی اولاد میں ایمان کے بعد تفاوت نہیں رہتا۔ نبی کی اولاد میں ایمان کے بعد تفاوت نہیں رہتا۔ نبی کی اولاد و کفار کی اولاد کو اپنا بادشاہ امیر المومنین اور امام بنا سکتی ہے اور نبی کی بیٹی کافر کے بیٹے کی بیوی بن سکتی ہے تو نبی کی بیٹی اور کافر کی بیٹی دونو ایک شوہر کے ماتحت کیوں نہیں رہ سکتیں؟ یقیناً یہ الفاظ حضرت کی زبان مبارک سے صادر نہ ہوئے ہونگے حضرتؐ نے یہ دیکھکر کہ جناب زہرا کو نکاح ثانی گوارا نہیں ہے طلاق کا حکم دیا ہے۔ اس کو حضرت کی صاحبزادیوں کا خاصہ یا جناب زہرا کا خاصہ کہنا بے اصل ہے۔ خاصے صرف نبی کے ہوسکتے ہیں کہ اس کے منصب میں کوئی ابن آدم شریک نہیں۔ نبی کی اولاد سے بالطبع ہر مسلمان کو محبت ہوتی ہے مگر تعمیل احکام میں سب مسلمان برابر ہیں اور محض خاصے کا ذکر ہوتا تب بھی تو خطبے میں بیان کرنے اور اس کو طول دینے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف بی بی فاطمہ کا معاملہ تھا حضرت علی کو آگاہ کرنا کافی ہوتا۔ جناب مرتضی کی فداکاری اور جان نثاری سے ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ سرتابی کرتے محفل جماکر اس کا ذکر کرنے سے مدعا یہی ہے کہ اس واقعہ سے آئندہ کیلئے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ امام بخاری کا خیال درست ہے اور انہوں نے جو نتیجہ نکالکر عنوان قائم کئے ہیں وہ صحیح ہے اور عورت شوہر کے نکاح ثانی کو برداشت نہ کرسکے اور علیحدہ ہونا چاہے تو اس کا یہ عذر مسموع ہوگا اور جو خواہش خود رسول علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوتی ہے اسکو پورا کرنے سے کوئی حاکم اور کوئی مفتی انکار نہیں کرسکتا۔ لوگوں کے دل میں چونکہ حضرت کی ذات اقدس کا اور حضرت کی اولاد امجاد کا احترام مرکوز تھا کلام کو زوردار کرنیکے لئے راوی نے یہ الفاظ اپنی طرف سے اضافہ کردیئے کہ نبی کی بیٹی اور کافر کی بیٹی کا جوڑ نہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَلْقٰی فِیْ صَدْرِیْ۔

علیہ السلام کی تقلید۔

قدیم مسلک کا تبدل

دو یہ مجتہدین عظام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے اختلاف میں انکی تقلید کرنے والے فقہائے اسلام کے مسلک کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ فقہائے اسلام ہمیشہ ضرورت کو دیکھکر اور حالات حاضرہ سے متاثر ہو کر اپنے امام کی بجائے دوسرے مجتہد کے مذہب پر فتوے دینے میں تامل نہیں کرتے۔

مفقود کے بارہ میں جدید فیصلہ

(ا) شوہر مفقود الخبر ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مذہب میں جب تک شوہر کے تمام ہم عمر فوت نہ ہو جائیں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ خیال قرآن و حدیث سے مستنبط ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو اس وقت کے عین مطابق تھا جبکہ مسلمان خالص اسلامی جذبہ سے متصف تھے۔ قدم نیکی اور پارسائی پر راسخ تھا۔ شوہر کو عورت سے اور عورت کو شوہر سے جو تعلق ہوتا تھا وہ دونو فریق کسی اور کے ساتھ پیدا کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتے تھے۔ اس وقت شوہر بغیر کسی سخت مجبوری کے مفقود الخبر نہ ہوتا تھا اور عورت کو اس کی غیبت میں یقین رہتا تھا کہ وہ اب بھی میرا ہے اور میں اسکی ہوں پس عورت خود اس کے نام پر وصوفی رہاکر عمر گذار دیتی تھی اور جب تک شوہر کے تمام ہم عمر فوت نہ ہو جائیں اپنی بیوگی کا خیال دل میں لانا پسند نہ کرتی تھی مگر ایک زمانے کے بعد مذہب کی گرفت کم ہوئی اور خود غرضی نے دلوں پر غلبہ پاکر خالص محبت کی جگہ لی تو لوگ سفر کے اندر عیش میں مصروف ہو کر بھی خانگی تعلقات سے بے پروا ہونے لگے اور گھر والوں کو بھولنے لگے۔ ادھر عورت سچی محبت سے بیگانہ اور ہوا و ہوس میں آلودہ ہونے لگی۔ اب ضرورت محسوس ہوئی کہ پسماندہ عورت کے لئے کوئی سبیل تلاش کی جائے۔ امام مالک کا اجتہاد اس بارہ میں موجود تھا علمائے حنفیہ نے ان کی تقلید کی اور چار سال گذرنے کے بعد مفقود الخبر کی عورت کو نکاح کی اجازت دی اور آئندہ کیلئے حنفی مسلمانوں کا یہی مسلک قرار پایا۔

نان نفقہ میں کوتاہی اور طلاق کا حکم

(ب) قرآن و حدیث میں زن و شوہر کے حقوق و فرائض بہت وضاحت سے بیان ہوئے ہیں اور ان میں کوتاہی کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے تو آغاز اسلام میں ایسے معاملات کے اندر عدالت کا دروازہ

کھٹکھٹانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور فرض کیا گیا کہ آدمی اگر مسلمان ہے تو اسے خوف خدا بھی ہوگا۔ اپنی ضرورت کیلئے منکوحہ عورت کا محتاج ہے اور غیر کی طرف دیکھ نہیں سکتا تو اس سے محبت بھی ہوگی اور قرآن و حدیث کو مانتا ہے تو اُن کے احکام سے واقف بھی ہوگا۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ عورت کی خبرگیری نہ کرے۔ اُس کے حقوق کا لحاظ نہ رکھے اور کوتاہی ہوجائے تو تلافی نہ کرے یا اس سے جدا ہونا چاہے تو حسب قاعدہ طلاق نہ دے۔ پس خانگی معاملات اور پردہ کی باتوں کو عدالت میں لے جانے کی مسلمان کو ضرورت ہی کیوں پیش آئیگی چنانچہ حنفی مسلک کے اندر اس بارہ میں عدالتوں کو اختیار دینے کا سوال پیدا نہ ہوا اور وقت گذرتا رہا جب انسانی سرشت اپنا رنگ دکھانے لگی اور مرد عورتوں کی طرف سے غفلت کرنے لگے تو خیال آیا کہ امام احمد بن حنبل کا اجتہاد صحیح تھا اس پر عمل کرنے کا فتویٰ ہوا اور نان و نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عدالت سے فسخ نکاح کا حکم جاری کروانا پڑا۔

دینی خدمت کا معاوضہ

(ج) اسی طرح ہر ایک انقلاب جو ہوتا رہا ہے علمائے اسلام اس کا اہتمام کرنے سے قاصر نہیں رہے۔ اذان۔ امامت تعلیم قرآن اور تعلیم علوم دین کا اہتمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ادائے فرض میں خوشنودی حق تعالیٰ کے سوا کوئی غرض نہ ہونی چاہیئے۔ اس لئے زمانہ قدیم کا فیصلہ تھا کہ ایسی خدمات کا مالی معاوضہ ناجائز ہے لوگوں میں دین کی محبت تھی معاش کیلئے مختلف پیشے اختیار کرتے تھے۔ خدمت مساجد یا تعلیم دین کا کوئی عوض نہ لیتے تھے۔ پھر زمانہ ایسا آیا جس میں ایک طرف مصارف زیست گراں ہوتے گئے اور انسان کو کسب معاش نے عدیم الفرصت کردیا۔ دوسری طرف ایثار کا مادہ کم ہوا۔ لوجہ اللہ کام کرنے سے کترانے لگے تو اندیشہ ہوا کہ جب تک مقدس کام کرنے والوں کو فکر معاش سے فارغ نہ کیا جائیگا ایسی خدمات کا اہتمام نہ ہوسکیگا اور یہ نہ رہا تو مذہب نابود ہوجائیگا۔ اس ضرورت نے یہ فریضہ ایجاد کیا کہ جو لوگ اپنے تئیں ان خدمات پر وقف کریں مسلمان اُن کے مصارف کا بار اُٹھائیں اور مجبوری کی وجہ سے مالی معاوضہ کو جائز سمجھیں۔

مساجد کی آرائش

(د) مساجد کو دلکش بنانے کیلئے آراستہ کرنا۔ ایک آبادی میں ایک سے زیادہ مساجد کے اندر نماز جمعہ کا اہتمام کرنا اور اس قسم کے اور کئی مسائل

ہیں جن کا ضرورت داعیہ یا عموم بلویٰ کی بنا پر زمانۂ مابعد میں فتوےٰ دیا گیا ہے۔

نابالغ کی امامت

(ھ) امامت کیلئے بلوغ کی شرط ہے مگر قرآن کا حفظ کرنا ضروری فریضہ اور مسلمانوں کا خاص امتیاز ہے۔ اور بچپن میں حفظ نہ کیا جائے تو جوانی میں یہ کام دشوار ہوتا ہے اور بچے حفظ کرنے کے بعد نماز میں نہ سنائیں تو ان کو حفظ کرنے کی ترغیب نہیں ہوتی نہ بغیر تکرار کے حفظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے علمائے بلخ نے تراویح کی نماز میں نابالغوں کی امامت کا فتوےٰ دیا اور اکثر ممالک اسلامیہ میں اس کا رواج ہوا +

خلع کے بارہ میں قدیم مسلک

(و) یہی کیفیت مسئلہ خلع کی ہے جس زمانے میں احکام الٰہی کا پورا احترام ملحوظ تھا۔ اس وقت اخلاقی فرائض اور قانونی احکام کی پابندی میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ماں باپ کی اطاعت اخلاقی فریضہ ہے اور تعمیل نہ ہو تو کوئی قانون گرفت نہیں کرسکتا مگر اس زمانے میں یہ کیفیت تھی کہ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میری بیوی سے مجھے محبت تھی میرے والد حضرت عمر اسے ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ طلاق دیدے مجھے تامل تھا حضرت عمر نے رسول علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی آپ نے مجھے بلاکر فرمایا کہ طلاق دیدے۔ بسر وچشم قبول کیا۔ اسیطرح کی روایت حضرت ابی درداء سے ہے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ والدہ حکم دیتی ہیں بیوی کو طلاق دیدوں۔ ابو درداؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ بہشت کا سب سے اچھا دروازہ ماں باپ ہیں۔ اب تم چاہو دروازہ پر قبضہ رکھو چاہے ضائع کردو (ترمذی) اس عملی خلوص کے زمانے میں خلع کے معاملہ کو عدالت میں لے جانے کی ضرورت شدت سے محسوس نہ ہوتی تھی حنفی مسلک کے فقہاء نے خیال کیا کہ اس بارہ میں حضرتؐ کے الفاظ مبارک کو بجائے حکم کے مشورہ سمجھا جائے جب بھی حضرتؐ کے مشورہ سے مسلمان کو سرتابی کی جرأت کیونکر ہوسکتی ہے۔ اسے اخلاقی فریضہ قرار دیں اور طلاق کو واجب کی بجائے اولیٰ سمجھکر زن وشوہر کے معاملہ کو عدالت تک نہ لے جائیں تو کوئی قباحت نہ ہوگی خصوصاً جبکہ مرد کو خدا کے حکم کے مطابق ناراض عورت کی صحبت میں مقررہ وقت ضرور گذارنا پڑیگا اور ہر وقت روحانی کوفت اٹھانی ہوگی۔ اس کے نان ونفقہ کا اہتمام پوری کوشش سے کرنا پڑیگا تو آدمی طلاق دیکر ایسی زحمتوں سے رہائی پانے کو بہتر کیوں نہ سمجھیگا۔

ایسے شخص کو عدالت میں جا کر اور ذلیل ہونے کی ضرورت کیا؟

عورتوں کے بارہ میں جدید روش

مگر آہ! زمانہ بدلا۔ وہ سب باتیں خواب و خیال ہو گئیں احکام خدا کی عظمت۔ فرمان رسول علیہ السلام کا احترام شریک زندگی کا پاس و لحاظ اور اس کی ضرورتوں کی ذمہ داری۔ سب کچھ دلوں سے محو ہو گیا اور ہم جیسے مسلمان کہلانے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مرد نہایت بے باکی سے ہوس رانی اور عیاشی میں مصروف ہوتے ہیں تو منکوحہ عورتوں پر کئی طرح سے غضب ڈھاتے ہیں داشتہ عورتوں کو گھر میں لے آتے یا دوسرا نکاح کرتے ہیں تو وفادار شریک زندگی سے بطور کنیز کے خدمت لیتے ہیں۔ مار پیٹ کے اندر رکھتے ہیں۔ اس کے کھانے کپڑے کی خبر نہیں لیتے یا گھر سے نکال دیتے ہیں تو طلاق نہیں دیتے۔ ان کو تمام عمر بیکسی میں بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ زیور اور کپڑے چھین لیتے ہیں اور بداطواری میں اڑا دیتے ہیں۔ رحم و انصاف کا احساس ایک طرف۔ مرد جب اپنی قوت اور فریق ثانی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ناپاک جذبات کا شکار ہوتا ہے تو عورت کی اُن کوتاہیوں کو جو تقاضائے بشریت سے بے ارادہ سرزد ہوتی ہیں۔ جرم سنگین تصور کرتا ہے اور اپنے سنگین جرائم کو اپنی حاکمانہ خودمختاری کی زینت سمجھتا ہے۔ افعال بد کی دنیوی قباحتوں سے آگاہ کرو۔ غضب الٰہی کے اخروی نتائج کا خوف دلاؤ۔ اُس پر اثر نہیں ہوتا۔ کوئی عبرت خیز واقعہ کوئی دلنشین وعظ۔ کوئی موثر تحریر و تقریر اس کو ہوائے نفسانی کی قید سے نکال نہیں سکتی۔ بادۂ غرور کی بدمستی کسی طرح دور نہیں ہو سکتی۔

ایسے موقعوں پر دنیوی حکومتیں جدید قوانین نافذ کرتی ہیں فوری ضرورتوں کے لئے آرڈیننس نکالتی ہیں ہمیں کوئی جدید قانون بنانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے مقتدایان مذہب نے ہر زمانے اور ہر مصلحت کیلئے سبیل کار تجویز کر چھوڑی ہے۔ حق شناس اور خدا ترس سوسائٹی کیلئے امام ابوحنیفہ کا مسلک صحیح ہے۔ شریر اور بے باک لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے حضرت عمر اور حضرت علی کا فیصلہ موجود ہے۔ امام مالک کا اجتہاد موجود ہے۔ علمائے شافعیہ کا مسلک موجود ہے۔ امام ابوحنیفہ ہمارے امام

ہیں ان کی اجتہادی باریک بینیوں سے ہم ضرور فیضیاب ہوتے رہینگے مگر جناب عمر فاروق اور جناب علی مرتضیٰ اور دیگر مجتہدین کبار بھی تمام گلشن اسلام کے گلہائے تازہ ہیں۔ کسی کی بوُ دل آویز سے فیضیاب ہونے میں ہمیں تامل نہیں ہے۔ وہ سب ہمارے مقتدا ہیں اور ہم ہمیشہ اُن کے فرامین عالیہ کی اطاعت کرتے رہے ہیں۔ امام مالک کے فتوے سے مفقود کی عورت کو مخلصی دلواتے ہیں امام احمد بن حنبل کے اجتہاد سے کام لیکر غافل شوہر کی بے اعتنائی کا علاج کرتے ہیں علمائے بلخ کی ضرورت شناسی سے فیضیاب ہوکر نوخیز حافظوں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں تو اس بارۂ خاص میں ضرورت وقتی کے لحاظ سے ائمہ دین کی جماعت کثیر کا اتباع کرنے میں ہمیں کیونکر تامل ہوسکتا ہے۔ زن و شوہر میں مصالحت ممکن نہ ہو تو مرد کو طلاق پر مجبور کرنا حکم خدا کی تعمیل ہوگی۔ اسوۂ رسول علیہ السلام کا اتباع ہوگا۔ جناب فاروق جناب مرتضیٰ امام مالک اور امام شافعی کی تقلید ہوگی علمائے احناف کے گذشتہ طرز عمل کی تائید ہوگی اور جو واقعات پہلے شاذ و نادر تھے اور اب بکثرت پیش آنے لگے ہیں ان کا قرار واقعی انسداد ہوگا

بے وفائی کا الزام
وفاداری کا ثبوت

۱۳۔ اعتراض بعض اوقات بالکل لغو ہوتا ہے مگر طبیعتیں مائل ہوتی ہیں تو اسے فوراً قبول کرلیتی ہیں اور بے تامل معترض کے حق میں فیصلہ دیتی ہیں۔ ایک محفل میں اسی مضمون پر گفتگو تھی اور لوگ سنجیدگی سے غور کررہے تھے کہ ناگاہ ایک واجب التعظیم بزرگ نے ایک نکتہ پیدا کیا اور فرمایا کہ عورتوں کو اُن کی شکایت پر طلاق کا حکم دے دیا گیا تو کوئی عورت شوہر کے گھر میں رہنے نہ پائیگی سب آزاد ہونے کی کوشش کرینگی۔ اس اعتراض نے جادُو کا کام کیا اور سننے والوں کے خیال کو دفعتہً بدل دیا۔ پھر کسی نے جواب کی طرف توجہ نہیں کی اور احسنت و مرحبا کی آواز پر محفل برخاست ہوگئی۔ مگر حقیقت میں یہ ایک خیالی بھوت تھا جس نے سب کو ڈرا دیا۔ کیونکہ شاعروں اور تُک بندوں نے عرصۂ دراز سے عورت کی بیوفائی کو مشہور کر چھوڑا ہے۔ ورنہ عورت جب تک ماں باپ کے گھر میں رہتی ہے ان کے غم والم میں جو ہمدردی اور دلسوزی وہ ظاہر کرتی ہے لڑکے کبھی نہیں کرسکتے اور ماں باپ اسکا خیال معلوم کرنے کے بغیر جب ایسے شخص کے سپرد کردیتے ہیں جس کو اس نے اکثر اوقات پہلے آنکھ سے بھی نہیں دیکھا ہوتا تو نہایت

صبر وسکون کے ساتھ اطاعت کرتی ہے اور اپنی تمام خوشی اور راحت اس کی نظر التفات پر منحصر سمجھتی ہے۔ اگر وہ اچھا سلوک کرتا ہے تو عورت کی محبت عشق اور وارفتگی تک پہنچ جاتی ہے اور اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے۔ اپنی سخت ضرورتوں کو روک کر اس کی راحت کا اہتمام کرتی ہے اور اسکی بیماری یا تکلیف میں اپنی جان سے بے پروا ہو کر شب و روز اسکی خدمت میں مصروف رہتی ہے اگر وہ بے التفاتی دکھاتا ہے جب بھی وہ حتی الوسع اسکو اپنی طرف مائل کرنیکی کوشش کرتی ہے اور اگر سخت ظلم روا رکھنے کے باوجود شوہر کبھی ایک لمحہ کیلئے اسکو محبت کی نظر سے دیکھ لیتا ہے تو اپنی تمام شکایتوں کو فراموش کرنے اور اسکو معافی دینے کیلئے آمادہ ہو جاتی ہے اور نہایت ہی سخت مجبوری کے عالم میں اور جب بھی شاذ و نادر ہی کوئی عورت ایسی نکلتی ہے جو شوہر کے پنجہ سے رہا ہونے کی عملی کوشش کرے +

آزادی کا موقع اور عورت کا اجتناب

ہمارے زمانے میں مذہبی آزادی ہے اور عورت عیسائی یا آریہ ہو جائے تو شوہر کے پنجہ سے آزاد ہو سکتی ہے اور مذہب بدلکر عدالتوں سے اپنے موافق فیصلہ حاصل کرسکتی ہے مگر باوجود ایسی آزادی کے ہزاروں عورتوں میں سے جو شوہر کا ظلم برداشت کرتی ہیں سالہا سال کے بعد ملک کے کسی ایک گوشہ میں ایک آدھ واقعہ تبدیل مذہب کا سنا جاتا ہے اور اس کے خلاف روزانہ مار پیٹ کے اندر رہنے والی۔ نان نفقہ سے محتاج اور شوہر کی شکل دیکھنے سے محروم ہر شہر اور قریہ میں بہت عورتیں پائی جاتی ہیں جو نہ مذہب بدلکر آزاد ہوتی ہیں۔ نہ مولویوں سے فتویٰ طلب کرتی ہیں۔ نہ کوئی اور کوشش کرنے پر آمادہ ہوتی ہیں پس ایک آدھ عورت کے فعل شنیع کو سند گرداننا اور ہزاروں عورتوں کے صبر و تحمل کو نظر انداز اور اُن کی شرافت سے انکار کرنا کہاں کا انصاف ہے +

انتخاب شوہر کا اختیار

دوسری بات دیکھنے کے لائق یہ ہے کہ ہم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کرنے میں حکم شریعت کو بالکل پس پشت ڈالدیا ہے۔ اگرچہ ہم خود اپنی لڑکیوں کیلئے بظاہر بہت کچھ غور و تامل کرتے ہیں مگر لڑکیوں کے میلان خاطر کی اور اُن کی اجازت کی جس کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے کوئی پروا نہیں کرتے بلکہ اکثر اوقات اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بدمعاش اور اوباش لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور محض یہ خیال کرتے ہیں کہ بھائی کا

بیٹا ہے یا بہن کا لاڈلا ہے یا اپنا عزیز ہے۔ اسے لڑکی نہ دیں تو لوگ کیا کہینگے۔ گویا عورت بھی زیور یا کپڑے کی قسم کا ایک تحفہ ہے جو اپنے عزیز کو خوش کرنے کیلئے دے سکتے ہیں پس اگر عورتوں کی شکایت کو شنوائی کا شرف دیا جائے تو ان کی طرف سے جس قدر درخواستیں آزادی کی دائر ہونگی ان میں ننانوے فی صدی ضرور وہی عورتیں نکلینگی جن کا نکاح اسی غلط اصول پر اور ان کی میلان خاطر کے خلاف ہوا ہے اگر ایسی درخواستوں کی کثرت ہوئی تو اس کا الزام عورت کی فطرت پر رکھنے کی بجائے (ہم اپنے گریبان میں مُنہ ڈالینگے تو) اپنے اوپر عائد پائینگے طلاق کے اختیار میں اختلاف ہے تو ہو نکاح کے اندر بالغہ عورت کا خود مختار ہونا کسی سے مخفی نہیں اور اس کے لئے وہ وقت ہرگز موزوں نہیں جبکہ برات گھر پر آبیٹھتی ہے اور قاضی عروس کے پاس آکر کچھ الفاظ عربی میں اور کچھ فارسی میں بُڑبُڑا کر اپنی طرف سے ایجاب و قبول کی شرط پوری کر دیتا ہے اور نوعروس کی سمجھ میں مبارک سلامت کے سوا کچھ نہیں آتا نکاح کی تجویز سے پہلے تنہائی کے اندر لڑکی سے دریافت کیا جائے تو وہ اپنی رائے ظاہر کر سکتی ہے۔ حدیث کے رو سے صرف اس قدر رعایت ہے کہ باکرہ عورت سُنکر خاموش رہے تو اُسے رضامند سمجھا جائے۔ انکار کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس حالت میں اس کا نکاح شرعاً منعقد نہ ہوگا۔ مگر آہ! ہم نے اپنے اختیارات کے گھمنڈ میں ان بے زبانوں کا یہ اختیار بھی چھینا ہوا ہے اور جس طرح پر جانوروں کی خرید و فروخت ہوتی ہے اسیطرح عورتوں کو اُٹھا کر ڈولی میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اُن کی شرافت ہے کہ نامنظور ہو جب بھی بزرگوں کے قول پر جان دیتی ہیں۔ ورنہ اگر زبان کھولیں تو از روئے انصاف کون الزام دے سکتا ہے۔

حکم خدا اور فریضۂ اطاعت

تیسری پتہ کی بات یہ ہے کہ اگر عورت کی تکالیف کو رفع کرنا عند اللہ اور عند الرسول فرض ہے اور اگر خداوند کریم نے زن و شوہر کے جھگڑے میں منصفوں کو منصفانہ حکم دینے کے لئے مقرر کرنے کا قانون نافذ فرمایا ہے اور اگر رسول علیہ السلام نے عورت کی شکایت سُنکر طلاق کا حکم دیا ہے تو پھر ایمان رکھتے ہوئے ہم کو اور طرف خیال دوڑانے کا کیا اختیار ہے حکم شریعت میں حرف گیری کرنے کا اور اس کی قباحتیں ڈھونڈنے کا حوصلہ کیوں ہے۔ کیا ہم عورتوں کی فطرت کو سمجھنے اور ان کی نسبت فیصلہ کرنے کے

لئے ذات خداوندی سے زیادہ علم رکھتے ہیں رسول علیہ السلام سے زیادہ انصاف کرنیکا دعوٰے کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کیا ہے؟ نتیجہ خدا کے اختیار میں ہے۔ جو ظہور میں آئیگا دیکھ لیا جائیگا ہم پر شارع علیہ السلام کے طرز عمل کی پیروی فرض ہے اگر بالفرض تمام عورتیں اپنے شوہروں سے آزاد ہونے کا اعلان کرنے لگیں تو عورتوں کی بے وفائی کے علاوہ یہ بھی ضرور ثابت ہوگا کہ اس وقت تک جو کام ہوتا رہا ہے اس سے ہم نے تمام نسوانی طبقہ کو نارضامند کر چھوڑا ہے اور کامل العقل کہلانے کے باوجود ہم اپنی طرف سے کوئی مفید کام نہیں کر سکتے ۔

باب نہم

پردہ

شرافت و رذالت کا تفاوت

ابواب گذشتہ میں زنانہ اور مردانہ فطرت کا تفاوت دیکھا گیا ہے۔ اُن کے فرائض اور میلان طبع کا امتیاز دیکھا گیا ہے۔ زن و شوہر کے تعلقات اور ان کے اتحاد و افتراق کے قواعد دیکھے گئے ہیں۔ اب غیر مرد اور غیر عورت کے باہمی تعلقات کو دیکھا جاتا ہے۔ اس بارہ میں مہذب دنیا نے کوئی قانون مدوّن نہیں کیا۔ اُنہوں نے مرد اور عورت دونو کو باہمدگر ارتباط پیدا کرنے کی آزادی دے رکھی ہے مگر جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے ان کو ایک سطح پر لانے سے کئی طرح کی قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ دوسری جانب عورتوں کو جس طرز عمل کا خوگیر زمانۂ حال میں قدامت پسند مسلمانوں نے بنا چھوڑا ہے اس میں ان کی فطرت کا نشوونما جیسا چاہئے ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی لئے ادائے فرائض کا کام نہایت بے سلیقہ طور سے انجام پاتا ہے ہم نے مسلمان قوم کو اور اس کے ساتھ مسلمان عورتوں کو شریف اور رذیل دو قسموں میں منقسم کیا ہے اور شرافت و رذالت کے درجات باہمدگر مختلف مقرر کئے ہیں۔ شریف

عورتوں کو اُن کے درجات کے مطابق سخت یا نرم پردہ کے اندر رکھا جاتا ہے۔ مگر اپنے خاندان کے مردوں سے (محرم ہوں یا نامحرم) بلکہ بعض درجات شرافت میں اپنی تمام برادری کے مردوں سے پردہ نہیں ہوتا۔ اور ایسے لوگ عورتوں سے تنہائی میں بے تکلف ملاقات کر سکتے ہیں بلکہ دن رات ساتھ رہ سکتے ہیں۔ جوان عورت چچا اور ماموں کی اولاد اور شوہر کے بھائی اور بھتیجے کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک اس عمل سے نہ شرافت میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے نہ اسے گناہ سمجھا جاتا ہے۔ جو عورتیں رذیل فرض کر لی گئی ہیں۔ ان کے لئے پردہ کی کوئی پابندی نہیں۔ انہیں برہنہ سر چلنا پھرنا اور اغیار سے گفتگو کرنا جائز ہے اور وہ اپنے پیشہ کے تمام کاروبار میں اندر باہر شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ شریک رہتی ہیں۔ شرفا کے گھر میں خدمتگاری کے فرائض ادا کرتی ہیں۔ خرید و فروخت کیلئے بازار میں جاتی ہیں۔ نہ ایسی عورتیں اس وجہ سے عیب دار سمجھی جاتی ہیں نہ گنہگار۔

لڑکیونکی تعلیم

شریف اور رذیل دونوں قسم کی لڑکیوں کے واسطے تعلیم کی ضرورت تسلیم نہیں کی جاتی۔ اور ہندوستان کے اندر اس بے پروائی کے لئے ایک معقول وجہ بھی موجود ہے۔ یہاں کے مرد بھی تعلیم کی ضرورت سے آشنا نہیں ہیں۔ وہ لڑکوں کو صرف اس لئے مدرسہ میں بھیجتے ہیں کہ تعلیم یافتہ نہ کہلائیں تو نوکر نہیں ہو سکتے۔ یعنے علم کا واحد مدعا نوکری ہے۔ بڑے بڑے تعلیم یافتہ جب نوکری پر مستقل ہو جاتے ہیں تو مطالعہ کو جاری رکھنا اور علم سے کام لینا ایک طرف دماغ میں آیا ہوا سرمایہ بھی فراموشی کی نذر کر دیتے ہیں۔ جو لوگ خاص تعلیمی کام پر متعین رہتے ہیں وہ بھی کنوئیں کا مینڈک بنکر نظر کو اپنے دائرہ سے پرے نہیں لیجاتے۔ جہاں ذہنیت اس قدر پست ہو وہاں تعلیم نسواں کا ذکر فضول ہے جو قومیں تعلیم کی طرف ہمہ تن راغب اور تعلیم نسواں کی حامی ہیں ان کی لڑکیاں بھی وہی رواجی تعلیم حاصل کرتی ہیں جس سے مردانہ اور زنانہ فرائض کی کوئی تمیز پیدا نہیں ہوتی اور جو ہندوستان میں محض کلرک پیدا کرنے کے لئے جاری کی گئی ہے۔ ایسی عورتیں تعلیم میں ترقی کرتی ہیں تو آزاد اور مجرد رہنے کی خواہشمند ہوتی ہیں خانہ داری کے فرائض کو برداشت کرنا نہیں چاہتیں۔ مسلمان مرد نالاں ہیں کہ تعلیم کی کمی ان کو خدمتگاری کے شرف سے محروم رکھتی

ہے۔ ایسی حالت میں عورتوں کی تعلیم کو جو نوکری سے تعلق نہیں رکھتیں وہ کیا اہمیت دے سکتے ہیں۔ شرفا اپنی لڑکیوں پر بہت مہربانی کرتے ہیں تو گھر کے اندر حرف شناسی کا اہتمام کر دیتے ہیں۔ خط لکھنے کی ضرورت بھی اکثر شرفا تسلیم کرتے ہیں بلکہ بعض اس فعل کو شریف عورتوں کیلئے آجتک بھی معیوب سمجھتے ہیں۔ شریف لڑکیوں کا زنانہ مدارس میں تعلیم کیلئے داخل ہونا بہت بعید ہے۔ جو حوصلہ کرتے ہیں وہ بھی پردہ دار گاڑی یا ڈولی کے بغیر بھیجنے کی جرأت نہیں کر سکتے جو رذیل کہلاتے ہیں ان کی لڑکیاں مدارس میں جا سکتی ہیں مگر تعلیم کی ضرورت سے وہ اور بھی زیادہ ناآشنا ہیں اس لئے لڑکیوں کو کھیلنے کی عمر میں گھر کے اندر غل مچاتے دیکھتے ہیں تو ایسے مدرسوں میں بھیج دیتے ہیں جہاں تعلیم مفت ہو۔ یہ بھی ایک کھیل ہوتا ہے جو ہوش سنبھالنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکیاں جاہل عورتوں کی صحبت میں رہ کر اور سرپرستوں کی طرف سے بے اعتنائی کا نشانہ بنکر جوان ہوتی ہیں تو اپنے فرائض کو سمجھ نہیں سکتیں اور خانہ داری کے انتظام یا اولاد کی پرورش میں کوئی خوش اسلوبی دکھا نہیں سکتیں *

پردہ بطور ایک رسم کے

شریف اور رذیل کی تقسیم اور بعض قبائل کو اپنی شرافت پر فخر کرنیکا موقع کسی اسلامی اصول کے مطابق حاصل نہیں جس مذہب نے شرافت و کرامت کا معیار اخلاق فاضلہ کو قرار دیا ہے اور جس نے نبی کے بیٹے کو اسکی بد اطواری کی وجہ سے خاندان نبوت سے خارج کر دیا ہے ایسے مذہب میں کسی خاندان اور پیشہ کی بنا پر شرافت و رذالت کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ امتیاز مرور زمانہ کے ساتھ اس اثر اور اقتدار کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو بعض خاندانوں کے کسی کسی بزرگ کو کوئی مذہبی فضیلت یا کوئی دنیوی اعزاز حاصل کرنے سے میسر آیا ہے اور جن کی اولاد اپنے بزرگ کی وساطت سے سالہائے دراز تک راحت و آسائش سے بسر کرتی رہی ہے۔ چونکہ ایسے لوگ اپنے خانگی کاروبار میں خدمتگار عورتوں کے حاجتمند ہیں اور نیز دنیا کے اکثر پیشوں میں عورت اور مرد دونو شریک ہو کر کام کرنے کی ضرورت رکھتے ہیں اس لئے بمجبوری قوم کے اکثر افراد کو رذیل قرار دیکر ان کو پردہ کی قید سے آزاد رکھنا پڑا ہے اور پردہ کی سختی کو مذہب کا جزو ماننے کے باوجود بے پردہ عورتوں پر مذہب کے کسی قانون کو توڑنے کا الزام عائد نہیں کیا گیا اور

کبھی کسی کو خیال نہیں ہوا کہ رذیل عورتیں پردہ کی پابندی نہ کرنے سے گنہگار ہوتی ہیں انکو گاڑی اور ڈولی کا اہتمام کرنے پہ مجبور کرنا چاہیئے۔ البتہ اس فریق میں سے جو لوگ کچھ ثروت اور وجاہت حاصل کر لیتے ہیں اور شرفا کی سوسائٹی میں شریک ہونے لگتے ہیں تو خود بخود پردہ کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پر اگرچہ پردہ کی سختی کو مذہبی حکم مانا ہوا ہے مگر شرافت اور رذالت کی تقسیم نے جو اسلامی مساوات کی نقیض ہے اور نیز اپنے خاندان کے اندر غیر محرم مردوں کے اختلاط نے جو شرفا میں رائج ہے ثابت کر دیا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے مذہبی پابندی کے تقاضے سے نہیں ہے محض ایک رسم ہے جو مختلف خاندانوں میں مختلف شکلوں سے جاری ہو گئی ہے۔ مذہبی حکم سب کے لئے یکساں ہونا چاہیئے اور اس کی شکل بھی ایسی ہونی چاہیئے کہ ثروت و غربت یا ادنیٰ اور اعلیٰ پیشوں کے تفاوت سے اس کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو اور کسی کی واقعی ضرورت بند نہ رہے ۔

ازواج مطہرات کا پردہ

شرفا نے جس قسم کا پردہ اپنے لئے تجویز کیا ہے وہ اگرچہ اُن کے لئے ضروری نہیں ہے مگر ایسے پردہ کی اصلیت موجود ہے قرآن کریم میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کیواسطے جو تمام مسلمانوں کے لئے والدہ کے برابر تعظیم و تکریم کی مستحق ہیں اور جن سے حضرت کے وصال پر کسی مسلمان کو نکاح کرنا جائز نہ تھا پردہ کے ایسے سخت اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تم میں اور دنیا کی اور عورتوں میں فرق ہے۔ تم اگر گناہ کرو گی تو دوسروں کی نسبت دُگنی سزا پاؤ گی اور تمہاری نیکیوں کا دُگنا اجر دیا جائیگا۔ تم کسی مرد سے ایسی بات بھی نہ کرو کہ ناپاک لوگ بدی پر آمادہ ہوں۔ نیک گفتگو کرو اور اپنے گھروں میں رہو۔ زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکلکر اپنی آرائش نہ دکھاؤ۔ تم رسول علیہ السلام کے گھر والے ہو خدا تم کو ہر طرح سے پاک رکھنا چاہتا ہو ارشاد ہے:۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ	اے نبی کی بیویو جو تم میں علانیہ بدی کریگی اُس کو
مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ	دُگنا عذاب دیا جائیگا یہ خدا کے لئے آسان ہے
ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا	اور جو تم میں سے خدا و رسول کی دائمی اطاعت کریگی

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ
صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا
لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ
كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا
تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ
مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ
بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ (احزاب پارہ ۲۲ ع ۴)

اور نیک اعمال بجا لائیگی اس کا اجر ہم دگنا عطا کرینگے اور اس کو نیک روزی دینگے۔ اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کے برابر نہیں ہو اگر تم پرہیزگار ہو تو بات کرنے میں لجاجت ظاہر نہ کرو تا بدکار لوگ کچھ خیال خام دل میں نہ لائیں تم نیک کلام کیا کرو اور اپنے گھروں میں رہو قدیم جاہلانہ زمانہ والیوں کی طرح زینت دکھاتی نہ پھرو۔ نماز پڑھا کرو۔ زکواۃ دیا کرو اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ نبی کے گھر والو خدا چاہتا ہے کہ تم سے گناہ کو دور رکھے اور تم کو بالکل پاک بنائے۔

نیز لوگوں کو حکم ہے کہ نبی علیہ السلام کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ اور چیز باہر سے طلب کیا کرو۔ ارشاد ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ
نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ
فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ
لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ
مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ
وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ جاؤ سوائے اس وقت کے جبکہ تم کو کھانا کھانے کے لئے بلایا جائے ورنہ بے وقت بھی کھانیکی تیاری کا انتظار نہ کرتے رہو مگر جب بلایا جائے تو جاؤ اور جب فارغ ہو تو چلے آؤ۔ باتوں میں وقت نہ گذارو۔ اس سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں مگر اللہ حق بات کہنے سے شرم نہیں کرتا اور اگر ازواج نبی (علیہ السلام) سے کوئی چیز طلب کرنا چاہو تو پردہ کے باہر سے طلب کرو یہ قاعدہ تمہارے دلوں کو اور ازواج مطہرات کے دلوں کو بدی سے پاک رکھنے کا باعث ہے اور تم کو حق نہیں ہے کہ

أَنْ تَنْكِحُوٓا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ أَبَدًا ۭ
إِنَّ ذَالِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝
(احزاب پارہ ۲۲ ع ۷) •

رسول اللہ کو تکلیف دو نہ یہ حق ہے کہ نبی کی ازواج کو نبی کے بعد کبھی اپنے نکاح میں لاؤ۔ خدا کے نزدیک یہ فعل بڑا گناہ ہے۔

یہ مقدس الفاظ اپنا مفہوم ادا کرنے میں قاصر نہیں ہیں کہ پردہ میں رہنے کا حکم ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے اغیار ان کی حرم سرا میں طلب کئے جائیں تو جا سکتے ہیں ان کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو پردہ کے باہر سے طلب کریں اندر نہ جائیں۔ عام مسلمانوں کے زنانخانوں کا حکم اور ہے وہاں اپنے ارادہ سے بھی جا سکتے ہیں صرف اجازت لینے کی شرط ہے۔ ارشاد ہے:۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا
غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى
أَهْلِهَا ذَالِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝
فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْ
هَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا
فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِيْمٌ ۝ (نور پارہ ۱۸ ۔ ع ۴)

اے ایمان والو غیروں کے گھر میں جبتک اجازت نہ لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر دو داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت لو۔ اور اگر غیر کے گھر میں کسی شخص کو نہ پاؤ تو اذن لینے کے بغیر کبھی داخل نہ ہوا کرو اور اگر تم کو کہا جائے کہ اس وقت واپس چلے جاؤ تو (برا ماننے کے بغیر) واپس ہو جاؤ۔ یہ طرز عمل تمہارے اخلاق کے پاکیزہ ہونیکا باعث ہوگا اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

باہر نکلنے کی ضرورت

اگرچہ ازواج مطہرات کو ہمیشہ گھر میں قیام فرمانے کا حکم ہے مگر ضرورت مجبور کرتی ہے تو کبھی ان پاک دامنوں کو بھی باہر جانا پڑتا ہے اور باہر جانے کی ضرورت عام عورتوں کو بھی ہے اس بارہ میں جو حکم دیا گیا ہے وہ سب پہ نافذ ہے۔ ارشاد ہے:۔

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذَالِكَ أَدْنٰىٓ أَنْ
يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۝ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (احزاب پارہ ۲۲ ۔ ع ۸)

اے نبی اپنی بی بیوں کو اور بیٹیوں کو اور عام مسلمانوں کی بی بیونکو حکم دیدو کہ اپنی چادریں اپنے جسم پر اور منہ پر ڈال لیا کریں۔ اس سے غالب گمان ہے کہ ان کی پاکدامنی کو پہچان لیا جائیگا تو کوئی ان کو تکلیف نہ دیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے •

غضِ بصر

ازواج مطہرات اور دیگر مسلمان عورتوں کیلئے باہر جانے کے وقت چہرہ کو ڈھانکنے کا حکم ہے۔ ازواج مطہرات نے اس کی تعمیل کی اور وہ وقت گذر گیا۔ عام عورتوں کو بلکہ معزز عورتوں کو بھی ہمیشہ باہر نکلنے کے وقت چہرہ کو مخفی رکھنا دشوار ہے خصوصاً مسلمانوں جیسی قوم کو کہ کاروباری ضرورتوں کے علاوہ اگر اپنے مذہب پر پورے کاربند ہوں تو مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی مدافعت اُن کے ہر زن و مرد پر فرض ہے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے مبارک زمانہ میں عورتیں مردوں کیساتھ برابر شریک رہی ہیں اور میدان کارزار میں سپاہیوں کو پانی پلانے اور گرنے والوں کی خبر گیری کرنے کے علاوہ ضرورت ہوئی ہے تو سینہ سپر ہو کر تیغ زنی کے جوہر دکھاتی رہی ہیں اور اکثر اوقات اپنی مثال سے کمزور مردوں میں حوصلہ پیدا کرتی رہی ہیں ایسے وقت برقع اوڑھنے یا گھونگٹ نکالنے کا امکان کیا ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ چہرہ برہنہ ہو تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں دونو نظر نیچی رکھیں۔ اس حکم کی تفسیر میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک بار بے اختیاری میں دیکھنا جائز ہے۔ دوسری بار خواہش سے نظر بھر کر دیکھنا جائز نہیں۔

برہنہ روئی

مگر طبیب کو۔ حاکم کو۔ گواہ کو اور میدان کارزار میں حملہ آوروں کو غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔ ایسے وقت میں نظر کو روکنا ممکن نہیں اس لئے حکم ہے کہ عورتیں اپنی ظاہری زینت کو نمایاں کر سکتی ہیں۔ گریبان تک چادر سے ڈھانکیں رکھیں جناب رسول مقبول علیہ السلام نے ظاہری زینت کی تفسیر میں ہاتھ اور چہرہ کی طرف اشارہ کیا ہے

پوری آیت یہ ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ	مسلمانوں سے کہدو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی
وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ	شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ یہ انکے لیے پاکیزگی کا
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ	باعث ہے اور جو وہ کرتے ہیں اللہ جانتا ہے اور مسلمان
لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ	عورتوں سے کہدو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ	شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں اور اپنی زینت کو نمایاں

إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ (نور۔ پارہ ۱۸ ع ۱۰)

نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنی چادروں سے گریبان تک مخفی رکھیں +

اسی کے مطابق اہل فقہ کا فیصلہ ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے:۔

لَا يَجُوْزُ اَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ اِلَى الْاَجْنَبِيَّةِ اِلَّا اِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔

نہیں جائز کہ آدمی اجنبی عورت کی طرف دیکھے مگر اس کے چہرہ کو اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ عورتیں ظاہری زینت کے سوا جسم کا اور حصہ ظاہر نہ کریں۔

فتاوٰے عالمگیری میں ہے:۔

وَاَمَّا النَّظَرُ اِلَى الْاَجْنَبِيَّاتِ فَنَقُوْلُ يَجُوْزُ النَّظَرُ اِلٰى مَوَاضِعِ الزِّيْنَةِ الظَّاهِرَةِ مِنْهُنَّ وَذَالِكَ الْوَجْهُ وَالْكَفُّ فِىْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کی نسبت ہمارا مذہب ہے کہ ان کے ظاہری زینت کے مواضع کو دیکھنا جائز ہے اور ظاہری زینت معتبر روایت کے رو سے چہرہ اور ہاتھ ہیں۔

محرم اور نامحرم

ان تمام احکام میں جو قیود عائد کی گئی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان عورت اجنبی مرد کے ساتھ بے تکلف ملاقات نہیں کر سکتی عام طور پر چہرہ کو چادر سے چھپانے کا حکم ہے۔ برہنہ نہ ہو تو بے ضرورت نظر بھر کر دیکھنے کی ممانعت ہے پس اغیار کے ساتھ سیر و سفر میں شریک ہونے کی یا ایک مکان میں شب بسر کرنے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اسی کی تفسیر ہے جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ خلوت میں ملاقات کرنے سے پرہیز کرو۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ آیا شوہر کا بھائی بھی عورت کے پاس تنہائی میں نہیں جا سکتا تو فرمایا اَلْحَمْوُ اَلْمَوْتُ (بخاری) دیور موت ہے یعنے ایسی حالت میں اس کی عصمت کا ماتم کرنا چاہیئے ایک موقع پر آپ نے فرمایا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا مَعَ ذِىْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ (بخاری) یعنے آدمی تنہائی میں عورت کے پاس نہ جائے۔ ساتھ کوئی عورت کا یگانہ محرم ہو تو مضائقہ نہیں اس پر ایک شخص نے عرض کی کہ بیوی حج کو گئی ہے اور میرا نام لشکر میں ایک مہم پر جانے کیلئے

لکھا گیا ہے۔ فرمایا پہلے عورت کے ساتھ جا کر حج کر آؤ۔ ان فرامین کے مطابق تمام وہ لوگ جن سے عورت کا نکاح ہو سکتا ہے۔ عورت کیلئے اجنبی ہیں۔ وہ عورت کے پاس تنہائی میں نہیں آ سکتے۔ البتہ بوڑھا مرد جوان عورت کے پاس اور بوڑھی عورت جوان مرد کے پاس جا سکتی ہے۔ لڑکیاں جب تک بلوغ کو نہ پہنچیں مذہب کی ہر گونہ پابندی سے اور نیز پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ تمام احکام کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں اور ان سب کو دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو پردہ سمجھا جائے تو اسلام کے رُو سے عورت اور مرد دونو پردہ نشین ہیں۔ اپنے گھر کی چار دیواری میں قید رہنے اور ڈولی یا گاڑی میں سوار ہونے کی پابندی نہ عورت کو ہے نہ مرد کو۔ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو نظر نیچی رکھنے کا حکم مرد کو بھی ہے عورت کو بھی۔ غیر عورت اور مرد تنہائی میں ملاقات کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور اس حکم سے مستثنیٰ بوڑھے مرد بھی ہیں اور بوڑھی عورتیں بھی۔ بچے بھی نرینہ ہوں یا مادینہ دونو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ عورت کیلئے خاص حکم ایک ہے کہ باہر نکلے تو چہرہ پر چادر ڈال لے اور بے ضرورت برہنہ نہ پھرے۔

خانہ نشینی کا نتیجہ

ازواج مطہرات کو جس پردہ کا حکم دیا گیا ہے اس کا نتیجہ دونو آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ جذبات بالکل پاک رہینگے اور بدی کا کوئی خیال عورتوں کے دل میں اغیار کی نسبت اور اغیار کے دل میں عورتوں کی نسبت پیدا نہ ہوگا اس نتیجہ کو بیان بھی زوردار لفظوں میں کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ خاندان نبوت کو تمام نجاستوں سے پاک رکھنا اور ان کے تقدس و طہارت کو کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اور بیشک عورتوں کے اس طرح بے تعلق رہنے کی صورت میں آدمی اُن کی عصمت کی قسم کھا سکتا ہے اس لئے مسلمان شرفا نے باوجودیکہ اُن پر فرض نہ تھا اپنے لئے یہی طریق پسند کیا۔ بلکہ مرور زمانہ سے اس میں اور اضافہ ہو گیا کہ اکثر خاندانوں میں عورت دروازہ پر آنیوالے مرد سے بات بھی نہیں کرتی حالانکہ ازواج مطہرات کو مناسب گفتگو کرنے کی اجازت قرآن سے حاصل ہے اور مشتاقان علوم دین ازواج مطہرات کے آستانوں پہ ہمیشہ حاضر ہوتے اور اُنکے کلمات طیبات سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔ دفاتر حدیث میں جس قدر فرامین ازواج مطہرات کی وساطت سے درج کئے ہیں ان کے راوی اکثر و بیشتر اجنبی مرد ہیں جو پاکدامنوں

کی زبان سے سنکر روایت کرتے ہیں۔ دوسرا اضافہ شرفا نے یہ کیا ہے کہ انکے اکثر خاندان عورتوں کو ڈولی یا گاڑی کے سوا باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ ازواج مطہرات اور پاک دامن صاحبزادیوں کو عام عورتوں کی طرح چہرہ پر پردہ ڈال کر باہر جانے کی اجازت قرآن میں موجود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی سودہ کے دریافت کرنے پر فرمایا ہے:

قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تَخْرُجْنَ	خدا تعالے نے تم کو اجازت دی ہے کہ اپنی
لِحَوَائِجِكُنَّ ۔	ضرورت کے لئے باہر نکلو (بخاری)

جنگ اُحد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک مجروح ہوا ہے تو اُس ہجوم میں زخم کو دھونے کیلئے پاکیزہ نخل عصمت جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا خود تشریف فرما تھیں اور اس کا ذکر اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے ایک غیر شخص سہل بن سعد نے اِن الفاظ میں کیا ہے:۔

اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ اَعْرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ	ہاں خدا کی قسم میں پہچانتا ہوں جس نے رسول اللہ
جُرْحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم دھویا ہے۔

اعتدال سے اس قدر تجاوز کرنے کے لئے شرفا کی طرف سے کوئی عذر پیش نہیں ہوسکتا۔ نہ وہ اس بے غیرتی کا کوئی جواب رکھتے ہیں کہ جن رشتہ داروں سے عورت کا نکاح ہوسکتا ہے اُن کو بے تکلف اور بے اطلاع گھر میں آنے کی اور سفر و حضر میں ساتھ رہنے کی اجازت دیتے ہیں اور باوجود پردہ پر فخر کرنے کے پردہ کے تاکیدی حکم سے انحراف کرتے ہیں البتہ اِس میں کلام نہیں کہ مسلمانوں میں جب تک علم و فضل کا شوق حقوق نسوان کا پاس اور اعتدال پسندی کا جذبہ رہا ہے اور نیز جب تک علوم و فنون میں ایسی وسعت اور ترقی نہ ہوئی تھی جس کا اہتمام منفردہ کوششوں سے ناممکن ہوگیا ہے اس وقت تک عورتیں ازواج مطہرات کی طرح پردہ میں رہکر بھی مہمات امور سے واقف اور علم و فضل کی روشنی سے بہرہ ور ہوسکتی تھیں اس زمانے کے سخت پردہ میں قباحت کی نسبت برکت زیادہ تھی۔ اور اب بھی اگر کوئی خاندان باعلم اور روشن خیال ہو عورتوں کو علوم ضروریہ سے باخبر اور ضروریات زمانہ سے واقف رکھنے کا اہتمام کرسکیں اور غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ بے تکلف ملاقات کا

سدباب کریں اور نیز عورتیں پردہ کے احکام سے واقف ہوں۔ خاندانی عظمت کے بیجا فخر سے پاک ہوں اور بغیر کسی جبر کے آزادروی کی خواہش کو عصمت کی حفاظت پر قربان کریں اور خانہ نشین رہیں تو ایسی پاکدامنوں کی چادر سے میت کو کفن دینا چاہیئے۔ یہ مستورات حورانِ جنت سے زیادہ پاک اور بے عیب ہوں گی۔ اپنے فرائض سے باخبر ہونگی اور ان کو خوبی سے بجا لائینگی۔ صرف اس قدر کمی ہوگی کہ باہر آنے جانے اور کھلی ہوا کھانے سے ان کی صحت میں جو ترقی ہوسکتی ہے اور ان کی اولاد کو جو قوت مل سکتی ہے اس سے محروم رہینگی صحابہ کرام کی بی بیاں ضرورت کے وقت مردانہ اور زنانہ فرائض کو بجالانے کی جو قابلیت رکھتی تھیں اس کا ذکر فضول ہے۔ اس لحاظ سے ہمارے زمانے کے مرد بھی چنداں مرد نہیں ہیں تو عورتوں کے عورت نہ ہونے پر کیا افسوس ہے۔ افسوسناک حالت یہ ہوگی کہ وہ پردہ نشینی کی وجہ سے جاہل رہیں کہ اس حالت میں وہ کینہ بغض وعداوت کی خوگیر ہونگی جھوٹ بہتان اور غیبت میں وقت صرف کرینگی زیادہ ناپاک ہونگی اور اولاد کو ناپاک بنائینگی۔

چہرہ کو مستور رکھنے کا اثر

دوسرے درجہ کا پردہ جس میں چہرہ پر نقاب ڈالکر آمد ورفت کرنے کی اجازت ہے عورتوں کو مردوں کی طرف دیکھنے سے روک نہیں سکتا اور اس وجہ سے ان کے جذبات میں کسی قسم کا ہیجان پیدا ہو تو اس کا سدباب کر نہیں سکتا البتہ ان کے مستور ہونے سے دیکھنے والے مردوں کے دل میں ان کا احترام پیدا ہوتا ہے اور شریف بی بیاں سمجھ کر بدمعاشوں کو ایذادہی کی جرأت نہیں ہوتی۔ آیت میں اس حکم کا یہی فائدہ بتایا گیا ہے اور آخر میں خدا کے غفور و رحیم ہونے کی نوید دیگئی ہے کہ ناپاک خیالات جو پیدا ہوئے ہوں ان پر عمل نہ کیا جائے تو خدا معاف کردیگا۔

برہنہ روئی کا اثر

تیسرے درجہ کے پردہ میں مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم ہے اور چونکہ وہ صرف اسی قدر عمل کرسکتے ہیں اس کی تعمیل کریں تو انہیں دل کے صاف رہنے کی خوشخبری دیگئی ہے اور ڈرایا بھی گیا ہے کہ جو عمل کروگے اسے خدا سے مخفی نہ رکھ سکگے۔ عورتوں کو نظر نیچی رکھنے اور چہرہ کی زینت کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے اس میں قباحت کا احتمال زیادہ ہے۔ اس لئے اس حکم کی تفاصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے۔

تُوبُوا اِلَى اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ یعنے تم سب خدا کے آگے توبہ کرتے رہو۔ نہ معلوم کس وقت کیا خیال غالب آجائے ؞

پردہ کی لازمی شرط

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ ڈولی اور گاڑی کی پابندی مسلمانوں پر کبھی بھی فرض نہیں ہوئی۔ امہات المومنین سے زیادہ کسی کی عظمت نہیں انکے لئے بھی یہ اہتمام نہیں ہوا۔ اور کاروباری ضرورتیں اور علمی مشغلے اس کے متحمل بھی نہیں ہوسکتے۔ نقاب یا برقع کے ساتھ باہر نکلنا بہتر ہے ضرورت کے لئے چہرہ کو برہنہ کرنا بھی جائز ہے۔ مسلمانوں کی قوم میں شریف اور رذیل کی تقسیم کبھی نہیں ہوئی۔ ان کے ہاں نسل کوئی ہو شرافت اطوار کی خوبی پر منحصر ہے۔ بد اطواری کمینہ پن ہے۔ خاندانی عظمت کام نہیں دیتی۔ خدا فرماتا ہے :۔

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ
وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ
اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ٥
(حجرات پارہ ۲۶ ع ۲)

اے لوگو ہم نے تم کو ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تم کو فرقوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ ایک دوسرے کا پتہ لگاؤ۔ تم میں سے زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو اور اللہ ان سب حالات کو بہتر جانتا ہے ؞

اس حکم کے مطابق ایک گداگر کا بیٹا شریف اور ایک شہزادہ رذیل ہوسکتا ہے۔ معمار و بافندہ اور مغل پٹھان کی کوئی تمیز نہیں تو پردہ کے حکم میں کیا تفریق ہوسکتی ہے۔ ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ عورت اور مرد پہلو بہ پہلو نشست کریں۔ دوش بدوش سیر کو جائیں اور کلّہ بکلّہ جواب دیں نہیں دونو کا میدان الگ ہوگا۔ عورتوں کی تعلیم ہو تو مردوں سے علیحدہ اور کاروبار ہو تو مردوں سے جدا۔ حتےٰ کہ نماز میں بھی ان کی صف مردوں سے الگ ہوگی۔ عورت کا محرم اس کا باپ دادا ہے۔ اولاد ہے۔ بھائی ہے اور بھائی بہنوں کی اولاد ہے۔ یا شوہر ہے شوہر کی اولاد ہے اور اس کے باپ دادا۔ ان کے سوا اور سب رشتہ دار اجنبی ہیں۔ البتہ ضعیف العمر بوڑھے مرد یا ایسے بے وقوف اور پاگل جو عورتوں کی مخفی باتوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ ناسمجھ بچے یا پرانے زمانے کے غلام جن کو اولاد کی طرح رکھا جاتا تھا یہ سب

حکم قرآنی کے مطابق مستثنے ہیں۔ جوان عورت ان کے سوا اور کسی جوان مرد کے ساتھ خلوت میں ملاقات نہیں کر سکتی۔ ان احکام کی تعمیل ہو تو عورتوں کی کونسی ضرورت ہے جو بند رہ سکتی ہے اور کونسی ترقی ہے جو وہ کر نہیں سکتیں۔ کونسی حرکت ہے جسے کمینہ پن کہیں اور کونسی قباحت ہے جس کا امکان ہو +

اسلام کی تقسیم اور قدرت کی حدبندی

نوع انسانی کے تمام افراد ان ملکات میں جو اُن کے اندر ودیعت ہیں برابر نہیں ہوتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ بعض افراد خوبی کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں جو لائق تقلید ہو اور بعض بدی میں ایسے غرق ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہوں اور اکثر و بیشتر افراد دونو طرف میلان رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے اندر نیکی زیادہ نمایاں ہوتی ہے بعض میں بدی۔ بلکہ ایک ایک فرد میں کسی وقت نیکی کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے کسی وقت بدی کی جانب پس جو عورتیں کسی نہ کسی طرح کے پردہ کی پابند ہیں اور جو عورتیں بالکل آزاد ہیں ان میں سے کسی فریق کو فطری میلان کے لحاظ سے دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ بلکہ ضرور ہے کہ آزاد طبقہ میں بعض عورتیں عادات واطوار کے لحاظ سے وہ اعلیٰ پایہ رکھتی ہوں گی کہ انہیں مریم صفت معصوم کہہ سکیں اور ضرور ہی کہ پردہ نشین عورتوں میں سے بعض نہایت پست اور کمینہ جذبات رکھتی ہونگی۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے جو بدل نہیں سکتی۔ انسانی کوشش صرف وہ فضا پیدا کر سکتی ہے جس میں بدی کو دبانے اور خوبی کو ترقی دینے کا موقع زیادہ میسر آئے۔ نیز انسانی ضرورتوں کے اہتمام میں کوتاہی نہ ہو۔ اسلام نے اس بارہ میں جو کوشش کرنے کا حکم دیا ہے اسے دیکھا گیا اور ثابت ہوا کہ صحت کو قائم رکھنے مناظر قدرت سے لطف اُٹھانے نشیب و فراز کا تجربہ حاصل کرنے میدان علم میں گامزن ہونے اور ضرورت کے وقت اپنے مردوں کے دوش بدوش صعوبات کو برداشت کرنے اور دشمن کو دندان شکن جواب دینے کے تمام موقعوں کا رستہ عورتوں کیلئے کشادہ ہے۔ البتہ مردانہ اور زنانہ جذبات کے تصادم سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ہر وقت کے اختلاط اور بے تکلف نشست و برخاست سے چونکہ کئی طرح کے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور تجربہ میں آتے ہیں اس لئے معمولی حالات کے اندر دونو کی نقل و حرکت کے دائرے الگ رکھے گئے ہیں۔ عورت کیلئے باہر کی نسبت گھر

کو بہتر قرار دیا ہے اور گھر کے جس قدر فرائض ہیں انکا اہتمام عورت کے سپرد ہوا ہے بیرونی فرائض مرد پر عائد کئے گئے ہیں یہی تقسیم اسلام کی ہے یہی حد بندی قدرت کی۔ انہی فرائض کے مناسب حال دونو کی تربیت ہونی چاہیئے۔ عورتوں کو مطالعہ کا شوق ہو تو چاہے تمام دنیا کے علوم دیکھ ڈالیں مگر ان کی نسوانی طبیعت کے تقاضے سے تعلیم وہی ہونی چاہیے جو نسوانی فرائض سے متعلق ہو نسوانی تعلیم پانے کے بعد وہ گھر کے لئے زینت ہونگی۔ شوہر کیلئے راحت ہونگی اور بچوں کیلئے رحمت ہونگی۔ اسلامیوں نے تہذیب جدید کا رنگ اختیار کیا ہے تو عورتونکو بھی ساتھ لئے اُڑے ہیں اور قدیم روش کو قائم رکھا ہے تو عورتوں کو کندۂ ناتراش اور قیدی بنا چھوڑا ہے جو اعتدال اُن کو اسلام نے عطا فرمایا ہے اگر پیدا ہو سکے تو دنیا دیکھے کہ عورتوں میں اُن فضائل کی کمی نہیں جو دنیا کو بہشت بنا سکتی ہیں اور اُن قباحتوں کا نشان نہیں جنسے مشرقی عورتیں مظلوم زندگی بسر کرتی ہیں اور مغربی عورتیں اپنی ہوس رانیوں سے نوع انسانی پر ظلم کر رہی ہیں +

باب دہم

قانون اور اسکی ایک شاخ

عام سوال کا خاص جواب

اب تک تہذیب جدید کے اُس خط و خال کا ذکر ہوا ہے جس کی نسبت شریعت اسلامیہ سے فتویٰ طلب کیا جائے تو اُس کے بارے ایک ہی جواب مل سکتا ہے۔ اب زمانہ حال کے ایک ایسے مطالبہ کا ذکر کرتا ہوں جس کی نسبت مذہب اسلام کے علمبردار مختلف جواب دیتے ہیں۔ بلکہ آزاد خیال طبقہ اکثر و بیشتر اس مطالبہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہی تو قواعد شریعت کو منسوخ کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھتا اور بعض بزرگوار کسی طرح سے ترمیم کرنے اور اصلاح دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو جواب ان لوگوں کی طرف سے دیا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا غلط میں سر دست یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ جن احکام کی بنیاد قرآن کریم

کے ساتھ دربار نبوت کے فرامین اور ائمہ مجتہدین کے قیاس و استنباط پر رکھی گئی ہے اور جس کو ماننے والے اب تک بھی تمام اکناف عالم میں اکثریت رکھتے ہیں اسلام کی اس خاص شکل کو مانکر کیا جواب مل سکتا ہے +

قانون اور مذہب

اعتراض یہ ہے کہ اسلام نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیلیا ہے اور ایسے ناطق فیصلے نافذ کئے ہیں جن کو بدل نہیں سکتے حالانکہ زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور اہل زمانہ تہذیب و جہالت کے تفاوت سے ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ مختلف سلوک روا رکھتے ہیں اور اسی باہمی برتاؤ کا نام قانون ہے جس کی شکلیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور زمانہ کا جو اقتضا ہوا اور واقعات نے جیسی ضرورتیں پیش کردی ہوں تمام قوانین ملکی و مالی کو وضع کرنے میں انہی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔ غرض قانون کو ہمیشہ بدلنے کی ضرورت ہے اور الہامی حکم بدلنے کی چیز نہیں اس لئے مذہبی احکام میں قانون شامل نہ ہونا چاہئے۔

غلط اصول

اس اعتراض کی بنیاد میں ایک اصول صحیح ہے۔ ایک اصول غلط ہے اور جس فعل کو شریعت اسلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں مبالغہ بیجا ہے۔ یہ اصول صحیح ہے کہ زمانہ کے حالات اور اس کا اقتضا بدلتا رہتا ہے۔ بہار کے بعد خزاں اور ارزانی کے بعد گرانی کا تجربہ کسی سے مخفی نہیں اور تاریخ کی آنکھ جہالت کے بعد تہذیب اور ستمگری کے بعد عدل و انصاف کا دور بھی دیکھتی آئی ہے اور ان حالات سے متاثر ہوکر انسان کے اعمال و اشغال اور طبائع کا میلان بدلتا رہتا ہے اور کام لینے کے وسائل اور برتنے کی چیزیں بھی ہر زمانے میں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن چیز کی تاثیر اور عمل کا نتیجہ کبھی نہیں بدلتا۔ باد و باران کا طوفان آتا اور نباتات و حیوانات کو برباد کرتا ہے۔ اسی قسم کا طوفان جب کبھی اسی قسم کے نباتات اور حیوانات پر آئیگا اسی قدر نقصان پہنچائیگا اور ایسے نقصان سے محفوظ رہنے اور نقصان کے بعد اس کی تلافی کرنے کے لئے جس طرز عمل کی ایک وقت میں ضرورت ہوگی ویسے ہی طرز عمل کی ہمیشہ ضرورت رہیگی۔ شکل بدل سکتی ہے۔ طوفان کی فطرت نہیں بدلتی۔ کوشش کا سامان بدل سکتا ہے۔ کوشش کی ضرورت مفقود نہیں ہوتی۔ نہ یہ ممکن ہے کہ طوفان آتا رہے مگر زمانہ کے تقاضے سے وہ تباہی نہ پھیلائے اور نہ یہ ممکن ہے کہ تباہی ہوتی رہے مگر زمانہ ایسا بدل جائے کہ بچاؤ کی ضرورت محسوس

نہ ہو۔ علیٰ ہذا یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ قتل و غارت کا ارتکاب ہوتا رہے اور جان و مال کا نقصان نہ ہو یا نقصان ہوتا رہے اور تلافی کا سر انجام نہ ہو۔ ممکن نہیں کہ عفت و عصمت پہ حملے ہوں اور نسل اور قومی خصائص محفوظ رہیں یا نسل اور قومی خصائص کے برباد ہونے کا احساس نہ ہو۔ بیشک بدامنی اور جہالت میں کسی قوم کی چند نسلیں گذر جائیں تو قتل و غارت پر تعجب نہیں رہتا اور عرصہ تک بے حیائی کا پردہ آنکھوں پر پڑا رہے تو عزت و عصمت کی پروا نہیں ہوتی۔ مگر یہ ایک مرض ہے جس میں بعض افراد ہر ملک کے اندر مبتلا ہوتے ہیں اور جہاں اس کو دفع کرنے کا انتظام نہیں ہوتا وہاں اپنی عفونت کو پھیلاتا اور لوگوں کو منفعت اور لذت کی چاشنی چکھاتا ہوا عالمگیر ہو جاتا ہے اور تمام قوم کو بیمار کر دیتا ہے۔ اسے دیکھکر یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ایسے وقت میں رہزنی۔ سرقہ اور عصمت دری کا ذکر دفعات قانون سے خارج کر دینا چاہیے بیشک یہ لوگ اگر کوئی پارلیمنٹ بنائیں اور غارتگری اور عصمت دری کے لئے قانون بنانا چاہیں تو ان کے اکثر افراد کا دل ضرور اسطرف مائل ہوگا کہ ان فائدہ بخش اور لطف انگیز مشاغل پر کوئی پابندی عائد نہ ہو بلکہ اگر ایسی قوم بیرونی دنیا کے حالات سے محض ناواقف ہو تو اغلب ہے کہ فہرست جرائم مرتب کرتے ہوئے بدامنی کے زمانے میں خونریزی و غارت گری کی طرف اور بے حیائی کے دور میں عصمت دری کی جانب کسی کا خیال ہی منتقل نہ ہو پس اگر تہذیب اور جہالت کے تفاوت سے باہم دگر مختلف سلوک روا رکھنے کو قانون کا معیار قرار دیا جائے تو ایسے حالات میں جو ہم نے فرض ہی نہیں کئے ہیں بلکہ موجودہ اور گذشتہ زمانے میں دنیا کے اندر ان کا وجود پایا گیا ہے کیا یہ صحیح ہوگا کہ بدامنی اور بیحیائی کے طرز عمل کو قانون کے معزز لقب سے یاد کیا جائے اور زمانے کا اقتضا اور واقعات کی پیدا کی ہوئی ضرورت سمجھ کر راہزنی اور بدراہی کی اجازت دیدی جائے +

جماعتی نفع و نقصان کا اصول

یہ نہیں ہو سکتا تو ہر ایک باہمی برتاؤ کو جو کسی زمانے میں رواج پا گیا ہے بنیادی اصول کیونکر مان سکتے ہیں اور ہر طرز عمل کو جو کسی جماعت نے بالعموم یا متفقہ طور پر اختیار کر لیا ہے کیونکر صحیح قرار دے سکتے ہیں۔ باہمی برتاؤ کی شکلیں قانون کا معیار نہیں ہو سکتیں۔ نہ کسی نے ان کو قانون

کا معیار مانا ہے۔ اصول قانون کو معین کرنے والے ہر فعل کی منفعت اور مضرت کو دیکھتے ہیں[*] اور منفعت اور مضرت کو اشخاص خاص سے وابستہ کرنے کی بجائے جماعت کے عام افراد پر منطبق کرتے ہیں اور جس فعل کو بالعموم جماعت کے لئے مضر سمجھتے ہیں ہر چند اس میں کسی شخص واحد کا یا چند اشخاص کا فائدہ ہو اسے ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس انتظام کو بہتر سمجھتے ہیں جو جماعت کیلئے مفید ہو خواہ ایک یا چند اشخاص نقصان اٹھائیں اور جب تک ایسا انتظام مفید ثابت ہوتا ہے اسے بدلنے کیلئے تیار نہیں ہوتے البتہ اگر کبھی کوئی انتظام جو جماعت کو فائدہ پہنچانے کیلئے کیا گیا ہے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچانے لگے یا اگر کوئی اور انتظام دریافت ہو جائے جس میں مضرت نسبتاً کم ہو اور منفعت زیادہ تو قانون کو بدلنے میں تامل نہیں کرتے۔ قانونی سقم و صحت کو پرکھنے کیلئے یہی معیار ہے اور اسی نظر سے اسلامی قانون کو دیکھنا چاہئے۔ اس کی بجائے اگر صرف یہی مدنظر ہو کہ اسلامی احکام اطالوی قانون (رومن لا) سے کس قدر متفاوت ہیں اور اہل یورپ نے اپنے طبعی میلان کے مطابق جو اصلاحیں کی ہیں وہ اسلامی قانون سے کس قدر مختلف ہیں اور یہ فرض کر لیا جائے کہ اہل یورپ نے جو خیال قائم کیا ہے۔ وہ ہر پہلو سے صحیح اور بجا ہے تو ایسی نظر رکھنے والوں کو نہ اسلامی قانون میں کوئی خوبی نظر آسکتی ہے نہ ان لوگوں کی خدمت میں کچھ گذارش کرنیکی ضرورت ۔

پابندی کی مقدار

معترض کی طرف سے مبالغہ یہ ہوا ہے کہ اس نے اسلام پر ہر قسم کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا الزام عائد کیا ہے حالانکہ حقیقت میں اسلام نے قانون کو مدون کرنے کے لئے چند اصولی قواعد کی تعلیم دی ہے اور اصول کو واضح کرنے کے لئے چند فروعی مسائل کا ذکر کیا ہے۔ دیکھنا یہ باقی ہے کہ اصول کیا ہیں اور جو احکام نافذ ہوئے ہیں ان میں انسانی ضرورت اور اس کے لوازم و لواحق کا کیسا اہتمام ہوا ہے اور ان میں زمانے کے ساتھ چلنے کی کہاں تک صلاحیت ہے۔ یہ دیکھنے اور اصول کی خوبی دریافت کرنے کے بعد جن قوانین کا ذکر نہیں ہوا وہ ہر زمانے کے لئے ایک خاص طریق پر مرتب ہو سکتے ہیں ۔

---

[*] ملاحظہ ہو پرنسپلز آف اینتھکس مصنفہ ہربرٹ سپنسر اور پرنسپلز آف لا مصنفہ بینتھم ۔

وسائل آمد

قانون کی تین بڑی شاخیں ہیں۔ مالی۔ دیوانی۔ اور فوجداری۔ حکومت کے نقطۂ خیال سے قانون مال کا اہتمام سب سے زیادہ ہے کیونکہ اسی پر حکومت کے قیام و استحکام کا مدار ہے۔ مزروعہ زمینوں کی پیمائش نہایت غور سے کیجاتی ہے اور ان کی حیثیت کو دیکھکر لگان مقرر ہوتا ہے جس کو بندوبست کہتے ہیں۔ بندوبست کسی ملک پر تصرف کرنے کے بعد بالعموم ایک بار کر لیا جاتا ہے۔ سالانہ گرداوری ہوتی رہتی ہے۔ بعض حکومتیں دوامی بندوبست پر قناعت نہیں کرتیں اور ہر چند سال کے بعد بندوبست جدید کے نام سے لگان زیادہ کرنے کی صورت پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اور معدنیات اور دفینے جہاں کہیں دریافت ہوں۔ زمین کسیکی ملکیت ہو حکومتیں بلاشرکت غیرے قبضہ کر لیتی ہیں اور کسی حکومت کی واقعی ضرورتیں یا عیش پسندی کے مصارف زیادہ ہو جاتے ہیں تو محصول تجارت کے علاوہ ہر شخص کی آمدنی پر ٹیکس لگا دیتی ہیں حتّٰی کہ بعض جابر حکومتیں عام دوکانداروں پیشہ وروں اور مزدوروں پر بھی ٹیکس عائد کرنے سے پرہیز نہیں کرتیں ٭

خراج

اسلام سر رشتہ مال کا ایک اصول اور چند سادہ اور آسان احکام نافذ فرماتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ زمین کی پیمائش حیثیت اور آمدنی کو تشخیص کرنے کے بعد اتنا لگان مقرر ہو جو زمیندار برداشت کر سکے۔ اس کی مقدار آمد کے پانچویں حصہ سے شروع ہو کر حسب حیثیت نصف تک پہنچ سکتی ہے اور بہتر یہ سمجھا گیا ہے کہ لگان کو زمیندار کی طاقت برداشت سے کم رکھا جائے۔ حیثیت کو دیکھنے کے بعد پیداوار کی اقسام کو دیکھا جاتا ہے۔ باغات جن میں پھل دینے والے درخت باہم پیوستہ ہوں اور درمیان میں کاشت نہ ہوتی ہو چونکہ اس میں کاشتکاری جیسی محنت درکار نہیں ہے اس کا خراج سب سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ دوسرے درجہ پر کھیرا۔ خربوزہ وغیرہ ترکاریوں کے کھیت ہیں۔ سب سے کم لگان غلہ کے کھیت پر لگایا جاتا ہے کہ یہ مدار زیست ہے اس کو گرانی کے اسباب سے حتی الوسع بچانا چاہئے اور نیز اسکی تیاری میں کاشتکار کو زحمت زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں عراق عرب کی پیمائش کروائی اور حیثیت کو تشخیص کیا ہے تو ایسی زمینوں پر جو برساتی نالوں سے سیراب ہوتی تھیں۔ باغات کی ایک جریب پر دس درہم ترکاریوں پر پانچ درہم اور غلہ پر ایک

٭ جریب ساٹھ گز مربع اور گز سات قبضہ کا درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی جسکی قیمت آجکل کے نرخ سے ساڑھے تین آنہ ہوتی ہے۔

درہم سالانہ مقرر کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ ان کی طاقت سے زیادہ تو نہیں۔ جواب ملا کہ طاقت سے کم ہے۔ یہی قائم رکھا +

معدنیات اور مال تجارت

معدنیات جو سیال ہوں جیسے پانی اور پارہ یا منجمد ہیں مگر ہتھوڑے کی ضرب برداشت نہیں کر سکتیں جیسے نمک اور سرمہ* ایسی چیزیں محصول سے بری ہیں منجمد اور شکل بدلنے والی معدنیات۔ چاندی۔ سونا۔ لوہا۔ تانبا وغیرہ سے پانچواں حصہ لیا جاتا ہے۔ دفینہ جو دریافت ہو اگر کسی قرینہ سے اُس کا مالک معلوم ہو سکے تو اُس کو یا اس کے وارث کو دیا جاتا ہے ورنہ حکومت پانچواں حصہ وصول کرتی ہے باقی مالک زمین کا حق ہے اس میں اصول یہ قرار پایا ہے کہ زمین پر قبضہ کرنے والا صرف سطح زمین کا مالک نہیں ہے وہ زمین کے اوپر فضا میں جہاں تک ممکن ہو عمارت کو بلند کرنے کا حق دار ہے اور زمین کی گہرائی میں جہاں تک ممکن ہو تہ خانے بنانے اور کنواں کھودنے کا حق دار ہے پس اگر پانی سے زیادہ قیمتی چیز اس کی زمین میں موجود ہے تو محض اس لئے کہ اس سے زیادہ طاقتور افراد اس کی خواہش رکھتے ہیں اور اس سے غصب کر سکتے ہیں وہ اپنے حق سے محروم نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو چیزیں شکل بدل کر مختلف اغراض میں کام آتی ہیں اور منفعت بخشتی ہیں حکومت ان کا محصول لے سکتی ہے مال تجارت پر اپنی رعایا سے قیمت کا بیسواں حصہ اور ممالک غیر کے تجار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ وصول کرنے کا حکومت کو اسلامی نقطہ خیال سے کوئی حق نہیں ہے۔

غیر متبدل قانون

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قانون کو بدلنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے قوت برداشت کا خیال رکھ کر جہاں تک ممکن ہو لگان کو کم زیادہ کر سکتے ہیں اور زمیندار کی طاقت سے زیادہ وصول کرنے کے اندر ہر زمانے میں رعایا کے برباد ہونے کا یقین ہے بیشک آجکل ایسا انتظام جائز سمجھا جاتا ہے جس میں رعایا خون کو پسینہ کی طرح بہا کر کام کرے

---

* یاقوت زمرد وغیرہ جواہرات کو نمک اور سرمہ کی قسم میں لکھا گیا ہے اور محصول سے بری کیا ہے یہ چیزیں دنیا کے اندر بہت کم استعمال ہوتی ہیں سکہ چلانے کا کام نہیں دیتیں محض نمائش دکھانے والوں کے سر و گردن کو آراستہ کرنے کا کام دیتی ہیں اور مسرف لوگوں نے جنکو روپیہ کی قدر نہیں ہے انکی قیمت کو بڑھایا ہے حقیقت میں ہیچ ہیں نمک اور سرمہ کے برابر بھی فائدہ نہیں رکھتیں +

اور خشک ٹکڑا ایک وقت کے بعد دوسرے وقت نہ کھا سکے اور حکومت کے مطالبات پورے کرتی رہے مگر انصاف کے رو سے ایسے انتظام کو کوئی جائز نہیں کہہ سکتا اور رعایا کو تکلیف دینے کے بعد کوئی حکومت دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر حکومتیں اپنی طاقت کو ظاہر کرنے کے خوفناک وسائل اس قدر ایجاد کرلیں کہ رعایا بھوکی رہ کر انکی خدمت کرے اور سرتابی نہ کرسکے جب بھی اگر کہیں سچی اسلامی حکومت موجود ہوگی تو وہ ایسی ایجادوں سے رعایا کے خلاف فائدہ اٹھانے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوگی اور اپنے قانون میں اس بیدردی کا مظاہرہ نہ کریگی ٭

ایزاد کی ضرورت

البتہ اگر کسی زمانے میں رفاہ عام اور قیام امن کی واقعی ضرورتیں زیادہ ہوجائیں اور مقررہ محاصل اس کے لئے کافی نہ رہیں تو چونکہ غرض مشترک ہے اور رعایا کو بھی حکومت کے قیام کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی حکمران طبقہ کو۔ اس لئے قیام کے وسائل کو برداشت کرنا بھی انپر فرض ہوگا پس ضرورتوں کو مشتہر کرنے کے بعد نمائندگان رعایا کو پورے انصاف کے ساتھ حکومت کا دباؤ ڈالنے کے بغیر منتخب کرسکتے ہیں اور ان سے رائے لے سکتے ہیں۔ اگر ضرورت قابل تسلیم ہے اور سوسائٹی کی آسائش اس سے وابستہ ہے تو رعایا اپنی رضامندی سے کوئی زائد بار برداشت کرسکتی ہے بلکہ ان حالات میں اگر سچی ضرورتوں کے لئے رعایا اپنی تمام آمدنی دیدے اور صدیق اکبرؓ کی طرح ایک کمبل کو کانٹوں سے سی کر جسم پر لپیٹ لے تو حکومت کو اس کا خرچ کرنا جائز ہوگا۔ مگر اس صورت میں محاصل کے ایسے ابواب تجویز ہوسکتے ہیں جو فی نفسہ جائز ہوں یعنے سررشتہ آبکاری کی قسم کا کوئی کارخانہ قائم نہیں ہوسکتا مسکرات کے ٹھیکوں کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ قمار خانے اور چکلے قائم نہیں ہوسکتے نہ ان سے کوئی ٹیکس وصول کرسکتے ہیں میونسپلٹی کی قسم کا انتظام سڑکوں کے اور مدارس کے ابواب۔ نہروں کا آبیانہ۔ ڈاک۔ تار اور منی آرڈر کا محصول خالص حق الخدمت ہے اس میں رعایا کی رضامندی اور ناپسندیدگی کا بھی دخل نہیں مگر ملک کی ضروریات میں خرچ کرنیکے لئے ایسے محاصل کا نرخ جو وقتاً فوقتاً کم زیادہ کردیا جاتا ہے اسمیں رعایا کی رائے کا دخل ہونا چاہیئے اور استحقاق سے زائد جو رقم وصول کیجائے اسکے لئے ہر سال رعایا سے تازہ منظوری لینے کی ضرورت ہوگی۔ جو لوگ ایکبار دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں دوسری بار بغیر رضامندی مجبور نہیں ہوسکتے

محصول تجارت میں اضافہ

مال تجارت کا محصول بھی اپنی رعایا پر ان کی رضامندی کے ساتھ

زیادہ ہوسکتا ہے۔ ممالک غیر کے مال پر محصول زیادہ کرنے کا کام البتہ دشوار ہے وہ ہماری ضروریات کو دیکھکر محصول زیادہ کرنے پر رضامند نہیں ہوسکتے اور تمام دنیا کے تاجروں کی رضامندی حاصل کرنیکا کوئی صحیح طریق بھی ہم ایجاد نہیں کرسکتے اور مسلمانوں کو ان پر دس فیصدی سے زیادہ بار ڈالنا جائز نہیں یہی ایک صورت ہے جس کو زمانہ حال کے میلان نے مشکل بنا دیا ہے۔ جو ممالک کسی قسم کا اچھا مال تیار کرتے ہیں اور حکومتیں ان کے مقابلہ میں اپنے ناقص مال کو ان سے زیادہ رواج دینا چاہتی ہیں تو تمام ممالک ہیں جو انکے زیر اثر ہوں اغیار کے ایسے مال پر سو فیصدی محصول لگانے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ اسکو جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس پر فخر کیا جاتا ہے اور اس فعل کو حب وطن کا خطاب دیا جاتا ہے اور اس طرح کے محصول کو ایسا شیر مادر سمجھا گیا ہے کہ جو ممالک کسی حکومت کے ماتحت ہوں انکا مال بھی اگر فاتح قوم کے خاص وطن میں جاتا ہے تو اس پر ایسا بھاری محصول تجویز کرتے ہیں جس سے مال کی قیمت گراں ہوجائے اور خریدار نہ مل سکیں اور دوسری جانب تمام دنیا کو آزاد تجارت کے ڈھکوسلے سے دھوکا دیا جاتا ہے اور اگر کوئی ملک بیرونی مال کی درآمد روک دے تو مرنے مارنے کو تیار ہوتے ہیں۔ حالانکہ محصول کو گراں کرنا بعینہ مال کو روکنے کے برابر ہے بلکہ تاجر کیلئے اس میں نقصان زیادہ ہے کہ وہ مال لاتا ہے فائدہ کی امید پر۔ محصول زیادہ دینے کے بعد کم قیمت رکھے تو نقصان اٹھاتا ہے محصول کو قیمت پر ایزاد کرے تو گاہک نہیں ملتا مال ضائع ہوجاتا ہے۔ اسکی بجائے صاف گوئی سے کام لیا جائے اور بیرونی مال کو روک دیا جائے تو وہ صبر کریں نہ فائدہ کی امید پر مال جوکھوں میں ڈالیں نہ نقصان اُٹھائیں۔

آزاد تجارت

مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر تجارت کی آزادی کسی ملک کیلئے مضر ہے اور اس کی اپنی تجارت برباد اور رعایا تباہ ہوتی ہے تو اس کو اختیار ہونا چاہیئے کہ باہر کے مال کو جو بھڑک دار ہے نفیس ہے اور اچھا ہے اپنی رعایا کے سامنے نہ آنے دے اور ان کو مجبور کرے کہ ملکی اشیا کی سرپرستی کریں اور مال کیسا ہی بدصورت اور ناقص ہو اپنے ہموطنوں کا روزگار رکھوانے کے لئے اسی پر قانع ہوں اور اغیار کو خواہ کیسے ہی زبردست ہوں ایسے ملک پر باہر کا مال لینے کے لئے دباؤ ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو۔ اور اگر ایک یا چند ممالک کے تجارتی

نقصان اور ملکی بربادی کی پروا نہیں ہے اور تجارت کو آزاد رکھنے پر اصرار ہے تو پھر آزادیکا احترام کرنا چاہیئے اور اضافہ محصول کا بہانہ بنا کر اسے پابند سلاسل کرنے سے اجتناب ہونا چاہیئے۔ یہ کیا تماشا ہے کہ تجارت کو آزاد بھی کہا جاتا ہے اور لطائف الحیل سے اسکو بند بھی کیا جاتا ہے۔ اپنے ملک کی حمایت کا بھی دعوےٰ ہے اور اس کو اغیار کا مال بھاری قیمت پر خریدنے کے لئے مجبور بھی کرتے ہیں۔ اگر تجارت کو آزاد ہی رکھنا ہے اور باہر کے مال کو روکنا نہیں ہے تو اہل ملک اپنا مال تیار کرنے سے رہے انکی حمایت کا دعوےٰ ہے تو کم از کم باہر کا مال ارزاں تو رہنے دو کہ بے روزگار اور مفلس رعایا آسانی سے خرید سکے۔ یہ کیا حمایت ہے کہ باہر کا مال روکا نہیں جاتا۔ گران کر دیا جاتا ہے۔

بائیکاٹ

کہا یہ جاتا ہے کہ اہل ملک کو خود ملکی مال کی سرپرستی میں بیرونی مال کو بائیکاٹ کرنا یا کم خریدنا چاہیئے۔ مگر عوام کا دور اندیشی کے ساتھ ایک خاص خیال پر کاربند ہونا اور اپنے فوری نقصان یا بے لطفی کو برداشت کرنا تہذیب کا ایک خاص درجہ چاہتا ہے جس کے بغیر جاہل آبادی ایثار نہیں کر سکتی۔ نیز تہذیب کے عالم میں بھی مال کے اندر پندرہ بیس کا تفاوت برداشت ہو سکتا ہے ورنہ باہر کا نہایت اچھا مال دیکھنے کے بعد اپنا نہایت گھٹیا مال لینے پر یعنے برقی لیمپ کو دیکھ کر مٹی کے چراغ پر تہذیب اور دور اندیشی والے بھی قناعت نہیں کر سکتے۔ مٹی کا چراغ جبھی چل سکتا ہے کہ پبلک بلوریں لیمپ کی شکل سے واقف نہ ہو۔ ہندوستان میں بڑے بڑے بدیشی مال کے بائیکاٹ کا دعویٰ کرنے والے بھی ریل گاڑی کو نہیں چھوڑتے اور بہلی میں سفر کرنے کا عزم نہیں کر سکتے وجہ یہی کہ دونو چیزوں کے فائدہ میں تفاوت بہت ہے۔

حیلہ کی پردہ دری

اصل میں یہ ساری بہانہ سازی اس لئے ہے کہ ارباب حکومت کو اپنے صرف کیلئے مال زیادہ ہاتھ آئے اور وہ جس طرح چاہیں عیش و عشرت میں زندگی بسر کریں ورنہ آزاد تجارت کے نام سے محصول زیادہ کرنے سے [illegible] نہ تاجروں کی بہتری مقصود ہے نہ رعایا کی بہبود۔ اسلامی حکومت اگر کوئی ہو تو وہ ایسے ڈھکوسلوں میں نہ آئیگی۔ وہ بیرونی مال کو ملک میں لانا مناسب سمجھیگی تو سب پر اپنے مقررہ نرخ سے محصول عائد

کریگی اور اگر دیکھیگی کہ باہر کے مال سے اسکی ملکی تجارت اور اس کی رعایا برباد ہوتی ہے تو رعایا کی حمایت میں بیرونی مال قطعاً بند کر دیگی اور چونکہ ملکی تجارت کا سوال موت اور زندگی کا سوال ہے اِس لئے کوئی حکومت آزاد تجارت کے بہانے سے برسرِ پرخاش ہوگی تو سچائی کی حمایت میں اور اپنی قومی زندگی کو ہلاکت سے بچانے کے لئے وہ ہر طرح ساعی ہونا اپنا فرض سمجھیگی اور اگر جنگ و پیکار تک نوبت آئیگی تو جب تک ان کا ایک متنفس بھی موجود ہو اغیار کی حیلہ بازی کا شکار ہونا پسند نہ کریگی۔ یہ آزاد تجارت کا سوال پیدا ہی ان لوگوں نے کیا ہے جو سب تجارت کا پیشہ رکھتے ہیں اور پست اقوام کی اپنی تجارت کو برباد کرنا چاہتے ہیں مسلمان سچائی پر قربان ہونے کے لئے پیدا ہوا ہے اور اسلام نے تلوار کے سایہ میں پرورش پائی ہے اگر کوئی قوم سچی مسلمان ہو تو حق و صداقت کی حمایت میں اسے باطل پرست مخالفین کی چیرہ دستیوں اور چالبازیوں کی پروا نہیں ہوتی کیونکہ اسکا ایمان ہے

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ نہ سستی کرو اور نہ فکر کرو اگر تم مومن ہو تو
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۵ تم ہی غالب رہو گے۔

اگر دنیا سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

جزیہ

اسلامی مالیات کے خط و خال کو نمایاں کرنے کے لئے ایک نکتہ کی ضرورت باقی ہے۔ وہ یہ کہ اسلامی حکومت لازمی طور پر فوجی حکومت ہے جناب صدیق اکبر کے سب سے پہلے خطبہ میں یہ الفاظ ہیں:۔

"جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے"

اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی حکومت ہمیشہ ملک گیری اور کشور کشائی میں مصروف رہتی ہے نہیں محض ملک گیری کیلئے جنگ و پیکار میں مصروف رہنا اور اغیار پر تغلب کرنے کے لئے برسرِ پرخاش ہونا حسب احکام قرآن ممنوع ہے۔ اسلامیوں کو محض ظالموں اور فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہے۔ ملک کے اندر جو لوگ قتل و غارت اور نقض امن کے مرتکب ہوں اور اسلامی ممالک کے ہمسایہ میں جو اشخاص یا حکومتیں ظلم و ستم اور سفاکی و خونریزی میں مصروف رہتے اور عوام کے جان و مال اور مذہب پر تعدی کرتے ہوں انکو امن و آزادی کے احترام

پر مجبور کرنا اور نہ باز آئیں تو تلوار سے اُن کے مرض کا آخری علاج کرنا مسلمان حکومت پر فرض ہے۔ اور اس فریضہ کو بجالانے کا بار محض مسلمانوں کی گردن پر ہے اور ہر ایک مسلمان جو جسمانی طاقت سے اور اپنی رائے صائب سے جنگی مہمات میں کارآمد ہو سکتا ہے اس فریضہ کی بجاآوری پر بلامعاوضہ طلب کرنے پر مجبور ہے اور کوتاہی کرنے کی صورت میں گنہ گار اور جواب دہ ہے۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ تمام قوم ان سے سلام و کلام اور رشتہ داری کے تعلقات منقطع کر دیں حتے کہ ان کی بیویاں بھی ان کے لئے کھانا نہ پکائیں۔ نامسلمان رعایا پر جہاد کا فریضہ عائد نہیں ہے اور خواہ جنگ کی کیسی ضرورت ہو نامسلمان رعایا امن کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف رہ سکتی ہے۔ اگر دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو جب بھی نامسلمان رعایا کو مدافعت میں شریک ہونے کیلئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ صرف مسلمان مدافعت کے ساتھ نامسلمان رعایا کے جان و مال کی حفاظت بھی کرتے ہیں نامسلمان رعایا کی اس آزادی اور راحت کے عوض میں ان میں سے جو جوان اور طاقتور ہوں اور کسی دائمی مرض میں مبتلا نہ ہوں ایک ٹیکس ادا کرتے ہیں جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ جزا سے مشتق ہے جس کے معنے عوض ہیں۔ جزیہ تشخیص کرنے کے لئے حیثیت کے تین درجہ مقرر ہیں مالدار شخص سے جس کو اپنی ضرورت کیلئے کسی پیشہ کو اختیار کرنے کی حاجت نہ ہو ۴۸ درہم سالانہ یعنے ۴ درہم ماہوار لئے جاتے ہیں۔ ایسے مالدار شخص سے جس کو کسب کرنے کی بھی ضرورت ہے ۲۴ درہم سالانہ یعنے ۲ درہم ماہوار لئے جاتے ہیں اور ایسے شخص سے جو مالدار نہیں ہے لیکن اپنے کام کی آمدنی حاجت سے زیادہ رکھتا ہے ۱۲ درہم سالانہ لئے جاتے ہیں۔ انکے علاوہ اور کسی شخص پر اور نیز نامسلمان عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے۔ دوسری جانب جب مسلمان کوئی ملک تسخیر کریں اور اسکی زمین کے کچھ ٹکڑے مسلمان سپاہیوں کو جاگیر میں دیں تو ان کے حسن خدمت کے صلہ میں ان کو خراج معاف نہیں ہوتا البتہ بجائے ۲۰ فیصدی کے دس فیصدی لگان لیا جاتا ہے اور اسیطرح مسلمان تاجروں سے مال تجارت کی قیمت کا چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے کیونکہ انپر فوجی خدمت بھی لازم ہے اور نیز تجارت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس جو سرمایہ جمع ہو اس پر بھی سالانہ چالیسواں حصہ ٹیکس ہے جس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ نامسلمان خواہ لاکھوں روپیہ کا سرمایہ رکھتا ہو اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں ہے۔ صرف تجارت کے مال سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے +

عرب کا لگان

دوسرا امتیاز اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے لئے یہ ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کو ان کا قومی گھر تصور کیا گیا ہے اور اس کو اس حیثیت میں ہمیشہ قائم رکھنا فرض ہے تا دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر عرصۂ زیست تنگ ہو۔ ان کا جان و مال محفوظ نہ رہے یا وہ شعائر مذہبی کو ادا نہ کر سکیں اور مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو وہاں سے ہجرت کریں اور عرب میں آ کر بے تکلف آباد ہو جائیں پس مسلمانوں پر فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ عرب میں اغیار کو آباد ہونے دیں نہ اس خطہ پر اغیار کی حکومت ہو اور جو مسلمان اس خطہ میں آباد ہوں یا باہر سے آئیں اور زمینداری کا پیشہ اختیار کریں۔ ان سے محاصل کا دسواں حصہ لگان لیا جائے۔ یعنے عرب کی سرزمین سے جس کی حدود معین کر دی گئی ہیں ہمیشہ عُشر کا مطالبہ ہے۔ اس سے زیادہ خراج نہیں لیا جاتا۔

لگان کا تفاوت

ان میں سے کسی حکم کی ضرورت قابل انکار نہیں۔ اسلامی ممالک میں اور ممالک غیر میں جو مسلمان آباد ہوں وہ کبھی اغیار کی دستبرد سے بےفکر اور فریضہ جہاد و ہجرت سے فارغ نہیں ہو سکتے۔ جب کبھی ان پر ظلم ہوا اور وہ مقابلہ کی قوت رکھتے ہوں تو تلوار کا چلانا اور سینہ پر تیغ و تبر کھانا انکا فرض ہے۔ کمزور ہوں اور شعائر اسلام سے روکے جائیں تو ہجرت کرنا اور کسی محفوظ مقام میں پناہ لینا ضروری ہے۔ جہاد کی مصروفیت میں رہکر کاروبار معیشت میں جو خسارہ ہوتا ہے اس کے عوض تجارت کا محصول اور زمین کا لگان کم رکھنا عین مصلحت ہے۔ ہجرت کیلئے ایک مقام کو قومی گھر بنا کر وہاں زندگی بسر کرنے کے وسائل کو انکے لیے سہل الحصول بنانے کی ضرورت بھی مخفی نہیں کہ ہجرت کی صورت میں وہ اپنی تمام ملکیت اور جائداد سے بیدخل ہوتے ہیں ملک عرب کے لگان کو کم رکھنا عین انصاف ہے۔ نامسلمان رعایا کو مسلمانوں کے ماتحت نہ ان مجبوریوں سے واسطہ پڑتا ہے نہ انکے لیے کسی مزید سہولت کی ضرورت پس قانون مالیات میں کسی حکم کو کسیوقت میں بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ البتہ ملکی حالات اور آب و ہوا کے تغیر سے جسقدر اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے اسکا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا رکھا گیا ہے اور ہر انقلاب کے وقت لگان میں کمی بیشی بلکہ معافی بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مدار طاقت برداشت پر ہے۔

باب یازدہم

قانون دیوانی

حلت و حرمت کا قانون

خرید و فروخت۔ بیع و رہن اور ہر گونہ داد و ستد کیلئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول مقرر فرما دیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد) +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمانوں کے مابین ہر صلح جائز ہے مگر وہ جائز نہیں جس کے رو سے کوئی حلال حرام ہو جائے۔ یا حرام حلال ہو جائے اور مسلمان پر ہر شرط کی پابندی فرض ہے مگر وہ شرط جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرائے +

اس فرمان کا اشارہ بھی اسی قانون منفعت و مضرت کی طرف ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت کے رو سے حرام وہی چیزیں اور وہی اعمال ہیں جو مضر ہوں اور حلال وہ ہیں جو مفید ہوں۔ اور جس وقت کسی مضر چیز کے استعمال کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو مثلاً بھوک کی وجہ سے کسی کی جان نکلتی ہو اور مردار گوشت کے سوا کوئی چیز نہ ملتی ہو تو جان بچانے کے لئے ایسی چیز کا بقدر ضرورت کھانا جائز ہے یعنے ایسے وقت میں وہ چیز بشرطیکہ مقدار میں کم ہو بجائے مضر ہونے کے مفید ہے اور بھوک کی شدت میں یہ مقدار کوئی نقصان نہیں پہنچاتی یہی اصول تمام احکام فقہیہ میں کار فرما ہے اور آئندہ جو ضرورت پیش آئے اس کا حکم اسی اصول کے مطابق مستنبط ہوتا ہے مثلاً:۔

قمار بازی

۱۔ قمار بازی ناجائز ہے کیونکہ کسی کے مال پر قابض ہونے کا صحیح طریق یہ ہے کہ اس سے کسی خدمت کا یا مال کا عوض لیا جائے یا اپنی مفلسی اور بیکسی کے سبب خیرات وصول کی جائے یا دوستانہ تحفہ حاصل کیا جائے قمار بازی کے اندر ان میں سے کوئی معاملہ نہیں ہے۔ نہ کھیلنے والوں میں سے کسی شخص کی یہ خواہش ہے کہ لینے والا لیجائے سب خود تمام مال لینے کی آرزو رکھتے ہیں مگر ایک شرط کی وجہ سے جس پر کسی کا اختیار نہیں ہے نہایت حسرت کے ساتھ اپنا اپنا حصہ شخص واحد کو دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پرایا مال بغیر کسی حق کے اور بغیر دینے والے کی خواہش کے لینا ناجائز ہے پس جو شرط قمار بازی کے اندر مقرر ہوتی ہے وہ جائز شرط نہ ہوگی۔ اور اس میں دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ جس کو قمار بازی کی عادت ہوجاتی ہے وہ تمام عمر برباد و مفلوک الحال رہتا ہے۔ اور اپنی بیہودہ ہوس کے اندر اپنا اندوختہ بلکہ اپنی ضروریات اور اپنے کنبہ کی ضروریات کو بھی برباد کرتا رہتا ہے پس ایسے مطالبہ کا دعوے عدالت میں دائر ہو تو اسلامی حکومت ہرگز ڈگری نہیں دیتی بلکہ اس فعل کا ثبوت ملجائے تو تمام شرکا کو مستوجب تعزیر سمجھتی ہے ۔

لاٹری

فی زمانہ قمار بازی کیلئے عجیب دورنگی چال چلی جاتی ہے۔ قمار کی بعض شکلیں جرائم قرار دیگئی ہیں مگر گھڑ دوڑ وغیرہ کی کئی شکلوں میں اس کی علی الاعلان اجازت ہے اور ایک خاص شکل ایجاد ہوئی ہے جس کو لاٹری کہتے ہیں۔ لاٹری کی ہوس جن لوگوں کو پیدا ہوگئی ہے وہ کبھی ہمیشہ اپنے ملک میں اور ممالک بعیدہ کی لاٹریوں میں روپیہ بھیجتے رہتے ہیں اور کوئی خوش قسمت کامیاب ہوتا ہے باقی تمام لوگ مدۃ العمر اپنی رقم ضائع کرتے رہتے ہیں۔ حکومتیں ایسے کارخانوں سے ٹیکس لیتی ہیں اور اپنے فائدہ کے لئے لوگوں کے برباد ہونے کا تماشا دیکھتی ہیں۔ اسلام ایسے کسب کو جائز نہیں کہہ سکتا اور اسلامی حکومت ایسے مطالبوں کی حامی نہیں ہوسکتی۔ اور ایسا زمانہ کبھی نہیں آسکتا کہ قمار بازی کے مفاسد دور ہوجائیں اور قانون کو بدلنا پڑے ۔

بیدادی کا نام ہمدردی

سنتے ہیں کہ لاٹری سے کبھی مفید کام بھی لیا جاتا ہے یعنے

رقم کے ایک حصہ سے کوئی پل بنایا جاتا ہے یا نہر نکالی جاتی ہے یا کوئی اور رفاہ عام کا کام کیا جاتا ہے باقی رقم کے چند حصے قرعہ اندازی سے بعض شرکا کو مل جاتے ہیں اور لوگ بڑی رقم کا حصہ دیکھکر لالچ کے مارے زیادہ خوشی سے چندہ دیتے ہیں۔ ایسا ہونا ممکن ہے مگر خدا سے ڈرنے والا مسلمان رفاہ عام کا فائدہ دیکھیگا تو بعد میں خالص نیت سے اس کام میں چندہ دیدیگا مگر حلال روزی اور اپنا حق لینے کی بجائے اس حصہ کا وہ ادا نہ ہوگا جو ہزاروں کے سینہ سے آہ نکلنے کے بعد ایک شخص کو ملیگا کیا ہمدردی انسان کا دعوے کرنے والے اور آسائش حیوانات کے لئے قانون بنانے والے جائز سمجھتے ہیں کہ وہ رقم لی جائے جس میں ہوس کے مارے اور عادت سے لاچار ہو کر ایسے لوگوں نے بھی ایک ایک دو دو روپیہ دے دئے ہونگے جن کے پاس اس وقت کے لئے بچوں کے کھانے کا سامان بھی نہیں ہے۔ کیا ایسی رسم کو جاری کرنے والے غریبوں سے ہمدردی کرنے کا ذرا سا ولولہ بھی اپنے دل میں رکھتے ہیں اور کیا دعوے کر سکتے ہیں کہ انھوں نے رفاہ عام کا کام کیا ہے نہیں وہ رفاہ عام کا کام ہرگز نہیں جس میں لالچ دے کر غریبوں کے منہ سے ٹکڑا چھینا گیا اور بچوں کو بھوک سے تمام رات بلبلانے پر مجبور کیا ہے۔ آہ دنیا کی ہوس نے عقل پر کیسا پردہ ڈال دیا ہے کہ ظلمت کو نور سمجھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں +

پھل کی بیع فاسد

۲۔ انسان ہوس کا کیڑا ہے ایک باغ کو دیکھتا ہی جس میں پھول آئے ہیں اور پھل نکلنے کا وقت ہے فوراً پھل خریدنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ مالک ایسے عقل کے اندھوں کی تاک میں رہتا ہے بے دھڑک سودا کر لیتا ہے مگر پھول کے آنے سے پھل کے نکلنے اور پکنے اور خریدار کے قبضہ میں آنے کے وقت تک متعدد زمینی اور آسمانی بلائیں آتی ہیں اور پھول دیکھکر پیداوار کا جو اندازہ کیا جاتا ہے اس کو غلط کر دیتی ہیں کبھی باغ بالکل برباد ہو جاتا ہے اور خریدار پھل کی شکل نہیں دیکھتا کبھی قیمت کم سے کم وصول کرتا ہے۔ کبھی لاگت وصول ہوتی ہے محنت برباد جاتی ہے کبھی فائدہ کی صورت بھی نکل آتی ہے

ان خطروں کے اندر خریدار اسی لئے مبتلا ہوا ہے کہ اس نے ہوس میں آکر اس تمام نقصان کو اپنے اوپر لے لیا ہے جو حقیقت میں مالک کو برداشت کرنا چاہیے تھا۔ پھل کی تجارت سب تجارتوں سے کم فائدہ رکھتی ہے۔ خریدار پختہ پھل اور تیار ترکاری دوکان پر لائے اور دو دن گذر جائیں تو مال کی قیمت نصف رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ جب پھلوں کا قبضہ بھی پھول آنے کے وقت سے کیا جائے تو بربادی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ اسی لئے پھلوں کی تجارت کرنے والے ہمیشہ مفلوک الحال اور قرضدار دیکھے جاتے ہیں۔ اسلامی قانون کے رو سے ایسی بیع فاسد ہے ؛

زمین کا معاہدہ فاسد

اور اسی طرح فاسد ہے وہ معاہدہ جو مالک اور کاشتکار کے مابین ہوتا ہے اور بجائے پیداوار کا حصہ لینے کے ایک معین رقم پر زمین کا ٹھیکہ کیا جاتا ہے ہندوستان کے ایسے تمام حصوں میں جہاں زمیندار بڑے بڑے خطوں کے مالک ہیں اور زمینیں ٹھیکہ پر دیتے ہیں کاشتکاروں کے مقروض اور مفلوک الحال ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ پیداوار اکثر اس قدر نہیں ہوتی جس کی کاشتکار ٹھیکہ کے وقت امید قائم کرتا ہے۔ وقت پر بیدرد مالک پوری رقم وصول کر لیتا ہے۔ بے پروا عدالتیں مالک کے حق میں فیصلہ کرنے سے اجتناب نہیں کرتیں اور کاشتکار کے کھانے کو ٹکڑا انہیں چھوڑتیں بیشک وہ کاشتکار اور تاجر نادان ہیں جو سامان معیشت کے نہ رکھنے سے بیقرار اور مقابلہ کرنے والوں کے خوف سے مجبور ہو کر زمینوں کا ٹھیکہ اور باغوں کی سردختی لینے کے لئے مصلحت کے خلاف معاہدے کر لیتے ہیں اور باوجود مفلوک الحال ہونے کے ہوس خام میں آسمانی اور زمینی بلاؤں کا مقابلہ کرتے اور زیادہ مفلوک الحال ہو کر اپنی بہتری کے تمام موقعوں سے محروم ہو جاتے ہیں ان کی نادانی اور نا مآل اندیشی میں کلام نہیں مگر ان حکومتوں کو کیا کہا جائے جو حمایت حقوق انسانی کا دعوے رکھتی ہیں اور جاہل رعایا کو ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہوئے دیکھکر ان کی دستگیری کیلئے ہاتھ نہیں بڑھاتیں بلکہ جو ظالم انکو دھکیل رہے ہیں ان کی اغراض فاسدہ کو پورا کرنے میں مددگار ہوتی ہیں اور جو نقصان باغات اور زمین کے مالک کو برداشت کرنا چاہیے اسکی ڈگری ان لوگوں کے خلاف صادر کرتی ہیں جو

اپنی بے مائگی اور بدحالی کی وجہ سے عاقبت اندیشی کی کوئی قوت نہیں رکھتے اور بےصبری میں ڈوبتے ہوئے گھاس کے تنکوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں +

نفع ونقصان کی مساوات

نہیں۔ دنیا والوں کی حقوق شناسی اور ہمدردی کے تمام دعاوی غلط ہیں بیکسوں کا محافظ اور جلد بازوں کو لغزش سے بچا کر صاف رستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا قانون اسلام ہے اس نے تمام دھوکا کھانے کے موقعوں سے آگاہ کر دیا ہے اور ایسے تمام معاہدوں کو منع فرمایا ہے جس میں ایک فریق جو صاحب حیثیت ہے تمام فائدہ پر قابض ہو جاتا ہے اور جس دن ٹھیکہ دیتا ہے اسی دن یقین کر لیتا ہے کہ وقت پر فصل بوئی گئی۔ وقت پر پانی اور کھاد مل گیا۔ غلہ پیدا ہو گیا۔ بازار میں بک گیا اور مالک کو قیمت وصول ہو گئی اور دوسرا فریق جو مفلوک الحال ہے وہ تخم اور کھاد کی گرانی اور ارزانی۔ بارش کی افراط اور بندش۔ ہواؤں اور آندھیوں کا فائدہ اور نقصان سب امیدوں اور اندیشوں کو برداشت کرتا ہے اور آخر دم تک یقین نہیں کر سکتا کہ کھانے کو ٹکڑا میسر آئیگا یا گھر کا اثاثہ فروخت کرنا پڑیگا۔ وہ ایک سال فائدہ اٹھا کر دوسرے سال ایسا برباد ہوتا ہے کہ تمام فائدہ کو خرچ کرنے کے بعد بھی خسارہ میں رہتا ہے اور روز بروز زیادہ بدحال ہوتا جاتا ہے تو کیا شریعت اسلامیہ کا یہ قانون بدلنے کے لائق ہے اور کیا کبھی ممکن ہے کہ آفات ناگہانی سے انسان بےفکر ہو سکے بیشک داناؤں نے کوشش کی ہے اور نہروں اور چشموں کی ایجاد سے امساک بارش کی طرف سے بےفکر ہو گئے ہیں مگر بارش کا طوفان اور ہوا کا طوفان لاعلاج ہے۔ زلزلوں اور طغیانیوں اور آتش فشانیوں سے وہ لوگ بھی بےپروا نہیں ہو سکے جو اپنی دانائی کے بھروسہ پر خدا کے فضل و کرم سے مستغنی ہونے کا دعوے کرتے ہیں نہیں خدا انہی کے ملکوں میں جباری اور قہاری کے نشان زیادہ دکھاتا ہے اور جب اسکا ہاتھ سزا دینے کیلئے اٹھتا ہے تو زلزلوں کے ساتھ خود ان کی ایجاد یعنے بجلی کے کارخانے آتش زنی کا سامان بنجاتے ہیں۔ ان آفتوں سے باغوں اور زمینوں کو برباد ہوتے دیکھکر کون دانا کہہ سکتا ہے کہ غریبوں کیلئے اسلامی قانون ابر رحمت نہیں ہے۔ چیز بیچتے ہو اور اسکی قیمت پوری لیتے ہو تو چیز بھی مکمل حالت میں دو۔ یہ کیونکر جائز ہے کہ پھول کو پختہ پھل کی قیمت پر دیکر

اسے مال طیب کہو۔ زمین پر کسی سے کام کرواتے ہو تو پیداوار کے تمام نفع و نقصان میں کاشتکار کے شریک حال رہو فصل زیادہ ہو تو زیادہ حصہ لو۔ کم ہو کمی کو دونو برداشت کرو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم ہر حال میں فصل کا پورا فائدہ لو اور بربادی کو کاشتکار کی قسمت سمجھو۔

بددیانتی کے کرتب

مصیبت کے وقت انسان اپنی زمین رہن رکھتا ہے اور کسی بلا سے رہائی پانے کیلئے اپنے سامان معیشت سے بادل ناخواستہ دست بردار ہوتا ہے۔ زر رہن زمین کی قیمت سے یقیناً کم ہوتا ہے۔ دولتمند اسی لالچ میں زمین پر قبضہ کرتا ہے۔ زر رہن بجنسہ قائم رہتا ہے اور زمین کی تمام منفعت مرتہن کے تصرف میں آتی ہے۔ راہن سالہا سال تک فک رہن کا موقع نہیں پاتا بلکہ بعض اوقات اسکی اولاد اور نسل بھی اپنا نام پٹواری کے کاغذات میں راہن کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور قابض نہیں ہو سکتے کیونکہ مرتہن اگرچہ زمین کی قیمت سے اضعافاً مضاعفۃً وصول کر چکا ہے مگر زر رہن کے ادعا سے محروم نہیں ہوا۔ اس بلا کو قانون مروج ہمیشہ سے دیکھ رہا ہے مگر پنجاب والوں کو خوش قسمتی سے ابھی چند عرصے میں اس کا خیال آیا ہے تو اسلامی قانون سے کسی قدر قریب آگئے ہیں۔ ایک عرصۂ معین کے بعد زمین کو زر رہن ادا کرنے کے بغیر واگذار کرنے کا قانون پاس ہوا ہے مگر وضع قانون کی تاریخ سے پہلے جس قدر زمینیں رہن ہو چکی ہیں انکے مرتہن اب بھی تمام منفعت کو شیر مادر سمجھتے ہیں اور تمنا رکھتے ہیں کہ راہن کبھی مصیبتوں سے رہا نہ ہو اور فک رہن کا موقعہ نہ پائے۔ راہن کو یہ تمام نقصان اسی لئے برداشت کرنا پڑا ہے کہ وہ کسی مصیبت یا بعض اوقات اپنی کسی بیوقوفی کی وجہ سے اپنی ملکیت رہن رکھنے پر مجبور ہوا ہے اور اب تک مصیبت سے رہائی نہیں پا سکا اور دوسری جانب مرتہن کو قدرت نے اس کی ضرورت سے زائد روپیہ عطا فرمایا ہے اور اس میں اتنی ہمت اور عقل نہیں کہ اسے کسی جائز اور مفید کام میں لگائے اور اتنا حوصلہ نہیں کہ کسی انسان کی مصیبت میں مددگار ہو کر مفت کا ثواب لے۔ وہ چاہتا ہے کہ کام نہ کرنا پڑے اور روپیہ زیادہ ہوتا رہے یا کام وہ کرے جس میں فائدہ کی بڑی مقدار اس کی جیب میں آئے اور ساتھ والے بہت تھوڑی منفعت لینے پر مجبور ہوں۔ ایسی طبیعت والے سرمایہ دار روپیہ کم ہو تو بینک میں رکھتے ہیں یا رہن جیسے سودے کی تاک میں رہتے ہیں۔ بینک کی آمد

بے غل و غش ملتی رہتی ہے۔ رہن میں کچھ تردد کرنا پڑتا ہے مگر قیمت کم لگا کر بڑی جائداد پر نامعلوم عرصہ کیلئے اور کبھی ہمیشہ کیلئے قابض ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت بارده ہوتی ہے اور جتنا تردد کرنا پڑتا ہے اس سے زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔ اگر ایسے لوگوں کے پاس سرمایہ زیادہ ہوتا ہے یا کسی بینک کا اعتماد حاصل کر لیتے ہیں یا کوئی کمپنی قائم کر سکتے ہیں تو بڑے پیمانہ پر کارخانہ کھول لیتے ہیں اور سینکڑوں ہزاروں مزدور کام پر لگاتے ہیں اجرت کا نرخ کم رکھتے ہیں اور فائدہ کے بڑے حصہ پر خود قابض ہوتے ہیں اور چونکہ ایسے ہی سرمایہ دار وجاہت رکھتے اور حکومت کے انتظام میں دخیل ہوتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے جو احکام صادر ہوتے ہیں جو قانون بنتا ہے سب سرمایہ داروں کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ نہ مزدوروں کی تکلیف کا کوئی تدارک ہو سکتا ہے نہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے ساتھ رہن اور مزارعت کی صورت میں کوئی انصاف کیا جاتا ہے۔ یہ سب لعنتیں ہیں جو سرمایہ داری نے دنیا میں پیدا کی ہیں۔ ان کا ہر ایک انداز غریبوں کو نقصان پہنچانے والا اور بھرے گھر والوں کو بھرنے والا ہے۔ لاٹری بھی انہی سرمایہ داروں کا چوچلا ہے۔ لاکھوں کی لاٹری ڈالتے ہیں۔ تمام دنیا میں تشہیر کرتے ہیں بڑے بڑے مرکزوں میں دفتر کھولتے ہیں غریب ہوس کے مارے گھر کے برتن بیچ کر لاٹری میں دیتے ہیں دور کا نتیجہ کیا معلوم کس شکل سے اور کیسی دیانت سے نکالا جاتا ہے۔

فیاضانہ کاروبار

اسلام سرمایہ داری کا دشمن ہے۔ مسلمان کے سرمایہ کو زکوٰۃ کم کرتی رہتی ہے۔ سود سے بڑھ نہیں سکتا۔ خرید و فروخت کا ایسا کام کر نہیں سکتا جس میں اپنا سراسر فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان۔ مرنے کے بعد اسکا ترکہ اتنے حصوں میں تقسیم ہوتا ہے کہ کل سرمایہ کی عظمت باقی نہیں رہتی۔ غرض دنیا مسلمان کے لئے پھلوں سے لدا ہوا باغ نہیں تلواروں سے چمکتا ہوا میدان جنگ ہے وہ بازار تجارت میں بھی مردوں کی طرح للکار کر حملہ آور ہوتا اور مخالف کے حملہ کو برداشت کرتا ہے یعنے صفائی اور دیانت داری کے ساتھ اپنی استطاعت کے موافق بیع بیوپار کھیتی باڑی اور محنت مزدوری اختیار کرتا ہے اور مال اور محنت کے مطابق فائدہ اٹھانا جائز سمجھتا ہے۔ وہ قمار بازی کے بے استحقاق فائدہ اور نقصان سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ باغ اور

زمین کے باغبان اور کاشتکار کے حصہ میں نقصان اور اپنے حصہ میں یقینی فائدہ دینے اور لینے کا روادار نہیں ہوتا۔ اس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد روپیہ ہوتا ہے تو غریبوں پر خیرات+ کرتا ہے اور احسان نہیں جتاتا۔ ضرورت مند کو قرض دیتا ہے اور آخرت کے اجر کو مدعا سمجھتا ہے۔ مفلس ادا نہ کر سکے تو معاف کر دیتا ہے یا مہلت دیتا ہے! ان فضائل کی توفیق نہیں پاتا اور قرضہ کے ضائع ہونے سے ڈرتا ہے تو رہن و کفالت کا انتظام کر لیتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ راہن زیادہ مقروض ہوا اور دیوالہ کی نوبت آئے یا قرضداری کی حالت میں فوت ہو جائے تو مال مرہون کی قیمت میں سب سے مقدم حق مرتہن کا ہے اس سے زیادہ ہوس کرنے کا مسلمان کو حق نہیں ہے۔ مال مرہون کی آمدنی اس کے پاس امانت ہے اس کو خرچ کرے تو زر رہن وضع ہوتا رہیگا آمدنی پیدا کرنے کے لئے کسی محنت اور تردد کی ضرورت ہو تو حق الخدمت بھی وضع کر سکتا ہے۔ حق الخدمت اور قرضہ وصول ہو جائے تو مال مرہون کی واپسی اس پر فرض ہے +

+ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۶)	جو لوگ مال خدا کے واسطے دیتے ہیں اور کوئی احسان نہیں جتاتے نہ تکلیف دیتے ہیں ان کا اجر خدا دے گا اور عاقبت میں ان کے لئے کوئی خوف اور اندیشہ نہیں۔
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ط وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۸ +	اگر مقروض تنگدست ہو تو فراخی کے زمانہ تک مہلت دینی چاہیئے اور معاف کر دو تو بہتر ہے کاش تمکو اس کی خوبی معلوم ہو +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بہتر خیرات کیا ہے فرمایا بہتر خیرات اس وقت ہے جبکہ آدمی تندرست ہو دنیا کی لذتوں سے لطف اٹھانے کی خواہش ہو مال خرچ کر دینے سے غریب ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ مال محفوظ رکھکر سب طرف سے بے نیاز ہونیکی امید ہو اور پھر خرچ کرے۔ تم خرچ کرنے میں دیر نہ لگایا کرو۔ اس طرح وہ وقت آجائیگا کہ جان حلق تک آپہنچیگی اس وقت مال تقسیم کرنے کا ارادہ کرو گے کہ فلاں اور فلاں کو دینا۔ حالانکہ اب وہ خود ہی فلاں اور فلاں کا مال ہو گیا (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری مسلم) نیز فرمایا ہے جس کو تمنا ہو کہ خدا اسے قیامت کے افکار سے نجات دے اسے چاہیئے کہ تنگدست قرضدار کو مہلت دے یا معاف کر دے (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم) ارشاد ہے مجھے تمہاری غربت کا اندیشہ نہیں مجھے اندیشہ یہ ہے کہ تمپر دنیا فراخ ہو گی جیسی تم سے پہلے لوگوں پر فراخ ہوئی تو تم بھی اسکی طرف رغبت

بقیہ بر صفحہ ۲۴۶

فک رہن کا وقت

اس نکتہ کو ہم نے آج سمجھا ہے مگر بالکل صحیح فیصلہ پھر بھی نہیں ہو سکا۔ ہم ایک میعاد معین کے بعد مال مرہون کو راہن کی طرف واپس کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر اتفاق سے قحط سالی کا زمانہ طویل ہو جائے تو ممکن ہے معین میعاد کے اندر مرتہن کا قرضہ اور حق الخدمت ادا نہ ہو۔ اور ارزانی رہے تو احتمال ہی کہ مرتہن حق سے زیادہ لیجائے۔ اسلامی اصول کے مطابق صحیح فیصلہ اسی شکل سے ہو سکتا ہی کہ آمدنی کا سالانہ حساب رکھا جائے اور جس وقت حق الخدمت اور زر رہن وصول ہو جائے مال مرہون راہن کے سپرد ہو۔ یہ ممکن ہی کہ حساب رکھنے کی اجرت بھی حق الخدمت پر ایزاد ہو لیکن بے وجہ نہ راہن کو نقصان پہنچنا چاہیئے نہ مرتہن کو۔

انتفاع بالمرہون

سود زر رہن کا ہو یا کسی اور قرضہ کا اسلامیوں کے نزدیک خارج از بحث ہے۔ سودخواری کی عادت سرمایہ داری کی لعنت پیدا پیدا کرتی ہے۔ آرام طلبی کا خوگیر بناتی ہے۔ دوسروں کی مصیبت میں اپنی منفعت کیلئے حیلہ و تدبیر سوچنے کی ترغیب دیتی ہے۔ قرضدار کا کنبہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو سودخوار دستک لیکر آتا ہے تو اُن کے آگے سے کھانے کے برتن اُٹھا لیتا ہے بدن سے کپڑے اُتروا لیتا ہو اور گھر میں بربادی سے کیسا ماتم بپا ہو وہ اپنی کامیابی پر خوش ہوتا ہے۔ اس عادت سے انسان کے تمام نیک جذبات تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان تمام حالات میں جن کا ذکر ہوا زمانہ کے تغیر تبدل کا کوئی اثر نہیں اور حکم شریعت کو بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی ایسی

بقیہ صفحہ ۲۴۵ - کردوگے جیسے وہ لوگ راغب ہوئے پھر دنیا تمکو ہلاک کر دیگی جیسے انکو ہلاک کیا (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم) ایک موقع پر فرمایا کہ مجھے بہت اندیشہ اس حالت کا ہے جب کہ تم پر دنیا کی خوبی اور زینت کے دروازے کھل جائیں گے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا خیر سے بھی شر پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ خاموش ہو گئے۔ گمان ہوا کہ وحی کا نزول ہے۔ تھوڑی دیر میں چہرہ مبارک سے پسینہ صاف کیا اور فرمایا سائل کہاں ہے اس نے کہا حاضر ہوں فرمایا خیر سے شر پیدا نہیں ہوتی مگر دیکھو بہار میں سبزہ پیدا ہوتا ہے ایک جانور اتنا کھا لیتا ہے کہ ہضم نہیں کر سکتا مر جاتا ہے یا تکلیف پاتا ہے۔ ایک جانور پیٹ بھرنے کے بعد چلتا پھرتا ہے۔ دھوپ میں لیٹ جاتا ہی ہضم کرنے کے بعد چارہ کی طرف لوٹتا ہے یہی مال کی کیفیت ہے وہ سبز ہے شیریں ہے جس نے اپنا حق لیا اور حقوق میں خرچ کیا اس کے لئے مدد کا باعث ہے جس نے حق کے بغیر خرچ کیا وہ اس جانور کی مانند ہو جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا ایسا مال قیامت کے دن وبال ہوگا (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

تحریر میں اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے اور دیکھا گیا ہے کہ انقلاب زمانہ سے جو قباحتیں پیدا ہوئی ہیں شریعت غرّا سے ان کے لئے کیا حکم مستنبط ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قانون اسلام ہر موقع اور محل میں مناسب اہتمام کرنے سے قاصر نہیں رہ سکتا اور ہر تازہ ضرورت کے وقت جو پیش آئے عقل سلیم احکام شریعت سے مناسب ہدایت لے سکتی ہے ✣

باب دوازدہم

قانون وراثت و وصیت*

اور

اہل قانون کی پریشانیاں

اغراض کا اختلاف

وراثت و وصیت کے بارہ میں احکام شریعت مفصل ہیں۔ قانون مروج ہندوستان کے اندر ہر قوم کی وراثت کا فیصلہ اُن کے مذہب یا رسم و رواج کے مطابق کرتا ہے۔ دیگر ممالک میں بھی اپنے اپنے دستور کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں مگر واضعین قانون کسی بہتر طریق تقسیم کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مجھے اس زمانے کے مشہور پالیٹیشن اور اکانومسٹ (ماہر سیاسیات و اقتصادیات) پروفیسر ہنری سجوک کی کتاب ایلمنٹس آف پالیٹکس دیکھنے کا اتفاق ہوا اس کے ایک باب میں وراثت و وصیت پر غور کیا ہے اور مختلف تجویزیں اور دستور زیر بحث آئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ نظر بہت دور تک پہنچاتے ہیں مگر تقسیم ترکہ سے جو مدعا اسلام کے پیش نظر ہے اس تک نہیں پہنچ سکتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو فوائد ان کو مطلوب ہیں اور جو غرض اسلام کی ہے دونو پیش نظر ہوں۔ اس

---

* میرا یہ مضمون مارچ ۱۹۱۱ء میں تحریر ہوا اور رسالہ تہذیب الاخلاق امرتسر کی کئی قریبی اشاعتوں میں درج کیا گیا تھا۔

مشکل سے ناظرین کو مقابلہ کے بعد صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہوگی پس میں پہلے پروفیسر موصوف کے تمام مضمون کا ترجمہ کرتا ہوں اس کے بعد اسلامی قاعدہ پیش کرونگا۔ انکا ارشاد ہے:۔

تدریجی ترقی

ترقی تمدن کے اثنا میں آزادانہ وصیت کرنے کا استحقاق نسبتاً بعد میں پیدا ہوا ہے۔ تقسیم ترکہ کا دستور پہلے سے تھا اور جیسا مین کہتا ہے تمام ملکی سوسائٹیوں میں آئین کی ایسی حالت جس میں استحقاق وصیت کا خیال نہیں کیا جاتا تھا پہلے موجود رہی ہے اور وصیت کی بعد میں اجازت ہوئی ہے حتیٰ کہ قرون متوسطہ کے قانون میں بیوہ اور اولاد کے حقوق کو سختی سے قائم رکھنے کے بعد وصیت کرنے کی اجازت تھی۔ اور اپنے تمام ترکہ کو کنبہ سے باہر وصیت کرنے کا اختیار اور جیسا کچھ دل میں آئے اس کو تقسیم کرنے کا استحقاق قرون وسطیٰ کے آخری زمانے سے پیشتر نہ تھا۔ اور جس زمانے میں موجودہ آئین اپنی اصلی حالتیں پہلے پہل نمودار ہوا ہے۔ ترکہ میں سے بیوہ کے لئے ایک معین مقدار اور اولاد کے ایک مقرر حصہ کو جدا کرنے کے بغیر شاذونادر ہی وصیت کو جاری کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی رکاوٹیں فرانس کے قانون تمدنی میں اور کئی ایک اور نظام ہائے سیاست میں ابتک قائم ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ خاندانی حقوق کا لحاظ قدیم سے چلا آتا ہے اور بڑا سبب یہ ہے کہ سب سے بڑے بیٹے کے نام وصیت کر جانے سے خاندانوں میں جو غیر مساوی حالت پیدا ہو جاتی ہے اسکو روکا جائے+

وصیت میں مزاحمت

اختیارات وصیت ایک طرف فوائد خاندان کی پرانی دایتی مزاحمتوں سے آزاد نہیں ہوئے۔ دوسری طرف قومی اغراض کے لحاظ سے ان پر نئی بندشیں عائد ہو رہی ہیں اور جو ضرورت آزادانہ اختیار کو چاہتی ہے اسے ملا کر استحقاق وصیت کے بارہ میں متناقض دلائل موجود ہوگئی ہیں۔ فائدہ مندی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کاروباری محنت اور زرخیزی میں ترقی کرنے کو جو تحریک اس خیال سے ہوتی ہے کہ اپنی کمائی کو جس طرح پر چاہینگے خرچ اور وصیت کر سکینگے یہ آزادانہ استحقاق وصیت کی ضرورت پر ایک دلیل فیصل ہے لیکن جبکہ فائدہ مندی کا لحاظ اس استحقاق کو آزاد رکھنا چاہتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی اصول فائدہ مندی کے خلاف نہیں معلوم ہوتا کہ کنبہ کے فوائد اور بالعموم قوم کے فوائد کا مناسب لحاظ رکھنے کیلئے جو بندشیں انسان کی زندگی میں جائداد کے انتقال پر عائد کی جاتی ہیں اُنسے

کسی قدر زیادہ اہتمام کے ساتھ وصیت پر عائد کی جائیں +

کنبہ کے فوائد اور اُنکی مزاحمت

پہلے ہم اُن مزاحمتوں کو دیکھتے ہیں جو کنبہ کے فوائد کا لحاظ کرنے سے عائد ہوتی ہیں کیونکہ یہ قدیم تر ہیں۔

اس بیان کو واضح کرنے کے لئے فرانس کے قانون کو لیتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے تین یا تین سے کم بچے ہوں تو فرانس کا قانون حکم دیتا ہے کہ اولاد کے مساوی حصے نکال کر اسی مقدار کا ایک حصہ وصیت میں خرچ ہو سکتا ہے اور تین سے زیادہ بچے ہوں تو تمام مال کی ایک چوتھائی وصیت ہو سکتی ہے باقی اولاد کا حق ہے۔ اس قانون پر اعتراض یہ ہے کہ بیشک مورث کے مال کا اسکی اولاد کو پہنچنا پسندیدہ ہے لیکن یہ بھی ضرور ہے کہ خود مورث اپنی اولاد کی ضروریات اور اُن کے نقائص کو اندازہ کرنے کے خاص وسائل رکھتا ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہیں پس اولاد میں مساوی تقسیم کرنے کی بجائے اگر اس کو وصیت کرنے کا آزادانہ استحقاق ہوتا تو مال کو اس شکل میں تقسیم کر سکتا جس سے اُس کے بچوں کی ضرورتیں عمدہ طور پر پوری ہوتیں اور جس بچے میں کچھ کمی ہے اسکی تلافی ہو سکتی۔ دوسری جانب یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اولاد کو محروم کر دینے کا اختیار ہونے سے ان کی ایک معقول امید کو نامناسب صدمہ پہنچتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایسا اختیار حاصل ہونے سے بعض اوقات آس توڑنے کے ظالمانہ واقعات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اگرچہ ناقابل ثبوت زبانی وعدوں سے کسی کو عطیہ یا وصیت یا کسی اور طرح کی امداد کا امیدوار بنا کر بھی اسیطرح امیدوں میں مایوس کرنے کا رنج پہنچا سکتے ہیں مگر اس کا یہ جواب ہے کہ بدی کو دبانے کا فرض اخلاق پر چھوڑنا چاہیئے قانون صرف اُن امیدوں کی حفاظت کر سکتا ہے جو مشخص اور قابل ثبوت وعدوں سے پیدا ہوں۔

پس ایسے واقعات کو چھوڑ کر خاص اولاد کے بارہ میں اگر کہا جائے کہ جب مورث اپنے اختیار سے ترکہ تقسیم کرنا چاہے تو مداخلت کی کوئی خاص قانونی صورت ہونی چاہیئے کیونکہ عام رائے بہت زور سے حمایت کرتی ہے کہ بچے اپنے والدین کے وارث ہوں تو اس کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ جو مورث وصیت کا آزادانہ استحقاق چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اولاد کو ناامیدی کے صدمہ سے بچانے کے واسطے ایک خاص عمر تک پہنچنے سے پہلے انکو

اپنے ارادہ سے مطلع کر دے۔ اب اصل بحث یہ نہ رہا کہ آیا وارثوں کی امید توڑنے میں مزاحمت ہونی چاہیئے یا نہیں بلکہ یہ بحث پیدا ہو گئی کہ آیا ایسی امید کو پہلے سے نابود کر دینا چاہیئے یا نہیں۔ میرے نزدیک اس خیال ہے کہ اگر اولاد کو ترکہ کی امید رہی تو باوجود مناسب تربیت حاصل کرنے کے وہ اپنی معاش کیلئے اپنی کوشش پر بھروسہ نہ کرینگے ایسی امید کو پہلے سے نابود کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو مناسب تربیت کیلئے سہارا دیا جائے تا وہ اپنے تئیں سنبھالنے کے قابل ہو سکیں اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آزادانہ استحقاق وصیت پر کچھ بندشیں عائد کی جائیں تا اولاد کی تربیت پوری ہو سکے *

نادیدہ اشخاص اور اغراض کیلئے وصیت

یہاں تک اس وصیت کے بارہ میں غور ہوا ہے جس سے اولاد یا کسی غیر شخص کو مال کا مالک قرار دیا جائے اب فرض کرو کہ کوئی بیٹا یا پوتا مورث کی موت کے وقت نادان بچہ ہے تو ضرورت ہوگی کہ اس کا حصہ کسی کی کفالت میں دیا جائے اس وقت اس ترکہ پر انتظام کا اختیار کسی کو ہوگا اور استعمال کا استحقاق کسی اور کو اور نادان بچوں کی صورت میں ایسے انتظام کی ضرورت ظاہر ہے۔ اب اگر اس صورت کو اور وسیع کیا جائے اور مورث کو اختیار ہو کہ کسی ایسے متنفس کیلئے وصیت کرے جو ابھی پیدا نہیں ہوا تو نتیجہ زیادہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور علاوہ اس عام دلیل کے جو آزادانہ استحقاق وصیت کے حق میں ہے بعض حالات میں ایک طویل زمانے تک کفالت کی اجازت دینی پڑیگی ورنہ اہل وصیت کے ان حوائج و نقائص کے حسب حال جو موصی کے خیال میں ہیں پورا پورا انتظام کرنے میں دقت پیش آئیگی اور دوسری جانب کسیکو کفیل بنانے میں یہ قباحت ہے کہ کفیل جائداد کا انتظام کرنے میں وہ تندہی نہیں کر سکتا جو خاص مالک کر سکتا ہے اور جبکہ وہ اُن شروط کا پابند ہو جو موصی نے قرار دی ہیں تو دوسری قباحت یہ لازم آتی ہے کہ خود موصی کی نظر آئندہ حالات کی نسبت محدود ہے اور وہ نادیدہ حالات کے انتظام کو پورے طور پر خیال میں نہیں لا سکتا پس ممکن ہے کہ جو انتظام وہ کر گیا ہو انقلاب زمانہ سے نامناسب قرار پائے اور وصیت کی پابندی

اُسے بدلنے نہ دے۔ یہ قباحت اُن صورتوں میں اور بھی زیادہ زور کے ساتھ پیدا ہوگی جبکہ مال کسی رفاہِ عام کے کام میں لگایا جائے اور اگر خاص مُوصی کے اندازہ کی پابندی کی جائے تو ممکن ہے کہ یہ انتظام بعض اوقات بے فائدہ اور بعض اوقات مضر ثابت ہو۔ کیونکہ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور خواہ کیسا ہی دُور اندیشی سے غور و تامّل کیا جائے پھر بھی قباحت کا پیدا ہونا اغلب ہے +

محدود زمانہ کا اور تا حین حیات اختیار

اسی قسم کے سوالات اُن واقعات میں پیش آتے ہیں جب کسی شخص کو محدود زمانہ کے لئے یا خاص بندشوں کے ساتھ جائداد کا مالک قرار دیا جائے مثلاً کسی شخص کو تا حین حیات مالک تسلیم کیا جائے تو اس صورت میں اس کو یہ تحریک نہیں ہو سکتی کہ زمین پر سرمایہ لگا کر اس کو ترقی دے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ ایسا شخص ہو جو صرف کرنے کے لائق سرمایہ یا ترقی دینے کے لائق شعور نہیں رکھتا پس اُس کی زندگی تک اس جائداد سے وہ فائدہ جو حاصل کرنا ممکن ہے نہ لیا جائیگا۔ غرض یہ اور اس قسم کی اور کئی قباحتیں آزادانہ استحقاق وصیت میں پیدا ہوتی ہیں اور نیز یہ بھی قابل تسلیم ہے کہ اگر لوگوں کو یقین ہو کہ وہ جس طرح پر چاہیں اپنی دولت کو صرف کرنیکا اختیار رکھتے ہیں تو انہیں کامل اطمینان کے ساتھ اپنی حیثیت کو ترقی دینے کی تحریک ہوگی مگر اس اصول کو مانکر بھی یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اگر ان کو ہر طرح کی قید لگا کر وصیت کرنے کا اختیار ہو تو وہ اپنے بعد آنے والوں کے لئے جائداد کو پورے طور پر فائدہ رسان بنا سکینگے۔ بلکہ اس کے خلاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وصیت شدہ جائداد پر اس طرح قیدیں عائد کرنے سے اس کو بعد والوں کے لئے کم مفید بنا دینگے کیونکہ اُنہیں ایسی جائداد کے متعلق آزادانہ کام کرنے کی اجازت نہ ہوگی +

حقوق میں کمی اور دشواری میں تخفیف

غرض مفادِ شخصی کا اصول یہاں سخت تذبذب میں ہے ذاتی مفاد کا ایک طرف یہ تقاضا ہے کہ عمر رسیدہ ہو کر انسان اپنی دولت کو زیادہ مفید طور پر کام میں لگائے ایسے لوگوں کو اس امر کا خاص خیال ہوتا ہے کہ ان کی دولت انکے جانشینوں کیلئے مفید ہو اس کی وہ خواہش رکھتے

ہیں کہ آئندہ کے لئے وہ خود ہی قاعدہ مقرر کر دیں۔ حالانکہ دوسری طرف وہ جس نسبت سے وصیت کی شکل میں قواعد اور ضوابط مقرر کرتے ہیں اسی نسبت سے وہ وصیت شدہ مال میں اپنے جانشینوں کی آزادی معدوم کرتے اور اُن کے مفاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس دشواری کو حل کرنے کا کوئی عام کلیہ قاعدہ قائم نہیں ہو سکتا۔ البتہ عملی طور پر دونو جانب کے حقوق کو کسی قدر کم کرنے سے اس دشواری کو خفیف کر سکتے ہیں مثلاً کسی شخص کو اپنی آئندہ نسل کا کفیل بنانے کے لئے یہ شرط لگا دی جائے کہ وصیت اور کفالت صرف انہی بچوں کیواسطے ہو جو وصیت کے وقت موجود ہیں یا عنقریب پیدا ہونے کو ہیں۔ نا کفالت بڑے عرصہ تک قائم نہ رہے اور زمانہ کے محدود اور قریب ہونے کے سبب اس زمانہ کے حالات کی نسبت دور اندیشی کرنا آسان ہو۔ اور نیز کفالت یا محدود مالکیت کے عام نقائص کو یوں بھی دور کر سکتے ہیں کہ وصی یا حین حیات مالک کو یہ اختیار بھی دیا جائے کہ وہ زمین یا دوسری جائداد کو فروخت کر دے اور اس رقم کو کسی اور طرح کی یقینی کفالتیں خریدنے میں صرف کرے علیٰ ہذا القیاس رفاہ عام کی وصیتوں میں خصوصاً جبکہ وہ دائمی ہوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا اختیار بلکہ اس کی ڈیوٹی ہو کہ وہ ایک خاص عرصہ کے بعد یا حالات میں مہتم بالشان انقلاب پیدا ہونے پر تمام غیر مفید یا مضر وصیت ناموں پر غور کرے اور جیسی ضرورت ہو ان میں مناسب ترمیم کر دے یا بالکل ناجائز قرار دیکر بدل دے۔

انگریزی آئین اور اُس کی قباحت

آزادانہ استحقاق وصیت پر اس قسم کی بندشیں جن کو میں نے پیش کیا ہے انگریزی آئین بندی میں ضروری سمجھی گئی ہیں۔ بلکہ خود ایسے لوگوں نے جو حقوق ملکیت میں دخل دینے سے بہت پرہیز کرتے ہیں اور اکثر باا ثر مصنفین نے جن کی تحریروں پر میں نے اپنے اس رسالہ کی بنیاد رکھی ہے۔ ان بندشوں سے بھی زیادہ سخت اور حقوق کو مٹا دینے والی قیود کی سفارش کی ہے سنہ ۱۷۹۶ء میں بینتھم نے لاوارث مال کو ملکیت سرکار میں داخل کرنے کے قانون کو وسعت دینے کے ضمن میں تجویز پیش کی ہے کہ اگر قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو وصیت کا اختیار صرف نصف جائداد میں محدود رہنا چاہیئے اور اس سے نصف صدی بعد جے ایس مل نے کہا ہے کہ میں اگر ایسا

قانون بنا سکتا جو واقع میں سب سے بہتر ہو تو وصیت کرنے میں رکاوٹیں نہ ڈالتا بلکہ اُن حقوق پر بندش عائد کرتا جو کوئی شخص وصیت کے یا وراثت کے رو سے طلب کرنے کی اجازت رکھتا ہے۔ ہر شخص کو اپنی تمام جائداد منتقل کر دینے کا اختیار ہو مگر اس سے کسی ایک شخص کو مالامال کرنے کا اختیار نہ ہو۔ خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔ بلکہ ایک خاص رقم کے لئے ایک شخص کے نام وصیت کرنے کی اجازت ہو جس سے اس کی زندگی کافی طور پر بہ آرام بسر ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ آزادانہ وصیت میں ایسی مزاحمتیں جیسی کہ ان تجویزوں میں پیش کی گئی ہیں محنت کی ترغیب کو اور اس سے بڑھکر جو چیز زیادہ مہتم بالشان ہے یعنے کفایت شعاری کے ساتھ کاروبار کرنے کی ترغیب کو خوفناک حد تک نقصان پہنچائینگی اور جو لوگ وصیت کے بارہ میں ایسی سخت بندشوں کے اندر جکڑے ہوئے ہونگے وہ بالخصوص اپنی عمر کے آخری حصہ میں مالی کاروبار سے اور اسکو ترقی دینے سے جی چرائینگے اور یہ خیال کرینگے کہ جب ہماری خواہش کے موافق صرف نہ ہوگا اور جن لوگوں کو ہم چاہتے ہیں فائدہ نہ پہنچائیگا تو اُس کو بڑھانے سے کیا حاصل۔ بلکہ ایسی مزاحمتیں دیکھکر جو انکی فطری خواہش کے خلاف ہیں اور اپنے عزیزوں اور دوستونکو اپنے مال سے محروم ہوتا دیکھکر وہ لوگ اپنی زندگی میں مال کو صرف کر دیا کرینگے پس غالباً قومی مفاد کا خیال کرتے ہوئے سب سے سلیم تر رستہ آزادانہ وصیت کو روکنے کا علاوہ اُن قواعد کے جنکو میں ذکر کر چکا ہوں۔ وراثت کا کوئی ٹیکس ہو سکتا ہے جو بڑی مقدار میں ایسی وصیتوں پر لگایا جائے جو قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی اور شخص کے لئے ہوں +

تقسیم ترکہ کا اصول

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ترکہ بلا وصیت کا کیا قاعدہ ہونا چاہئے۔ میں پہلے اشارہ کر آیا ہوں کہ ترکہ بلا وصیت کا سوال بوجہ مختلف قانونی دستوروں کے اور بوجہ مختلف رسوم وصیت کے مختلف طریقوں سے حل ہو سکتا ہے کیونکہ جہاں وصیتوں کا رواج ہی وہاں ترکہ بلا وصیت کو اگر اس دستور کے بالکل خلاف تقسیم کیا جائے جو ملک میں وصیت کے واسطے مروج ہے تو ایسی تقسیم نہایت دردناک ناامیدی پیدا کریگی پس وصیت کی آزادی کو تسلیم کرنے کی شکل میں ترکہ بلا وصیت کو تقسیم کرنے کے دو اصول ہو سکتے ہیں یا تو عام دستور وصیت کے بالکل مطابق رکھا جائے یا عام ضرورت کا لحاظ کیا جائے۔ عام ضرورت

کالحاظ کرنے پر ورثا کا انتخاب اس دائرہ سے باہر نہ جاسکیگا جس کی خبرگیری کے لئے مورث اخلاقی طور پر یا فطری تعلقات کی وجہ سے مجبور ہے اور اس لئے تقسیم ایک معین دائرہ میں جو قوم کے حسب حال ہو محدود رہیگی +

تقسیم حسب دستور عام

اس سوال کی فطرت ہی ایسی ہے کہ اسکا کوئی مکمل جواب اور حل تجویز نہیں ہو سکتا صرف اسیقدر ہو سکتا ہے کہ کسی خاص زمانے یا کسی خاص ملک میں جو عام رائے اور عام دستور ہو اس کی پیروی کیجائے اور اس کے نتیجہ کو دیکھکر صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ بلا وصیت ترکہ تقسیم کرنے سے جو فائدہ ہوگا وہ بہت ہی گران قیمت پر خریدا جائیگا اگر ایسے لوگوں کو اس سے محروم کیا گیا جن سے عام ہمدردی ہو مثلاً کسی شخص کی ناگہانی بلا وصیت موت پر اگر اس کے مال سے اس کے بیٹونکو اور پوتوں کو محروم رکھا جائے تو خواہ اس مال کو ہم کسی طرح کے قومی مفاد میں صرف کریں ایسے عزیزوں کی محرومی سے تمام قوم میں ایک حیرت انگیز سنسنی پھیل جائیگی میں خیال کرتا ہوں کہ اگر بینتھم کے تقسیم ترکہ کو جاری کیا جائے تو انگلستان میں کوئی بد نتیجہ پیدا نہ ہوگا +

بینتھم کی تقسیم

بینتھم نے تقسیم کے لئے چند ممتاز سرخیاں قائم کی ہیں :-

۱۔ کسی شخص کے مرنے پر جائداد کا نصف بیوہ کو ملے اور نصف اس کی اولاد میں بالتسویہ تقسیم کیا جائے ۔ بیوہ کے مرنے پر اس کا مال اسیطرح اس کی اولاد میں تقسیم ہو ۔

۲۔ تقسیم فریق کے لحاظ سے ہو اشخاص کے لحاظ سے نہ ہو یعنے اگر ایک بیٹا باپ کی زندگی میں مرجائے اور کچھ اولاد چھوڑ جائے تو متوفی بیٹے کا حصہ اس کی اولاد میں بالتسویہ تقسیم ہو ۔

۳۔ کوئی لاولد مرے تو اس کا ترکہ والدین کو دیا جائے اور اگر والدین میں سے ایک مرچکا ہو تو اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے ۔

۴۔ قریبی رشتہ دار جو شمارہ ۲،۳ میں ذکر ہوئے ہیں اگر موجود نہ ہوں تو مال خزانہ سرکار میں جائے +

ہم قوم یا باپ کی اولاد

یہاں سب سے بڑے بیٹے کے حقوق کو اور نیز اجداد اور عمزادگان کے حقوق کو نظر انداز کرنا موجودہ انگریزی قانون کے بالکل خلاف

ہے۔ اور ان دونو پہلوؤں میں جان سٹوارٹ مل مسٹر بینتھم کے ساتھ حقیقت میں اتفاق رکھتے ہیں۔ وہ صرف چوتھے قاعدہ پر کسی قدر زیادہ زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ والدین کی اولاد یعنے بھائی بہنوں کا کوئی حق نہ ہونا چاہیئے اور جو شخص اولاد یا والدین نہیں رکھتا اس کا مال داخل خزانہ ہو۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس محبت کی وجہ سے جو انسان کو اپنے والدین کی اولاد سے ہوتی ہے مل کی تجویز ترکہ بلا وصیت میں فطری امید کے خلاف ایک دردناک صدمہ ہوگا لیکن ساتھ ہی میرا یہ بھی خیال ہے کہ بعیدی رشتہ داروں کی امیدیں بیشتر قانون نے ہی پیدا کی ہیں پس قانون بدل دیا جائے تو امیدوں کا وجود بھی اکثر حالات میں قابل لحاظ نہ رہیگا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ والدین کی اولاد کو جس نہج کے ساتھ بینتھم نے اپنی تجویز میں محروم کیا ہے اگر ترکہ بلا وصیت میں اسکو تسلیم کر لیا جائے تو سوسائٹی کے لئے آمدنی کا ذریعہ پیدا ہو جائیگا (یعنے والدین کی ناموجودگی میں بھائی بہنوں کو محروم کرنے سے مال سرکار میں جائیگا اور سرکاری مال سوسائٹی کے کام آئیگا) البتہ جہاں کہیں اس قاعدے سے کوئی سختی پیدا ہوتی ہو مثلاً معلوم ہو کہ کسی شخص کا ارادہ بھائیوں کیلئے وصیت کرنے کا تھا جو ناگہانی موت نے پورا نہ ہونے دیا تو ایسی صورت میں ان کو ترکہ کا کچھ حصہ دیکر اس سختی کی تلافی ہوسکتی ہے۔

مساوی تقسیم کی مصلحت

مال کو فرقہ وار تقسیم کرنے کی تجویز جو بینتھم نے پیش کی ہے عام خاندانی خیالات اور ان امیدوں کے بالکل موافق ہے جو وصیت کے عام رواج سے پیدا ہوتی ہیں۔ البتہ برابر تقسیم کرنے کی تجویز انگلستان کے اندر بڑے بڑے جاگیرداروں کو ایک ناگوار صدمہ پہنچائیگی کیونکہ وہاں عام دستور کے مطابق خاندان کی سب سے بڑی شاخ کا سب سے بڑا بیٹا تمام جاگیر پر قابض ہوتا ہے۔ دوسری جانب غیر مساوی تقسیم کو جاری کیا جائے اور بڑے بیٹے کا حق زیادہ مانا جائے تو اسی قسم کی ناامیدی اور اس سے زیادہ گھبراہٹ چھوٹی جائداد والوں اور ایک آدھ مکان رکھنے والوں میں پیدا ہوگی جو کبھی بھی غیر مساوی تقسیم کے لئے تیار نہیں ہیں اور قانون سازوں کو اس جماعت کا لحاظ بڑے جاگیرداروں کی نسبت زیادہ رکھنا چاہیئے کیونکہ بڑے جاگیرداروں کی نسبت یہ بھی امید ہے کہ وہ آسانی سے قانون کی حقیقت اور اسکی تبدیلیوں سے خائف ہو سکتے ہیں اور اگر انمیں سے کوئی اسکو ناپسند کرے تو ترکہ بلا وصیت کے

اثے سے بچنے کیلئے وصیت کا اہتمام کر سکتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر فطری امیدوں کو جو ورثہ کے متعلق پیدا ہو سکتی ہیں دیکھیں اور عام ضرورت کا لحاظ نہ کریں تو دلائل کا وزن بڑے بیٹے کو جائداد کا مالک قرار دینے کے خلاف ہے۔ رہی عام ضرورت سو معلوم نہیں کہ عام ضرورت کے لحاظ سے بڑے بیٹے کی فوقیت پر کبھی کوئی دلیل قائم کی گئی ہو یا کی جا سکتی ہو جس کو شخصی فوائد کا اصول (انڈی ویجوئلسٹک سسٹم) تسلیم کر سکے اسکی ضرورت صرف اسطرح بیان کی جاتی ہے کہ بڑے جاگیردار چھوٹے جاگیرداروں کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اپنے رشتہ داروں باج گذاروں اور کارندوں کی پرورش سخت کفایت شعاری کو ملحوظ رکھنے کے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔ مگر اصول فوائد اشخاص کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی ایسا بڑا نتیجہ نہیں جس کی طرف قانون کو توجہ کرنے کی ضرورت ہو اور میں نے چونکہ کتاب کے اس حصہ میں خاص توجہ اصول فوائد اشخاص پر دی ہے اس لئے اس مسئلہ میں خاص کسی اصول کے ذکر پر زور دیتا ہوں اور چونکہ آئندہ میں اس مسئلہ پر قلم نہ اٹھاؤنگا اس لئے یہیں ظاہر کر دیتا ہوں کہ بڑے بیٹے کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے اصول فوائد اجتماعی (سوشلسٹک سسٹم) پر بھی کوئی سنجیدہ دلیل قائم ہوتی نظر نہیں آتی +

بڑے بیٹے کا حق

یہاں تک پروفیسر سجوک کا مضمون ہے اور بہت عرصہ ہوا ہندوستان میں مسلمانوں کے اندر سب سے بڑے بیٹے کو جائداد کا مالک قرار دینے کیلئے ایک آواز بلند ہوئی تھی اور ہمیں سمجھایا گیا تھا کہ اگرچہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا مگر یہی مسلک مفید اور مناسب ہے۔ اس مضمون میں ہم نے دیکھا کہ جہاں کا یہ دستور ہے وہیں کا ایک ماہر فن اس رسم کے حق میں کوئی دلیل نہیں پاتا اور سیاست مدن کے قدیم اور نوایجاد اصول یعنے ترجیح فوائد اشخاص اور ترجیح فوائد جماعت دونو کے رو سے اس دستور کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا +

مالک کی بے توجہی اور بے شعوری

یہ جملہ معترضہ تھا اس سے قطع نظر پروفیسر موصوف نے (۱) وصیت کے فوائد اور نقائص کو دیکھا۔

(۲) وصیت کے نہ ہونیکی صورت میں تقسیم ترکہ کی صورتیں پیش کی ہیں وہ آزادانہ استحقاق وصیت کی ضرورت پر بھی اصرار کرتے اور اس میں کچھ قباحتیں بھی دیکھتے ہیں جن کیلئے

قانون کو حرکت میں لاتے ہیں سرانجام وصیت کا کوئی کفیل ہو یا کسی کو حین حیات مالک بنایا جائے تو فرماتے ہیں کفیل اور ایسا مالک تندہی سے کام نہ کریگا۔ اور حین حیات مالک کے پاس سرمایہ نہ ہو یا کام کے لائق شعور نہ ہو جب بھی جائداد میں ترقی نہ ہوگی۔ مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ ایسی قباحتوں سے قانون کو کیا سروکار۔ اگر کوئی شخص کسی شکل سے ایک جائداد کا مالک ہوگیا ہے اور اس کو ترقی دینے کا شعور نہیں رکھتا یا بالطبع سست اور آرام طلب ہے اور اپنی جائداد سے پورا فائدہ نہیں اُٹھاتا یا بالفرض زمین کا مالک کسی وجہ سے یا محض سستی سے ایک عرصہ تک اپنی زمین کو کاشت نہیں کرتا اور سرکاری لگان ادا کرتا رہتا ہے تو ایسے لوگ قانون کے رو سے کس جرم کے مجرم ہیں اور اختیار کو محدود کرنے کی سزا کیوں پاتے ہیں۔ بے سرمایہ ہونا۔ ناسمجھ ہونا اور کاہل ہونا مان لو کہ بدی ہے لیکن وعدہ کرنے کے بعد وفا نہ کرنا اور کسیکو امیدوار بنا کر مایوسی کا رنج پہنچانا اس سے زیادہ بدی ہے اور بقول پروفیسر موصوف ایسی بدی کو دبانے کا فرض بجائے قانون کے اخلاق کے سپرد کیا جاتا ہے تو بے سرمائگی نادانی اور کاہلی کا انتظام قانون اپنے ہاتھ میں کیوں لیتا ہے۔ مالک اپنی چیز پر اختیار رکھتا ہے اور وہ اپنی خوشی سے ایسے شخصوں کی کفالت یا ملکیت میں دیتا ہے جو دولت کو بڑھاتے نہیں تو کسی کا کیا حرج ہے بلکہ اگر وہ ایسے لوگوں کو دیتا ہے جو فضولخرچی اور عیاشی میں برباد کر دیتے ہیں تو کیا قانون میں یہ دفعات بھی بڑھائی جائینگی کہ جس کے لئے وصیت کیجائے یا جبکہ کسی ترکہ کا مالک بنایا جائے وہ اپنی سلامت روی ہوشیاری اور سرمایہ داری کا ثبوت دینے کے بغیر مالک نہوگا اور نیز تمام وہ لوگ جو ان اوصاف سے عاری ہوں انکی جائدادیں بحق سرکار ضبط ہونگی۔

مناسب تربیت

پروفیسر موصوف آزادانہ استحقاق وصیت پر بڑی رکاوٹیں ورثا کے پاس خاطر سے ڈالنا چاہتے ہیں مگر ان کا کوئی عقلی استحقاق ثابت کرنیکی بجائے صرف یہی دیکھتے ہیں کہ عام رائے وارثوں کی حمایت زور سے کرتی ہے یا یہ کہ مناسب تربیت کیلئے انکو سہارا دینا چاہئے عام رائے کی غلطی وہ خود ہی کھول چکے ہیں کہ ایک زمانے میں عام رائے کے دربار سے انسانکو وصیت کرنیکی اجازت ہی نہ ملتی تھی مگر جب عقلاء کو آزادانہ وصیت کی ضرورت محسوس ہوئی تو عام رائے ایک پاؤں کی ٹھوکر

سے پرے ہٹ گئی۔ ایسے کند ہتھیار کو اب استعمال کرنے سے کیا فائدہ۔ زور اس پر دینا چاہیے جس کی ضرورت عقل کو محسوس ہو۔ عقل کو عام رائے کے مقابلہ میں دبانا صحیح ہوتا تو استحقاق وصیت اور کسی قسم کی اصلاح جو ہو سکتی ہے معرض وجود میں نہ آتی۔ رہا مناسب تربیت کیلئے سہارا یہ بے شک ایک فریضہ ہے۔ مگر ابھی دیکھنا باقی ہے کہ فریضہ قانونی ہے یا اخلاقی۔ آدمی بیوی کو خورد سال بچوں سمیت گھر سے نکال دے یا ان کی خبر گیری نہ کرے تو قانون مداخلت کرتا ہے اور دعوے دائر ہو سکتا ہے۔ لیکن جو سرپرستی انسان فرط محبت سے کرتا ہے اس میں کوتاہی ہو۔ اولاد کو صحیح اصول پہ پرورش نہ کرے۔ بحالی صحت کے وسائل۔ ازالۂ امراض کی تدبیر۔ اخلاقی تربیت اور کاروباری قابلیت پیدا کرنے میں تساہل روا رکھے۔ ان کے لئے وسائل معاش مہیا کرنے کی تدبیر نہ کرے تو ایسے تمام حالات میں قانون گرفت نہیں کرتا[†]۔ اور اس طرز عمل کو بد اخلاقی کہنے کے باوجود اس کے اختیارات میں دخل نہیں دیتا تو جو اختیارات وہ اپنے مرنے کے بعد عمل میں لانا چاہتا ہے اسمیں اخلاقی کوتاہی کے عذر سے دخل دینے کی ضرورت کیوں تسلیم کی گئی۔ جب قانون رشتہ داروں کے کسی معقول استحقاق سے واقف نہیں ہے اور جب وہ مناسب تربیت کے لئے سہارا دینے کو اولاد کا یا رشتہ داروں کا حق نہیں سمجھتا اور اگر بیٹا باپ کے تساہل اور بے پروائی کا اور تعلیم میں مدد نہ دینے کا دعوے دائر کرے تو اسکی ڈگری نہیں دے سکتا تو وصیت کی صورت میں

[†] دور کیوں جائیں۔ ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ جاہل آبادی بچوں سے لاڈ پیار تو بہت کرتی ہے مگر انکی صحت کی طرف سے بے فکر ہوتی ہے۔ ہندوستان میں چونکہ موتیں مہذب ممالک سے بہت زیادہ ہیں۔ بچے ہوشیار ہوتے ہیں تو تعلیم کی پروا نہیں کرتے۔ ہماری خواندہ آبادی کا اوسط نسبتاً بہت کم ہے یعنے ۶ فیصدی تربیت کا وقت آتا ہے تو انہیں گالیاں سکھاتے ہیں۔ بے ادبی کرنے پہ سرزنش نہیں کرتے۔ لڑنے جھگڑنے پر ان کی حمایت میں خود لڑتے ہیں۔ کچھ چرا لائیں تو شاباش کہکر چیز چھپا لیتے ہیں۔ ایسی تربیت سے بعض بچے زیادہ خراب ہوتے ہیں تو کسی جرم میں گرفتار بھی ہو جاتے ہیں۔ قانون اپنا یہ فرض تو محسوس کرتا ہے کہ نابالغوں کو انکے جرم پہ ایسی سزا دیتا ہے جس میں نرمی بھی ہو تربیت بھی ہو اور خوف بھی ہو مگر ان سرپرستوں کو کچھ نہیں کہتا جو ابھی نئی پود میں ایسا زہریلا پیوند لگانے کے مرتکب ہوتے ہیں یہ فرض واعظوں کا معلموں کا اور بزرگوں کا سمجھتے ہیں۔ تجربہ اس [illegible] کی ہے۔

تربیت کے اندر تساہل کرنے پر قانون کے دل میں انصاف کی بجائے رحم کا جوش کیوں پیدا ہوتا ہے اور وہ مجسٹریٹ بننے کی بجائے اس وقت ایک روحانی باپ کے فرائض بجا لانے پر کیوں آمادہ ہوتا ہے جس طرح باپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد اور عزیزوں کے ساتھ خوش اخلاقی یا بد اخلاقی کا سلوک کرنے میں قانوناً خود مختار ہے اسیطرح وصیت کرنے کے وقت بھی اخلاقی اصول کی وجہ سے اس پر کوئی پابندی نہ ہونی چاہیئے صرف ایک حق کا سوال ہے جس کی وجہ سے قانون انسان کے اوپر بڑی سے بڑی بندشیں عائد کر سکتا ہے ایک شخص کے مرنے پر اولاد کمسن ہو بیوی بیکس ہو والدین کہن سال ہوں مگر قرض اس شخص کے تمام اثاثہ پر حاوی ہو تو اگرچہ محبت و اخلاق کی تمام تر ہمت ان عزیزوں کی طرفداری کرتی ہے مگر قانون اس وقت بھی حق کو نہیں چھوڑتا اور محبت یا اخلاقی جذبہ کو قرضخواہ کے حق پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اسی طرح رشتہ داروں کا بھی کوئی حق ثابت ہوتا جس کو قرضہ کے برابر کہہ سکتے یا قرضہ سے دوسرے درجہ پر رکھتے اس وقت وصیت پر کوئی بندش عائد ہو سکتی تھی۔ اس کے بغیر وصیت میں دخل دینا قرین انصاف نہیں کیونکہ مالک اپنے مال کو جس طرح چاہے صرف کرنے کا حق دار ہے۔ اس حق کو اخلاقی فرائض زائل نہیں کر سکتے۔

فطری اور اخلاقی اصول

انسان وصیت کرنے کے بغیر فوت ہو تو اس وقت بھی اسکا مال صرف کرنے کے لئے حق کو دیکھتے ہیں ٹیکس وغیرہ کے متعلق حکومت کا کوئی مطالبہ ہو تو سب سے پہلے وصول کرتے ہیں۔ مرنے والا قرضدار ہو تو تمام مال دیکر بھی اس سے رہائی پاتے ہیں اس کے بعد اگر کوئی اور حق ثابت ہو تو اس کا لحاظ ہونا چاہیئے۔ نہ ہو تو پھر اصول میں غور ہو سکتا ہے۔ جو پروفیسر سجوک نے ”عام ضرورت“ کے نام سے قائم کیا ہے اور جس کی بنا پر فطری تعلقات اور اخلاقی فرائض دو چیزوں کو معیار وراثت قرار دیا ہے۔ مگر اس سے بھی کوئی تسلی بخش نتیجہ نہیں نکلتا۔ کیونکہ فطری تعلقات ایک رستہ دکھاتے ہیں اور اخلاقی فریضہ اس کے ساتھ یا اس کے مقابل میں ایک اور رستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور فطری اور اخلاقی فرائض کو جمع کیا جائے تو تیسرا رستہ نظر آتا ہے۔ یعنے فطری طور پر انسان اپنی اولاد و رشتہ داروں کی خبرگیری پر مجبور ہے اور اسکو اصول قرار دیا جائے تو سب سے مقدم اور سب سے زیادہ ان لوگوں کا حصہ

---

* آئندہ باب میں دیکھا جائیگا کہ عقل کے رو سے رشتہ داروں کا حق ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

ہونا چاہیے جن کی خبرگیری کو فطرت سب سے مقدم رکھتی ہے اور اس بناپر صغیر سن بچوں کا حصہ بالغ اور برسرکار اولاد سے زیادہ ہونا چاہیے اور بچہ جس قدر عمر میں کم ہو اسی قدر اس کے حصہ میں افزائش ہونی چاہیے لیکن اگر کوئی صغیر سن بچہ کسی اور شخص کی وصیت یا عطیہ یا دیگر وسائل سے کچھ مال کا مالک ہو اور خبرگیری کیلئے زائد مال کا محتاج نہیں تو اسکو دیگر اولاد سے زیادہ حصہ دینے کی ضرورت نہیں اور دوسری جانب اگر کوئی بچہ مریض یا اپاہج یا کند ذہن ہے تو اس کو اس سے کم عمر اولاد کی نسبت زیادہ حصہ دینے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ مورث اگر زندہ رہے تو ان سب حالات میں اسی نسبت سے اس کو خرچ کرنا پڑتا ہے پس محض فطری تعلقات کے لحاظ سے کچھ امور قاعدے کی شکل میں مرتب ہو جائینگے اور کچھ واقعات کی صورت پر چھوڑنے پڑینگے۔ اب اخلاقی کشش کو دیکھو۔ اس کی وجہ سے خبرگیری کی صورتیں رشتہ داری اور یگانگت کی محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اخلاق بسا اوقات ایسے کمسن اور بیکس لوگوں کی خبرگیری پر محرک ہوتا ہے جن سے کوئی خاندانی اور قومی تعلق نہ ہو بلکہ وہ کسی سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں اور بے وارث یتیم ہوں اور صرف اخلاق کو حاکم بنایا جائے تو ایسے لاوارث بچوں کیلئے اپنی برسرکار اور قابل اولاد کو محروم کرنے کی ترغیب ہوگی اور ان دونو قاعدوں کو ملا دیا جائے اور جن کی خبرگیری فطرت اور اخلاق دونو کی متحدہ کوشش سے ضروری ثابت ہو انکو وارث گردانا جائے تو فطرت کے لحاظ سے ورثہ خاندان کے باہر نہ جائیگا مگر اخلاق کی آمیزش خاندان میں سے بعیدی رشتہ داروں کو دینے اور قریبیوں کو محروم کرنے کی ترغیب دیگی جبکہ ایک فریق قابل رحم ہو اور دوسرا صاحب مقدرت اس اصول سے بعض اوقات بھائی بھتیجوں کو حصہ دینا پڑیگا اور اولاد سے اعراض کرنا ہوگا۔ غرض فطری تعلقات اور اخلاقی فرائض کوئی معین اور مشخص قاعدہ بنانے سے قاصر ہیں اور بے راہ چلکر صحیح رستہ پہنچنا دشوار ہے۔

سوسائٹی کا فائدہ

یہ قباحت پیدا اس لئے ہوئی کہ ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد کا لحاظ نہیں کیا۔ ورنہ اخلاقی فرائض کا ذکر واعظ کے منبر پر ہونا چاہیے۔ حقوق کا ذکر عدالت کی کرسی پر اور کوئی راز ہو تو اس کی نسبت فیصلہ ہے "سر دار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت" پروفیسر سجوک نے تینوں مضمون مخلوط کر دیئے وارثوں کو حق دلانے اٹھے تو مورث کی دلی محبت کا خیال کیا وارث کی دلی محبت کو نہ دیکھا حالانکہ جیسا آگے بیان ہوگا حق کا سراغ وہاں مل سکتا تھا اور مورث کی دلی محبت سے

اپیل کی تو اخلاق کا واسطہ دیا حالانکہ قانون کو اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں۔ وصیت بعیدی رشتہ داروں کیلئے ہو تو بھاری ٹیکس لگانے کی تجویز کی۔ ترکہ بلا وصیت میں قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو تمام مال داخل خزانہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ ایک راز ہے جس کا اظہار نخل دار میں پھل لگاتا ہے اور وہ اس پہ پردہ ڈالتے ہیں کہ مال داخل خزانہ ہوگا تو سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے گا حالانکہ دنیا کا جدید نظام خزانہ حکومت سے سوسائٹی کو فائدہ پہنچانے کا کوئی طریق نہیں جانتا۔ سوسائٹی کو فائدہ اور آرام پہنچانے کے کام اس زمانے میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہیں سڑکیں۔ ریل گاڑیاں۔ دخانی اور ہوائی جہاز۔ نہریں۔ تار گھر۔ صفائی۔ روشنی۔ آبپاشی بدررو۔ یہ سب اس زمانے کی برکتیں ہیں اور سب قیمت پہ فروخت ہوتی ہیں حتی کہ جس شہر اور قصبہ میں پور ہوس اور خیرات خانہ کھولتے ہیں اس کا خرچ بھی اہل شہر کے ادا کردہ محصول چنگی سے نکالتے ہیں یا اہل خیر کی فیاضی سے۔ اور امن و انصاف جو حکومت کا فرض اولین ہے اس پہ بھی بھاری قیمت لگاتے ہیں۔ اس کی مشق اس قدر ہے کہ اگر کسی بستی میں بلوہ ہو تو پہلے چن چن کر تمام فتنہ پردازوں سے جرمانے وصول کرتے اور چکیاں پسواتے ہیں پھر امن پسند آبادی کو شریروں کی شرارت سے محفوظ رکھنے کے لئے تعزیری چوکی قائم کرتے ہیں تو اس کی قیمت مفسد اور معصوم سب سے لیتے ہیں۔ خزانہ کو اس کام کے لئے بھی ہوا نہیں لگتی۔ بلکہ مختلف سررشتوں کی آمدنی خرچ نکالکر خزانے میں توفیر کرتی رہتی ہے اور جب کسی وجہ سے خزانے میں کمی دیکھتے ہیں تو ایسی ایسی قیمتوں کو گراں کر دیتے ہیں۔ خزانہ معمور رکھتے ہیں وہ صرف حکومتوں کی فارورڈ پالیسی یعنے پیش قدمی میں خرچ ہوتا ہے اور اس کا بڑا صرف سررشتہ فوج میں ہے یا فارن آفس میں۔ طبی تعلیمی اور بعض محکموں پہ بھی کچھ صرف ہوتا ہے مگر نسبتاً بہت تھوڑی مقدار میں باقی سب اغراض ملک گیری میں کام آتا ہے جس ملک پر نظر ہو اس کے خود غرض لوگوں پر اثر ڈالنے میں چاندی کا دریا بہاتے ہیں۔ سامان جنگ کی بہم رسانی میں سونے کے پہاڑ خرچ کرتے ہیں او قبضہ کرنے کے بعد ایک عرصہ میں جب اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔ ملکی تجارت ماند پڑتی ہے مفتوح قوم میں صنعت و حرفت کی قابلیت نہیں رہتی تو فاتح قوم

کیلئے کئی طرح کے کاروبار کھلجاتے ہیں اس وقت ایک سوسائٹی دوسری سوسائٹی کے خون سے پرورش پاتی ہے۔ خزانہ پھر بھی سربمہر رہتا ہے۔ حکومتیں سب خانہ بدوش ہیں اور ہر وقت آگے سے آگے سفر پر آمادہ۔ خزانہ زادِ راہ کا کام دیتا ہے +

خزانہ کے شرعی مصارف

وہ اسلامی نظام ہے جس کے رو سے حکومت کا خزانہ صحیح معنوں میں رعایا کا مال سمجھا جاتا ہے معرکۂ جنگ میں دشمن کا جس قدر مال ہاتھ لگتا ہے اور مالِ غنیمت کہلاتا ہے اس کا پانچواں حصہ یتامی اور مساکین کیلئے نکال کر باقی فوجی اغراض میں صرف ہوتا ہے۔ جو علاقہ جنگ کے بغیر تصرف میں آئے اسکی آمد کو مالِ فئے کہتے ہیں اس سے ارکانِ حکومت کو تنخواہ دیتے ہیں اور پانچ فیصدی غربا کے لئے نکالتے ہیں۔ مالِ زکواۃ کے آٹھ حصے کئے جاتے ہیں ایک حصہ عملہ تحصیل کی تنخواہ میں اور ایک حصہ قیام امن کی اغراض میں صرف ہوتا ہے اور باقی چھ حصے مظلوموں مصیبت زدوں پر اور گداگروں کو کام پر لگانے میں خرچ ہوتے ہیں۔ مرنے والے کا کوئی قریب اور بعید رشتہ دار نہ ہو تو اس کا مال خزانہ میں جاتا اور سب غریب بیماروں کی خبر گیری لاوارث بچوں کی پرورش اور درماندہ لوگوں کی اعانت میں خرچ ہوتا ہے۔ خراج اور جزیہ پر تمام مصارفِ حکومت کا انحصار ہے۔ اسی سے اہلِ تدریس اور عملہ عدالت کو تنخواہ دیتے ہیں اور تعلیم اور انصاف کا کام مفت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مرجائے اور مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے لیکن قرض چھوڑے اور ادا کی صورت نہ ہو یا اولاد چھوڑے اور پرورش کا انتظام نہ ہو تو قرضہ اور پرورش کا بار مجھ پر ہے۔ خزانہ حکومت کے تمام مصارف میں اس حدیث مبارک کا اثر نمایاں ہے۔ اسلامی حکومت اگر صحیح معنوں میں موجود ہو تو اس کا تعلق رعایا کے ساتھ وہ ہوگا جو ایک خاندان کے سرپرست کو کنبہ کے ساتھ ہوتا ہے اور آجکل کا نظام رفاہ عام کے ہر صیغے میں دکاندار اور گاہک کا منظر پیش کرتا ہے۔ دوکاندار بھی ایک ایک چیز کے کئی ہوں تو مقابلہ قیمت کو بڑھنے نہیں دیتا۔ حکومت کے کارخانوں میں مقابلہ نہیں ہے جو چاہیں وصول کرتے ہیں۔

تلاش میں ناکامی

غرض ہم نے دیکھا کہ اولاد اور والدین کو ورثہ دینے کے لئے مسٹر سجوک کوئی قانونی اصول پیش نہیں کر سکے اور ان کے حصہ کشی میں جو تناسب ملحوظ رکھا ہے اس کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ آزادانہ اختیار وصیت میں کوئی ایسی قباحت ثابت نہیں ہوئی جس کا دور کرنا قانون پر فرض ہو۔ البتہ اختیار وصیت کو قائم رکھنے کی دلیل صحیح ہے کہ آدمی کو مال پیدا کرنے اور اس کو ترقی دینے کی ترغیب نہیں ہوتی جب تک اعتماد نہ ہو کہ وہ اپنے مال کو اپنے اختیار سے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے یہ اختیار انسان کو ضرور ہونا چاہئے لیکن اگر مال سے کسی کا حق وابستہ ہو تو اس سے اغماض کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ آدمی مال پیدا کرتا ہے اور قرض بھی لیتا ہے تو جو رقم ادائے قرض کے لئے مطلوب ہے وہ کسی اور مصرف میں نہیں لگا سکتا۔ اسی طرح کا کوئی اور حق ثابت ہو تو وہ مالک کے اختیارات کو محدود کرنے کا باعث ہوگا۔ یہ مضمون باب آئندہ میں تحریر ہوتا ہے۔

باب سیزدہم

قانون وراثت وصیت اور اسلام کا فیصلہ

تلاش میں کامیابی

ترکہ بلا وصیت کو اولاد اور دیگر ورثا میں تقسیم کرنے کی وجہ اہل قانون یہی قرار دیتے ہیں کہ یہ دستور ہے اور رشتہ دار اس دستور کے مطابق ورثہ پانے کی امید رکھتے ہیں اس کے خلاف کیا جائے تو امیدواروں کو صدمہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ امید قانون ہی پیدا کرتا ہے اگر قانون بدل جائے تو جو لوگ امید رکھتے ہیں نہ امیدوار رہیں نہ صدمہ اٹھائیں پس حقیقت میں وراثت کے متعلق مستقل طور پر غور کرنا

اور کوئی اصول قرار دینا چاہیئے اور اس سوال کا جواب ہونا چاہیئے کہ ایک شخص کی محنت اور عرقریزی سے کمایا ہوا مال ایسے شخص کو بے درد سر اور مفت کیوں ملجاتا ہے جو محض اتفاق سے اس کے رشتہ داروں میں پیدا ہو گیا ہے۔ پھر اگر کوئی وجہ ایسے انتقال کو مناسب قرار دینے کی تلاش ہو جائے تو وہ وجہ جن لوگوں کے حق میں ہو انہی کو ترکہ کا مالک قرار دینا چاہیئے مگر حیرت ہے کہ قانونی موشگافیوں کا دعوے کرنے والوں نے ایسا کوئی اصول دریافت نہیں کیا اور مقام شکر ہے کہ ریگستان عرب کے ایک نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب مصفا پر جو پاکیزہ کلام پردۂ غیب سے القا ہوا ہے اس میں جس طرح احکام ہدایات کیساتھ دلائل کو پیش کرنے کا ہر جگہ اہتمام ہے اسی طرح وراثت میں بھی اس انتقال کی مصلحت کو ظاہر کرنے میں فرو گذاشت نہیں ہوئی ۔

انتقال ملکیت کے اسباب

قرآن کریم کے جامع اور مختصر الفاظ میں جو حکمت بیان ہوئی ہے اس کی تشریح یوں ہو سکتی ہے کہ دنیا کے دیگر معاملات میں کسی کے مال پر مالکانہ قبضہ کرنے کے لئے ایک سبب وہ خدمت یا منفعت ہے جو ایک شخص کی طرف سے دوسرے کو پہنچتی ہے۔ یعنے ایک شخص کسی کا کام کرتا ہے اور عوض میں اجرت لیتا ہے یا روپیہ دیتا ہے اور عوض میں مال خریدتا ہے۔ تملیک کی اس صورت میں دونو طرف کے معاوضہ کا ایک معین عرصہ میں ادا ہونا ضروری ہے اور کسی وجہ سے روپیہ دینے کے بعد اس کا عوض وصول نہ ہو تو روپیہ واپس دلوایا جاتا ہے۔ دوسرا سبب ایک کی احتیاج اور بیکسی اور دوسرے کی ثروت اور فیاضی ہے۔ ایک یتیم یا اپاہج بسر اوقات پر قادر نہیں ہوتا تو اغنیا کوئی چیز خیرات کے طور پر بخشش دیتے ہیں۔ اس صورت میں معطی کا اپنے اختیار سے بغیر کسی قسم کے جبر اور تشدد کے ہبہ کرنا شرط ہے مساکین میں سے جس کو سب سے زیادہ مستحق سمجھیں اسے مقدم رکھنا مناسب ہے اور دی ہوئی چیز کو واپس لینا سخت نازیبا تیسرا سبب وہ اتفاقی مصائب اور ضرورتیں ہیں جن کے پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پیش آنے پر کسی کو مددگار اور معاون بنانے کے لئے اپنے مال میں سے اس کا کوئی حق مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اس تیسری صورت میں کبھی زر معاوضہ مصائب کے آنے سے پہلے دیا جاتا ہے اور کبھی معطی کے مرنے پر اسی وجہ کو مد نظر رکھکر ادا کیا جاتا ہے۔ حکومت شخصی ہو

یا جمہوری جب کسی ملک پر تسلط کرتی تو باہمی نزاع و فساد اور بیرونی دشمنوں کے حملے سے اہل ملک کو جن تکالیف کے پیش آنے کا احتمال ہوتا ہے اُن سے بچانے کے لئے وہ اہل ملک سے عوضانہ لیتی ہے جس کو مالیہ یا خراج کہتے ہیں اور نیز اس کی رعایا میں سے جو شخص لاوارث فوت ہو جائے اس کی جائداد پر بھی اسی دلیل سے تصرف کرتی ہے کہ اتفاقی حوادث کے وقت وہ اُس کی اور اُس کے مُلک کی حامی اور محافظ تھی۔ اس مثال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضرور نہیں کہ ایسا معاوضہ حوادث پیش آنے کے بعد وصول کیا جائے اور نہ یہ جائز ہے کہ حوادث نہ آئیں تو لیا ہوا معاوضہ واپس ہو۔ بلکہ اگر بالفرض ایک شخص کسی دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پہ رہتا ہے کاشتکاری کرتا ہے یا جانور پالتا ہے اور کچھ مال کا مالک ہوگیا ہے اور مدۃ العمر اس کو حکومت سے کسی قسم کی مدد لینے کا موقع پیش نہیں آیا اسی حالت میں مرگیا ہے اور آئندہ حوادث کے اندیشہ سے آزاد ہوگیا ہے جب بھی حکومت اس کے لاوارث فوت ہونے کی صورت میں اس کے مال کی جائز حقدار ہے اور مانا جاتا ہے کہ چونکہ اس شخص کی زندگی میں حوادث کا احتمال تھا اور حکومت اس کی مدد کے لئے آمادہ رہتی تھی اور اگر وہ اور زندہ رہتا تو حکومت کی حمایت میں ہوتا اس لئے اب وہ اس کے مال کی مالک ہے۔ اسیطرح اگر کوئی شخص ایک حکومت سے دوسری حکومت میں چلا جائے اور وہاں متوطن ہو کر جائداد پیدا کرے تو گو اس نے یہ سب کام ایک ہی دن میں کر لیا ہو اسی وقت سے اس حکومت کی رعیت بنکر اسے مالیہ ادا کرنا پڑیگا اور اگر وہ اسی قلیل عرصہ میں لاوارث فوت ہو جائے تو اس کی جدید حکومت اس کے تمام مال پر جو اس نے یہاں پیدا کیا ہے یا اپنے ترک کردہ وطن سے لایا ہے قابض ہو جائیگی اور یہ سب کچھ اسی لئے کہ حکومت ان تمام حوادث کے لئے جو اس پر وارد نہیں ہوئے مگر وارد ہو سکتے تھے ذمہ دار تھی اور اس لئے بلا ادائے خدمت اس کے مال کی مستحق ہے +

رشتہ داروں کا حق مؤنت

غرض انتقال ملکیت کا یہ سبب جس کو حق مؤنت یا حق امداد کہہ سکتے ہیں ایسا وسیع حق ہے کہ اس میں حوادث کے پیش آنے کی شرط نہیں بلکہ گذشتہ یا آئندہ زمانوں میں پیش آنے کا احتمال عوضانہ لینے کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ ان تینوں اسباب ملکیت کو دیکھنے کے بعد صاحب جائداد اور اُس کے

متعلقین کی نسبت غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجیر اور نوکر رکھنے اور خرید و فروخت کرنے کے معاملات ہر شخص کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ فیاضی کا کام بھی ہر شخص کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ ہر چند رشتہ داری کا تعلق نہ ہو۔ مگر ناگہانی حوادث کے وقت انسان فطری طور پر اپنے رشتہ داروں سے امداد کا امیدوار ہوتا ہے۔ حکومت سے مدد لینے کا خیال پیچھے آتا ہے اور وہ بھی اس لئے آتا ہے کہ لوگوں کو لگان ادا کرتے اور درخواستیں دیتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اپنے عزیز سے مدد لینے کے لئے بچہ بھی بیقرار ہو کر دوڑتا ہے پس حکومت کی نسبت مددگار ہونے کا یقین مصنوعی ہے اور رشتہ دار کی نسبت ایسا یقین فطرت میں رکھا گیا ہے۔ اور رشتہ دار بھی اپنے اپنے تعلقات کی نسبت سے اپنی رضا و رغبت سے باوجود درخواست نہ ہونے کے امداد پر آمادہ ہوتا ہے پس اہل ملک۔ ہم قوم ہمسائگان اور رشتہ داروں میں سے صرف رشتہ دار ہی ایسی جماعت ہے جس سے آدمی کو وہ توقع ہو سکتی ہے جس کا حکومت کی مثال میں ذکر ہوا۔ بلکہ وہ صرف رشتہ دار ہے جس کے ساتھ آدمی سب سے پہلے اور بے اختیار ہو کر امداد کی توقع قائم کرتا ہے اس لئے بھی لوگ مستحق ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد حکومت کی طرح بلکہ حکومت سے زیادہ استحقاق کے ساتھ اس کے مال کے وارث قرار پائیں پس جب تک انسانی فطرت کی یہ حالت ہے کہ خون تعلق محبت کا باعث ہو اور محبت کی وجہ سے خود بخود ایک کے دل میں دوسرے کی امداد کا تقاضا ہو اُس وقت تک طبیعت حکومت سے مدد لینے کا اقتضا جبھی کریگی کہ کسی شخص کا کوئی عزیز قریب موجود نہ ہو ورنہ بصورت ان کے موجود ہونے کے طبعی اخلاقی اور سوشل فرض رشتہ داروں کا ہوگا کہ اپنے عزیز کو مدد دیں اور جو کام ان کے بس کا ہے اس میں حکومت کے دست نگر نہ ہوں۔ اس بنا پر تسلیم کرنا ہوگا کہ رشتہ داروں کا حق متوفی کا مال لینے کے لئے حکومت سے مقدم ہے۔ حکومت مختلف قسم کے محاصل سے اپنا حق ہمیشہ ہر شخص سے وصول کرتی رہتی ہے۔ بلکہ اگر سب ٹیکس موقوف کر دئے جائیں اور صرف ایک چیز کا محصول لیا جائے جو سب کے کام آتی ہے تو اسی نسبت سے وہ چیز گراں ہو جائیگی اور لوگ اس پر جس قدر زیادہ قیمت خرچ کرینگے وہ حکومت کا ٹیکس ہوگا جو ہر شخص کو ادا

کرنا پڑیگا۔ مگر رشتہ دار باوجود مدد دینے میں بے قرار اور مجبور ہونے کے اپنا حق صرف اسی صورت میں لے سکتا ہی جبکہ مورث کوئی اثاثہ چھوڑ کر فوت ہو اسلئے ورثا کی موجودگی میں حکومت متوفی کا مال لینے کی حقدار نہ ہوگی۔ انگریز مقنن جو بعیدی رشتہ دارونکو محروم کرتے اور حکومت کو ورثہ دلواتے ہیں اور بعیدی رشتہ دارں کیلئے وصیت ہو تو بھاری ٹیکس لگانیکی تجویز کرتے ہیں وہ ایک اصولی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور مصنوعی حق کو فطری استحقاق پر مقدم رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ موجودہ طرز حکومت میں سول کے اندر دو رشتہ داروں کو ایک صیغہ میں ملازم رکھنا ممنوع سمجھتے ہیں۔ تا بددیانتی میں ایک دوسرے کا معاون اور پردہ دار نہ ہو اور فوج کے اندر دو حقیقی بھائیونکو ایک پلٹن بلکہ ایک کمپنی میں بھرتی کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی معاونت کے خیال سے پامردی دکھائیں اور فوجی اغراض خود بخود حاصل ہوں۔ یہ سب اسی فطری تعلق کی وجہ سے ہے جو مختلف زمانوں اور مختلف تہذیبوں کے اثر سے بدل نہیں سکتا اور اسی جانفشانی کا وہ حق ہے جو وراثت کے نام سے دیا جاتا ہے۔ حکومت کو رعایا کے ساتھ ایسا تعلق کہاں؟

خدمت اولاد

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدمت۔ کاروبار دادوستد اور مصائب اتفاقیہ مثلاً مرض۔ لڑائی۔ مقدمات وغیرہ میں مدد لینے کی ضرورت ہو تو سب رشتہ داروں سے پہلے اور سب سے بڑھکر اولاد پر نظر پڑتی ہے اور مذہب جو ایک فطری کشش ہے اور فطری جذبات کی نسبت احکام صادر کرتا ہے اس کی تمام شاخوں نے والدین کے جس قدر حقوق اولاد پر ثابت کئے ہیں ان سے قطع نظر کریں جب بھی خود انسانی فطرت اولاد کے وجود کو موجب خیر و برکت اسی واسطے سمجھتی ہے کہ اس سے وقت پڑے پر مدد ملیگی اور اولاد کے نہ ہونے کو اسی لئے نحوست سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں آدمی بے یار و مددگار رہتا ہے اور کسی کو پورے دعوے کے ساتھ مدد کے لئے بُلا نہیں سکتا۔ اس لئے وارثوں میں سب سے اول حقدار اولاد ہے اور چونکہ معلوم نہیں کہ وقت پر بیٹوں میں سے کونسا کام آئیگا بلکہ بعض اوقات اولاد میں سے جس پر بھروسہ ہوتا ہے وہ کام نہیں دیتا اور جس کو نالائق سمجھا جاتا ہے وہ ایک وقت میں سب سے بڑھکر کارآمد ہوتا ہے

اس لئے تمام بیٹوں کو بلالحاظ ان کی عمر اور تمیز کے برابر کے حقدار مانا جاتا ہے۔ اور کسی شخص کی اولاد اس کے مرنے کے وقت خورد سال ہو جب بھی وہ ورثہ پانے کے حقدار ہیں کیونکہ جیسا حکومت کی مثال میں ذکر ہو چکا ہے اگر وہ شخص زندہ رہتا تو خورد سال اولاد کسی وقت پر اس کے کام آسکتی تھی۔ اور یہ کیفیت حق مؤنث کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے۔ بڑے بیٹے کو تمام جائداد کا مالک قرار دینے کا جو دستور ہے اور جس کو مسلمانوں میں رائج کرنے کے لئے آواز بلند ہوئی تھی اس میں اصولی غلطی یہ بھی ہے کہ ہرگز یقین نہیں ہوتا کہ بڑا بیٹا ضرور باپ کا مددگار ہوگا اور دوسری اولاد اسکی مدد نہ کریگی +

عورت اور مرد کا تفاوت

اور پھر چونکہ عورتیں صرف امور خانہ داری میں مدد دے سکتی ہیں اور بیرونی معاملات میں جو اکثر پیش آتے ہیں اور جن میں بعض اوقات کشت و خون تک بھی نوبت پہنچتی ہے وہ کوئی بڑی معاونت نہیں کرسکتیں اسلئے اولاد میں اور دیگر رشتہ داروں میں عورت اور مرد کا حصہ مقرر کرنے کے اندر وہی نسبت ملحوظ ہونی چاہیئے جو ان کی کاروباری قابلیت کے مناسب ہو پس عورت اور مرد کے حصہ میں ایک اور دو کا تناسب عین انصاف ہے +

والدین اور زن و شوہر

اولاد کے بعد دیگر رشتہ داروں کو دیکھا جائے تو بہن بھائی اور دیگر بعیدی رشتہ داروں میں بھی امداد کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی قریبی رشتہ دار نہ ہو تو بیٹیوں کی اولاد۔ بہنوں کی اولاد۔ خالاؤں اور پھوپیوں کی اولاد اور ہر ایسے شخص کو جس کا کسی قسم کا خون کا تعلق ہو اپنے عزیز کو مصیبت میں دیکھکر مدد کرنے کا خیال آتا ہے اور وہ اپنے طبیعت کے اقتضا سے فرض سمجھتا ہے کہ غیروں کی طرح تماشا نہ دیکھوں بلکہ حتی الوسع اسکی خدمت کروں اور اس بنا پر اپنے اپنے درجہ پر یہ سب حقدار وارث ہیں مگر جس حالت میں کہ اولاد موجود ہو حقیقی بہن اور بھائی بھی اول فرض اولاد کا سمجھتے ہیں اور اپنے دل میں خدمت کیلئے بیقراری محسوس نہیں کرتے اور اطمینان رکھتے ہیں کہ اس کے کام آنے والے موجود ہیں۔ اس لئے اولاد کی موجودگی میں ایسے رشتہ داروں میں سے کوئی وراثت کا حقدار نہیں ہے۔ البتہ والدین کا رشتہ ایسا ہے کہ وہ

اولاد کی موجودگی میں بھی بے اختیار اپنے اندر امداد کی کشش محسوس کرتے ہیں لیکن ایک تو اُن کا منصب خود اولاد سے خدمت لینے کا ہے نہ اُن کی خدمت کرنے کا اور دوسرے وہ اولاد کی مصیبت کے وقت اگر زندہ بھی ہوں تو اکثر ضعیف العمری کی وجہ سے پورے طور پر اور بالخصوص جانبازی کے کاموں میں مدد دینے کے قابل نہیں ہوتے اس لئے ان کو اولاد سے دوسرے درجہ پر سمجھنا چاہیئے اور چونکہ وہ مادری اور پدری محبت کی وجہ سے ہر طرح کی مدد دینے کو دل سے تیار ہوتے ہیں اس لئے اولاد کے ساتھ ورثہ میں انکا بھی حصہ ہونا چاہیئے اور دیگر رشتہ داروں میں زن و شوہر کا تعلق بھی ایسا قوی ہے کہ وقت پر والدین سے کم امداد نہیں کرتے اس لئے ضرورت ہے کہ وہ بھی اولاد کی موجودگی میں کچھ نہ کچھ حصہ پائیں پس اولاد کی موجودگی میں ان کے ساتھ ماں اور باپ اور بیوی اور شوہر بھی وراثت کے حقدار رہیں باقی رشتہ دار اس حالت میں کوئی دعویٰ نہیں رکھتے۔ اولاد نہ ہو یا صرف بیٹیاں ہوں تو چونکہ والدین اور زن و شوہر یا والدین کے بعد دادا ہی لوگ دلسوزی سے مدد دے سکتے ہیں۔ اس لئے اولاد کے بعد یہ لوگ اور رشتہ داروں سے مقدم ہیں اور ان کے بعد حقیقی اور پھر سوتیلے بھائی بہن اور اُن کے بعد چچا تایا اور پھر درجہ بدرجہ وہ تمام رشتہ دار جن کو کسی طرح سے خون کا تعلق ہے وراثت کا استحقاق رکھتے ہیں کیونکہ خاندانی تعلقات کی وجہ سے یہ لوگ بھی معاونت کی کشش محسوس کرتے ہیں جبکہ ان سے مقدم تر کوئی اور نہ ہو۔

قرآنی اصول

غرض معاونت پر آمادہ رہنے کا اصول ہی وہ بنیادی اصول ہے جس کی بنا پر ایک شخص کا مال اس کے مرنے پر دوسروں کو دلوانا قرین قیاس اور عین مصلحت ہے اور اس اصول کے موافق سب رشتہ دار اپنے اپنے تعلق کی نسبت سے وراثت میں شریک ہونے کے مستحق ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان سب کو وارث اور حقدار مانا گیا ہے اور یہی وجہ بیان کیگئی ہے کہ سب کا حق اُس منفعت کی بنا پر ہے جس کی امید تم اپنے رشتہ داروں سے رکھتے ہو۔ مگر اس منفعت کے لئے تم اپنی خواہش سے کسی خاص وارث کو اپنا مطمح نظر نہیں بنا سکتے اور اگر کبھی تم کسی ذات کی نسبت وقت پر کام آنے کا گمان کرتے ہو تو اکثر تمہارا گمان غلط ثابت ہوتا ہے۔ یہ قدرت

خداوندی کا کرشمہ ہے جس نے خاص خاص رشتوں میں اور ایک رشتہ کے بعض بعض افراد میں محبت کی کوئی مقدار ودیعت کی ہے اور وہ قادر مطلق ہی کا فرمان ہے جس سے ان رشتوں کیلئے وراثت کا پیمانہ مقرر ہو سکتا ہے۔ محبت کا پیدا کرنا اور محبت کی بنا پر وراثت کا حق عطا فرمانا دونوا مر ذات خداوندی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے:-

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ	تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے آبا و اجداد اور اولاد
اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ	میں سے کون تمکو زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ یہ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝	باتیں خدا نے مقرر کی ہیں اور وہی علیم حکیم ہے۔

معاونت کا اصول اور محرومی

پس اگرچہ اس اصول کے رو سے مقدم حق دار وہی لوگ سمجھے گئے ہیں جن کو پروفیسر بیجوٹ نے مورث کی دلی محبت اور اخلاقی جذبہ سے وارث قرار دیا تھا۔ مگر قرآن کریم نے جس وجہ سے ان کو حقدار مانکر ورثہ دلوایا ہے (یعنے وارثوں کی دلی محبت اور معاونت کی ذمہ داری) یہ وجہ تمام رشتہ داروں میں موجود ہے اس لئے قرآن کریم نے اولاد اور والدین کے بعد اس سلسلہ کو رشتہ کے آخری حد تک وسیع کیا ہے اور اسی وجہ کا اثر ہے جو وارث کو محروم کر دیتا ہے جبکہ اس نے مورث کو قتل کیا ہو۔ کیونکہ اس وقت بجائے معاونت کے اس نے اس کی جان پر حملہ کیا ہے اور اپنے فرض کو فراموش کر دینے سے معاوضہ کا مستحق نہیں رہا۔

برادرانہ تعلقات کی ضرورت

مسٹر مِل اور ڈاکٹر بینتھم نے جو اولاد و والدین یا زن و شوہر کے سوا تمام رشتہ داروں کو محروم رکھا ہے اس میں وہ قباحت نہیں جو پروفیسر بیجوٹ محسوس کرتے ہیں کہ بھائیوں کی امید کو صدمہ پہنچیگا۔ نہ اسکا یہ علاج ہے کہ قانون بدل کر امید کو معدوم کر دیں بلکہ اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ فطری ذرائع کی بجائے مصنوعی ذرائع پر اعتماد کیا گیا ہے اور فطرت کو اپنے خیال کے مطابق نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ غور کرنا مشکل نہ تھا کہ اگر فطرت انسانی اپنے عزیزوں کے ساتھ محبت رکھنے پر مجبور ہے ا

اگر خون کا تعلق ایک انسان کو دوسرے کی طرف کھینچتا ہے اور اگر باہم سخت عداوت ہونے پر بھی اپنے عزیز کی بیکسی سے دل کو چوٹ لگتے دیکھتے ہیں اور پھر اگر قانون انسانی فطرت کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو رشتہ داروں کو اُن کے عزیز کے مرنے پر اُس کے مال سے محروم رکھنے کا قاعدہ نہ صرف خود ساختہ امیدوں کو ضائع کرتا ہے بلکہ فطری استحقاق پر ظلم روا رکھتا ہے اور اُن جذبات کو معدوم کرنا چاہتا ہے جو قدرت نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہیں اور اگر ایسی کوششیں کامیاب ہوئیں اور وارثوں کو چھوڑ کر مال حکومت کے سپرد ہونے لگا تو کچھ عرصہ میں اس انقلاب کا ناگوار نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا اور بھائی بیگانہ قرار پائینگے تو محبت کے وہ خوشگوار تعلقات بھی نہ رہینگے جو ایک خاندان کو باہمدگر چسپیدہ رکھتے ہیں۔ اور خاندانوں کو ملا کر برادری اور برادریوں کو ملا کر ایک قوم کی رعب(۱) طاقت بنانے کے لئے تخم کا فرض ادا کرتے ہیں۔ ایسے تخم کا نابود ہونا جلدی نہیں تو دیر میں اور عمدہ حکومت کے نیچے نہیں تو کسی انقلاب کے وقت قوم کی برادریوں اور برادریوں کے کنبوں اور کنبوں کے افراد کو باہمدگر ایسا بنا دے گا کہ گویا ایک افریقا کا باشندہ ہے اور دوسرا امریکہ کا۔ اور اس وقت اس قانونی فروگذاشت سے قوم کا شیرازہ ایسا پراگندہ ہوگا کہ ظالم فرداً فرداً تمام قوم کو تباہ کر دینگے اور قوم میں ان کے تدارک کی ہمت نہ ہوگی +

ذریعہ امن محبت ہے یا خوف

غرض خواہ کسی مُلک یا قوم میں وصیت کا کیسا ہی دستور ہو اور خواہ کسی زمانے میں وارثوں کو محروم کرنے سے سردست قباحت لازم نہ آئے۔ وراثت کا قانون وہ ہونا چاہیئے جو تقاضائے فطرت کے مطابق ہو اور باہمدگر محبّت بڑھانے کا ذریعہ ہو۔ نہ کہ ایک دوسرے سے بیگانہ بنانے کا۔ اور اس کے خلاف مال کو سرکار میں دیکر جو قوم کیلئے آمدنی کا ذریعہ پیدا کیا جاتا ہے تو اگرچہ موجودہ نظام میں اس قول سے اختلاف کرنے کی بڑی گنجائش ہے لیکن یہ مانکر کہ خزانہ سرکار کی معموری بشرط نیک نیتی ملک میں خوشحالی اور امن پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ پھر بھی غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آیا ملک میں امن و خوشحالی اُس وقت زیادہ ہوگی

جبکہ افراد قوم میں باہمدگر روابط اتحاد مستحکم ہوں اور ہر خاندان کے ارکان دوسروں کے ظلم کو روکنے اور باہمدگر ترقی میں مدد کرنے میں پوری قوت رکھیں۔ یا اس صورت میں جبکہ ایک دوسرے سے ہمدردی کرنے کے قدرتی ذرائع کو معدوم کر دیا جائے اور تمام افراد باہمدگر بیگانہ ہوں اور صرف روپیہ کو ایک مخزن میں لاکر اس کے زور سے مصنوعی ذرائع مہیا کئے جائیں جو خوف پیدا کریں اور لوگوں کو دھمکا کر امن کی طرف بلایا جائے۔

افراد کے پیوستہ ہونیکی ضرورت

کون نہیں جانتا کہ دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ دنیا کا ہر خطہ اور ہر ملک فرداً فرداً اندرونی انتظام میں مکمل اور بیرونی حملوں سے بچنے کے لئے پورا مستعد ہو۔ ورنہ اگر کسی ایک ملک کے انتظام میں نقص اور مدافعت کی قوت میں کوتاہی ہو تو اس کی وجہ سے ایسا فتنہ پیدا ہو سکتا ہے جو دنیا کے انتظام کو درہم برہم کر دے اور امن قائم نہ رہے۔ اسی طرح کسی ملک میں امن قائم رکھنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس ملک کا ہر ایک فرقہ اپنے اندرونی نقائص کو رفع کرنے اور اپنے حقوق کو اہل وطن کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی پوری قوت رکھتا ہو ورنہ اگر کسی ایک فریق میں بھی باہمدگر مدد کرنے اور اغیار سے عہدہ برآ ہونے کی قوت نہ ہو تو ملک امن و ترقی کے رستہ پر چل نہیں سکتا۔ اس قاعدہ کو فراموش نہ کرو تو دیکھو گے کہ اسی طرح کوئی قوم امن و ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتی جب تک اس کے تمام کنبوں میں آپس کی ہمدردی اور خاندانی وجاہت کو غیروں کے دست برد سے بچانے کی اجتماعی قوت نہ ہو لیکن اگر کنبوں کے افراد ایک دوسرے سے بیگانہ ہونگے تو کسی قوت کا اظہار نہ کر سکینگے اور اس وقت سرکاری روپیہ سے (بشرطیکہ حکومت کا انتظام زبردست ہو) انکو ایک عرصہ تک کسی اچھے رستہ پر چلا سکتے ہیں مگر پھر بھی ان کی رفتار اس لنگڑے سے مشابہ ہوگی جسے ٹانگ کٹا کر لکڑی کے سہارے چلنا سکھایا ہو۔

وصیت

ترکہ بلاوصیت کے بعد اس مسئلہ کو دیکھتے ہیں جس کو یورپ والے قرون متوسط کی ایجاد سمجھتے ہیں کہ اسلام نے قرون متوسط سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ وصیت کے بارہ میں جو قاعدہ [illegible] ہے اس کی کیفیت یہ ہے۔

وصیت کا تقدم تقسیم پر

ا۔ جہاں تقسیم ترکہ کا ذکر ہوا ہے وہاں چار دفعہ عورت اور مرد دونوں کی وصیت یا قرض ادا کرنے کو تقسیم سے مقدم رکھنے کی تاکید ہے۔ ارشاد ہے:۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ	وصیت ادا کرنیکے بعد جو مرنیوالے نے کی ہو یا ادائے قرض کے بعد
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ	وصیت ادا کرنیکے بعد جو عورتوں نے کی ہو یا قرض ادا کرنیکے بعد
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ	وصیت ادا کرنیکے بعد جو تم نے کی ہو یا قرض ادا کرنیکے بعد
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ	وصیت ادا کرنیکے بعد جو کیگئی ہو یا قرض ادا کرنیکے بعد

حاجتمندوں کا پاس و لحاظ

۲۔ چونکہ وصیت بالعموم انہی لوگوں کے واسطے کیجاتی ہے جو حاجتمند ہوں اس لئے اگر مرنیوالے نے وصیت کا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی ہو تو وارث جو زندہ ہیں ان کے اخلاقی جذبہ کو تحریک دیگئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ تقسیم ترکہ کے وقت جو اہل ضرورت رشتہ دار یا اجنبی حاضر ہوں انکو ترکہ میں سے کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ ارشاد ہے:۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى	تقسیم کے وقت قرابت دار یتامیٰ اور غربا
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ	حاضر ہوں تو ترکہ میں سے انکو کچھ دو اور ان کے
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا نساپارہ ۴ ع ۱۲	ساتھ مروت سے بات کرو۔

وصیت کا لزوم

۳۔ نہ صرف وصیت کی اجازت ہے بلکہ وصیت کو لازم گردانا گیا ہے اور قرآن کریم میں جہاں وصیت کا ذکر ہے وہاں فرمایا گیا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمْ (تم پر فرض کیا گیا ہے) اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى	حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِئٍ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص وصیت کے
مُّسْلِمٍ لَهٗ شَيْءٌ يُّوْصِيْ فِيْهِ اَنْ يَّبِيْتَ	لائق مال رکھتا ہو اسکو جائز نہیں ہے کہ دو شب
لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ	بھی وصیت لکھ رکھے کے بغیر گذارے
قَالَ نَافِعٌ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ	نافع جو راوی ہے بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت

يَقُوْلُ مَا مَرَّتْ عَلَيَّ لَيْلَةٌ مُنْذُ سَمِعْتُ	ابن عمر سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جب سے میں نے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے
يَقُوْلُ ذَالِكَ إِلَّا وَصِيَّتِيْ مَكْتُوْبَةٌ	میں نے ایک شب بھی ایسی بسر نہیں کی کہ میرے پاس لکھی ہوئی
عِنْدِيْ (رواہ الجماعۃ واللفظ للبخاری)	وصیت نہ ہو (یہ حدیث اکثر محدثین نے روایت کی اور یہ لفظ بخاری کے ہیں)

وصیت ورثاء کے حق میں

۴- ورثاء کا حصہ مقرر ہونیکے علاوہ جو ترکہ بلا وصیت میں نافذ ہوتا ہے مورث کو اپنی مرضی سے لیکن غور و تدبر اور انصاف کیساتھ ورثا کے حق میں وصیت کرنیکا لازمی حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ	تم پر فرض کیا گیا ہے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے اور وہ مال
تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ	چھوڑتا ہو تو والدین اور اقربا کیلئے مناسب وصیت
بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)	کرے یہ پرہیزگاروں پر حق اور واجب ہے۔

وصیت کی پابندی

۵- وصیت کی تعمیل کی بہت تاکید کیگئی ہے اسمیں تغیر و تبدل کرنیسے منع فرمایا ہے ارشاد ہے

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَإِنَّمَا إِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ	جو شخص سننے کے بعد وصیت کو بدلے تو گناہ بدلنے والے پر
يُبَدِّلُوْنَهٗ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)	ہوگا۔ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے

غلط وصیت کی اصلاح

۶- وصیت کرنے والا وصیت میں کسی کا حق بے وجہ دبالے یا نادانستہ کوئی ایسی شرط لگادے جس سے ورثا اور موصی الیہم کا نقصان ہو یا انقلاب حالات سے مناسب شرطیں نامناسب ہو جائیں تو بعد والوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ایسا واضح نقصان دیکھیں تو وصیت میں مناسب اصلاح کر دیں۔ ارشاد ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا	جو شخص وصیت کرنیوالے کی نادانستہ غلطی یا دانستہ بد دیانتی
فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ	دیکھے اور اس میں اصلاح کردے تو اسکو کوئی گناہ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۲)	نہیں۔ خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

کفیل کی ذمہ داری

۷- اگر وصیت یا تقسیم کا حصہ نابالغوں کو پہنچا ہے اور انکا کوئی کفیل بنایا گیا ہے تو اس کو نہایت سختی سے مال کی حفاظت کا حکم ہے اور ناجائز تصرف کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ مگر بہتر تدبیر کرنے اور اصلاح کے واسطے دخل دینے کی اجازت ہے۔ ارشاد ہے:-

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۳)

تم سے یتیموں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں کہدو کہ انکے حق میں بہتری کرنا تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم انکا مال اپنے مال میں ملا کر رکھو جب بھی مضائقہ نہیں وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ کون نیک نیتی سے ایسا کرتا ہے اور کون بدنیتی سے اور اگر اللہ چاہتا تو اس بارہ میں سخت قواعد نافذ کرتا مگر اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے ٭

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ط (نساء پارہ ۴ ع ۱) ٭

جو لوگ اپنے پیچھے ضعیف اولاد چھوڑیں تو انکی نسبت اندیشہ کرتے ہیں انکو چاہیے کہ اوروں کی یتیم اولاد کی نسبت بھی یہی خیال کریں اور خدا سے ڈریں اور اُن کے حق میں مناسب بات کہیں جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ دوزخ میں جلینگے ٭

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ط اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ط (سورہ انعام پارہ ۸ ع ۱۹ و بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۴)

جب تک یتیم سن بلوغ کو نہ پہنچے اس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اسی شکل میں جو اسکے لئے بہتر ہو اور اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ خدا کے سامنے تم سے عہد کی نسبت بازپرس ہوگی۔

حقوق ورثا کی حفاظت

۵۔ ایک طرف ترکہ بلا وصیت کو تقسیم کرنے کے وقت اگر کوئی وصیت ہو تو اس کو پہلے ادا کرنے کی تاکید ہے اور اس موقع پر وصیت کا لفظ عام رکھا گیا ہے اور کوئی ذکر نہیں کہ وصیت کسی شخص کے نام ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وصیت غیروں کے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور اس کو بھی ورثا میں ترکہ تقسیم کرنے سے مقدم رکھنا چاہیے۔ دوسری طرف آیت وصیت میں والدین اور دیگر اقربا کیلئے وصیت کرنے کا حکم ہے اور سوم ایک موقع پر فرمایا گیا ہے کہ مال میں سے ورثا کو حصہ دینا فرض ہے اور اُن کو محروم کرنا معصیت ہے ارشاد ہے:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَفْرُوضًا

(پارہ ۴ ۔ ع ۱۲)

جو کچھ والدین یا دیگر اقربا مرنے کے بعد چھوڑیں اس میں سے مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اور مال کم ہو یا زیادہ اقربا کو حصہ دینا فرض ہے۔

ان تینوں حکموں کو ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ ورثا میں جس طرح چاہیں وصیت کرنے کا اختیار ہے لیکن کسی وارث کو بالکل محروم نہیں کر سکتے اور غیروں کیلئے وصیت کرنا چاہیں تو تمام مال نہیں دے سکتے بلکہ وارثوں کا حق نکال کر مال کا کچھ حصہ وصیت کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر وارث کوئی بھی نہ ہو تو تمام مال وصیت میں صرف کر سکتے ہیں ؛

اغیار کیلئے وصیت کی مقدار

۹۔ آیات قرآنیہ سے اس نتیجہ پر پہنچکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اغیار کو جو حصہ دے سکتے ہیں اس کی مقدار کیا ہو۔ یہی وہ موقع ہے جس میں تفسیر کے واسطے سنت الرسول کو تلاش کرنا پڑتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسکی تشریح فرما دی ہے اور اغیار کے لئے وصیت کی مقدار اور اسکی مصلحت واضح کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَاَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَمُوتَ بِالْاَرْضِ الَّتِي هَاجَرَ مِنْهَا قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ اِنَّكَ اِنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے جبکہ میں مکہ میں تھا اور آپ اس زمین پر مرنا ناپسند فرماتے تھے جس سے آدمی ہجرت کر گیا ہو آپنے فرمایا خدا اسکو رحمت دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں میں نے عرض کی آدھا مال فرمایا نہیں میں نے عرض کی ایک ثلث فرمایا ہاں ایک ثلث اور ثلث بھی بہت ہے اگر تو اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ دے تو اس

اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّكَ مَهْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيْ امْرَاَتِكَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ يَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَةٌ (رواه البخاري والمسلم واللفظ للبخاري)

بہتر ہے کہ ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ تم جو کچھ بھی صرف کرو وہ خیرات ہے حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔ راوی کہتا ہے کہ اس وقت سعد کے ورثا میں صرف ایک بیٹی تھی۔ بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

مشکلات کا حل

شریعت اسلام کی ان تمام تفاصیل کو ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ جو دقتیں اہل قانون کو آجتک دشوار معلوم ہوتی ہیں اور جن میں وہ کسی ایک مسلک پر متحد نہیں ہو سکتے اسلام نے ان سب کو اس زمانے میں سمجھ لیا اور انکا تدارک کر دیا جس زمانے کو عقلی ترقی کے لحاظ سے ڈارک ریجنز یعنے قرون مظلمہ کہتے ہیں۔ فرداً فرداً ہر دشواری کو خیال میں لاؤ اور جو مسلک اسلام نے تجویز کیا ہے اس میں انکا حل دیکھو۔

مورث کے کامل اختیارات

۱۔ انسان کو پہلی ضرورت یہ نظر آئی کہ قانون کے رو سے اس کو اپنا مال صرف کرنے کے لئے پورا اختیار ہو تا محنت کرنے کی ترغیب پائے اور لوازم معیشت کی بہم رسانی میں جس قدر جانفشانی کی حاجت ہے اُسے خوشی سے برداشت کرے اور اگر اس کے مرنے پر اس کے مال کو تقسیم کرنے کے وقت اسکی دلی خواہش کو پورا کرنے میں مزاحمت ہوگی تو زندگی کے اندر وہ افزائش مال کی سعی کرنے میں کوتاہی کریگا۔ اسلام نے اس ضرورت کو بوجہ احسن پورا کر دیا ہے اور اسکی ہر ایک جائز خواہش کو جو تقسیم مال کے متعلق ہو بر لانے کی پوری پابندی قائم رکھی ہے اور تقسیم سے پہلے تعمیل وصیت کا حکم دیا ہے۔

ورثا کی ضرورتوں کا لحاظ

۲۔ ورثا کی ضرورتوں کو جیسا کچھ انکا مورث سمجھ سکتا ہے اغیار نہیں سمجھ سکتے۔ اور بیشک بعض ورثا مورث کی تربیت سے یا اور وسائل سے اپنے تئیں سنبھالنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور بعض دیگر نا قابل اپاہج یا شیرخوار رہ جاتے ہیں اور ان کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا بعض اوقات

کسی بڑی جائداد کو ایک جگہ رکھا جائے تو تمام کنبہ معقول حیثیت سے رہ سکتا ہے لیکن اس کے حصے اور ٹکڑے کرنے سے کسی ایک وارث کی بھی وہ شان نہیں رہتی جو مورث نے پیدا کی ہے۔ یا بعض اوقات بعض وارث مسرف اور عیاش ہوتے ہیں اور یقین ہوتا ہے کہ جو مال اُن کے حصہ میں آئیگا چند روز میں ضائع ہو جائیگا اور بجائے فائدہ پہنچانے کے ان کی بدعادتوں کو اور راسخ کر دیگا اور کسی وقت نہایت خوفناک نتائج پیدا ہونے کا گمان ہوگا۔ یا کبھی عیاش اولاد والدین کی زندگی میں ان کا بہت سا مال ضائع کر چکتے ہیں اس صورت میں وہ مورث کی موت پر نیک اولاد کے برابر حصہ لیں تو نیک اولاد کی نیکی اُن کے لئے وبال ثابت ہوگی کہ وہ اپنے سرپرست کی کمائی سے حصہ لینے میں اپنے عیاش بھائی کی نسبت خسارہ میں رہینگے۔ ان سب حالات کو مورث سب سے بہتر سمجھ سکتا ہے اس لئے شریعت نے ورثا کے بارے میں ان لوگوں کو جو خیر یعنے معتد بہ مال رکھتے ہیں ہر قسم کا دوامی یا پائدار انتظام کرنے کی تاکید کی ہے قرآن کریم نے اس حکم کو کُتِبَ عَلَيْكُمْ کے لفظ سے نافذ کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی زندگی کی دو راتیں بھی اس فریضہ کو ادا کرنے کے بغیر صرف نہ کرو۔ آیت اور حدیث جو اوپر ذکر ہو چکی ہے اس کے تمام الفاظ کو دیکھو تاکید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوا +

انقلاب حالات کا علاج

۳۔ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور جو انتظام ایک حالت میں مفید ہو دوسری حالت میں ممکن ہے کہ مضر ہو جائے اس لئے جہاں موصی کی ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید ہے ساتھ ہی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر دانستہ مورث نے کوئی ظلم کیا ہو یا نادانستہ ایسی شرط لگا دی ہو جس سے آئندہ زمانے میں فائدہ کم رہجائے یا معدوم ہو جائے تو ایسی صورت پیش آنے پر گذشتہ انتظام کو بدل کر مناسب اصلاح و ترمیم کر دی جائے اور اس حکم کو عام رکھا گیا ہے اور کسی خاص شخص کا فرض نہیں گردانا گیا تا اگر حکومت کا انتظام عمدہ ہو اور وہ ان معاملات کو دیکھنے کی قدرت رکھے تو دخل دیسکے یا اگر ایسی حالت نہ ہو تو ٹرسٹی یعنے کفیل یا جس شخص کے امکان میں ہو بدل سکے اور مناسب انتظام کرے اور چونکہ ایسا اختیار اسی صورت میں برتا جائیگا جبکہ یقیناً ظلم ہوا ہو یا نقصان

کا ثبوت مل جائے اِس لئے قانون کی ایسی شرط سے صاحبان مال کو اپنی محنت کے بارہ میں وہ دل شکنی بھی نہ ہوگی جس کا وصیت پر پابندی عائد کرنے سے اندیشہ کیا گیا تھا اور یہ یقین اُن کو محنت کی ترغیب دینے کے لئے کافی ہوگا کہ ہماری شروط کو جب تک مفید ہونگی پورا کیا جائے گا +

کفیل کی ضرورت

۴۔ خوردسال اولاد کے لئے یا وقف علی الاولاد کی قسم کا یک جائی انتظام کرنے کے واسطے معتمد اور کفیل کی ضرورت ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ کفیل اُس تندہی سے کام نہیں کرسکتا جس کی ضرورت ہے مگر اس اندیشہ سے کفالت کو ناجائز قرار دیں تو خوردسال بچوں کی جائداد کا انتظام نہیں ہوسکتا نہ جائداد کے یک جائی انتظام کی صورت پیدا ہوسکتی ہے پس نوع انسان کو جو اختیار مناسب طور پر دے سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ حکومت یا دیگر بالادستوں کو نگرانی کا حق حاصل رہے اور جو نقص وہ دیکھیں اصلاح کرسکیں +

اغیار کی امداد

۵۔ رشتہ داروں کو ورثہ پانے کا استحقاق ہم نے دیکھا کہ صرف انکی امید کو بارور کرنے کے لئے نہیں ہے تا قانون بدلکر ان کی امیدوں کو معدوم کرسکیں بلکہ یہ تجویز اُن فطری تعلقات کی وجہ سے ہے جو ایک کو دوسرے سے ہمدردی کرنے کے لئے قدرت نے پیدا کئے ہیں۔ اسلئے ورثاء کو محروم کردینے کا اختیار اور ایسا قانون جو برادرانہ تعلقات اور یگانگت کے جذبات کو معدوم کردے اُس تخم کو نابود کردیگا جسکی ترقی سے عام انسانی ہمدردی وجود میں آتی ہے اور اسی لئے مناسب وصیت کا عام اختیار دینے کے ساتھ یہ حکم بھی ضروری و مناسب ہے کہ کسی وارث کو بالکل محروم کرنیکی کوئی وصیت قابل نفاذ ہو لیکن چونکہ ضرورت یا عام انسانی ہمدردی اکثر اغیار کی مدد کرنے کا بھی تقاضا کرتی ہے اس لئے محروم ان کو بھی نہیں رکھا گیا اور تمام ترکہ کے ایک ثلث میں ایسی وصیتوں کو جائز قرار دیا ہے اور تقسیم ترکہ سے پہلے ان کو ادا کرنے کی تاکید کی ہے +

محروم ورثا سے ہمدردی

۶۔ اگر کوئی شخص وصیت نہ کرے اور مرجائے تو اُس کے

مال کو تقسیم کرنے کے لئے کوئی قاعدہ ہونا چاہیئے اور ہم نے دیکھا کہ اسلام نے وہی قاعدہ مقرر کیا ہے جو ہر طرح جذبات ہمدردی کو تقویت پہنچاتا ہے اور اس حال میں بھی فرزند اغیار کو فراموش نہیں کیا اور حکم دیا ہے کہ جن کو ورثہ نہ پہنچا ہو مگر قابل امداد ہوں حسب توفیق انہیں کچھ نہ کچھ حصہ دو۔

بیٹے اور پوتے کا تفاوت

۷۔ قانون کا فرض یہ ہے کہ حق دار کو حق تک پہنچانے کا اہتمام کرے لیکن کسی کی ضرورت اور محتاجی کو دیکھ کر جو تحریک بے استحقاق مدد دینے کے لئے انسان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے قانون اس کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ایک مزدور نے تمام دن کسی کی خدمت کی ہے شام کے وقت اجرت طلب کرتا ہے اس کے ساتھ ایک بھوکا آدمی اپنی ضرورت کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے۔ قانون مزدور کے حق میں فیصلہ دیگا مگر بھوکے کو ٹکڑا کھلانے کے لئے اس کی طرف سے جبر نہ ہوگا۔ وہ صرف اس قدر مدد دیگا کہ دینے والا اپنی خوشی سے خیرات کرے تو لینے والے کو قانون ایسے مال کا مالک تصور کریگا اور اس سے کوئی اور شخص غصب کرنا چاہے تو مزاحم ہوگا۔ یہی صورت وراثت میں پیش آتی ہے جبکہ کسی شخص کا ایک بیٹا زندہ ہو اور ایک اولاد چھوڑ کر مر چکا ہو۔ ایسا شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو سب سے پہلے بیٹے کو مدد کیلئے بلائیگا۔ اس کے پوتوں کو اطلاع ہو تو وہ بھی خبر لینے کے لئے پہلے چچا کی طرف دوڑینگے دیکھنے اور سننے والے بھی پہلے بیٹے کی طرف نظر کرینگے اور بیٹا مطلع ہوگا تو وہ کسی اور کی طرف خیال نہ کریگا فوراً اپنے دل میں مدد کی تحریک پائیگا یہ سب سے پہلا ذمہ دار ہونے کا بار ہے جو صرف بیٹے کو محسوس ہوتا ہے نہ اغیار ایسی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں نہ مردہ بیٹے کی اولاد۔ اور یہی اولاد کی ذمہ داری ہے جو اسکو وراثت کا حقدار بناتی ہے اور قانون اسکی حمایت کرتا ہے۔ پوتے پر بیٹے کی موجودگی میں یہ بار نہیں ہے۔ اسی لئے وہ اس حالت میں ورثہ کا حقدار نہیں نہ قانون اس کا مددگار ہے۔ اس کی یتیمی۔ اس کی خوردسالی اس کی محتاجی یہ سب چیزیں اسکی مدد کرنے کی ترغیب دیتی ہیں مگر حق پیدا نہیں کر سکتیں۔ اسکی

دستگیری اسی شکل سے ہوسکتی ہے کہ مورث وصیت کے اختیارات کو کام میں لائے اور یتیم پوتے کے لئے کوئی حصہ معین کردے۔ قانون اس وصیت کی تعمیل پر مجبور کریگا اور جو کچھ پوتے کا ہوچکا ہے وہ اسے دلوائیگا لیکن اگر مورث خود ہمدردی کے جذبات سے خالی ہے اور اپنے پوتے کیلئے انتظام نہیں کرتا تو اسلامی قانون ایک قدم اور بڑھاکر ورثا کے جذبات ہمدردی کو اکساتا ہے اور تقسیم ترکہ کے وقت ایسے یتامیٰ اور اقربا کیطرف توجہ کرنے کی رغبت دیتا ہے۔ قانون قانون کی حد میں رہ کر اس سے زیادہ نہیں کرسکتا اور خیرات کو حق نہیں بنا سکتا +

قباحتوں کا انسداد

غرض قانون وراثت جو اسلام نے مقرر فرمایا ہے فطری ضرورتوں اور نیز زمانے کے انقلابوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس کی پابندی سے تقسیم ترکہ کے وقت اور آئندہ کسی زمانے میں کوئی قباحت پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا اور اُن تمام چیزوں سے مستغنی کردیتا ہے جو پروفیسر سیجوک کے مضمون میں ذکر ہوئے ہیں بلکہ اُن تجویزوں میں بعض ایسی قباحتیں موجود رہتی ہیں جو اسلامی قانون پر عمل کرنے سے پیش نہیں آتیں مثلاً:-

۱- مسٹر مل ایک محدود رقم کے علاوہ تمام مال سرکار میں داخل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ایسی تجویز بقول پروفیسر موصوف لوگوں کو مال و دولت میں ترقی کرنے سے زور کے ساتھ روک دیگی ÷

۲- وصیت زندہ اشخاص یا قریب تر پیدا ہونے والوں پر محدود کی جائے تو بڑی جاگیروں کا انتظام نہ ہوسکیگا جس سے کوئی شخص اپنے خاندان کی وہ اعلیٰ حیثیت قائم رکھ سکے جو اس نے محنت شاقہ سے پیدا کی ہے اور چاہتا ہے کہ قائم رہے۔

۳- اولاد کو ایک خاص عمر تک پہنچنے سے پہلے اپنے ارادہ سے مطلع کرنیکی ضرورت نہیں کیونکہ اسلامی قانون ان کو کسی حق سے محروم نہیں کرتا اور جس قدر اختیار غیروں کیلئے وصیت کرنے کا دیا گیا ہے وہ معقول ہے کیونکہ سوسائٹی کا اچھی حالت میں رہنا انسان کے لئے ہر طرح مفید ہے اور حاجتمندوں کی امداد اہل ثروت کا اخلاقی فریضہ۔ یہ توفیق زندگی

کی خود فراموشیوں میں نہ ہو تو موت کو یاد کرنے کے بعد مال کا تیسرا حصہ مستحقین امداد پر وصیت کرنا باعث برکات ہوگا۔ اور اولاد کا بھی چنداں نقصان نہیں +

۴۔ قریبی رشتہ دار نہ ہوں تو وصیت کے اختیار کو نصف جائداد تک بڑھانا وہی اصول ہمدردی کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے ورنہ ضرورت کے وقت بھائی اور دیگر رشتہ داروں کو بھی مدد دینے کی ایسی ہی تحریک ہوتی ہے جیسی اولاد یا والدین کو پس اولاد یا والدین نہ ہوں تو غیروں کو دینے کے وقت بھائیوں کا بھی ایسا ہی لحاظ ہونا چاہئے جیسا اولاد کا۔ اغیار کے لئے وصیت کرنی ہو تو تہائی ایک معقول مقدار ہے جس کو ہر صورت میں جدا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے +

۵۔ غیر کے لئے وصیت ہو اور قریبی رشتہ داروں کو محروم کیا جائے تو بھاری ٹیکس عائد کرنا اسی سہل انگاری پر مبنی ہے جس سے تھوڑا سا فوری فائدہ حاصل کرنے کے لئے سوسائٹی کے پائدار فوائد کا نقصان گوارا کیا جاتا ہے اور فطری جذبات کو معدوم کرنے اور حق داروں پر ظلم روا رکھنے کے ان نتائج کو نہیں دیکھا جاتا جو ایک عرصہ کے بعد برادرانہ محبت کو فنا کر دینگے +

نسخ وصیت کی دلیل

یہاں تک وراثت کے متعلق اُن خیالات سے بحث تھی جو حضور واضعین قانون کی خدمت میں گذارش ہو سکتے ہیں اور اگر یہ دلائل صحیح ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ مسئلہ اس کے دیگر احکام کی طرح ایسی حکمت سے مملو ہے کہ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اس اصول کو توڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب ایک گذارش برادرانہ اسلام کی خدمت میں کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں آیت وصیت کا منسوخ ہونا مشہور ہے اور اس کو مان لیا جائے تو ترکہ کے متعلق صرف آیت مواریث پر مدار رہوگا اور ورثا کے بارہ میں کسی قسم کی وصیت کا اختیار نہ رہیگا۔ قطع نظر اس بحث سے کہ مسائل شریعت میں نسخ ہے یا نہیں اور ہے تو اس سے کیا مطلب ہے سردست یہ دیکھنا ہے کہ آیت وصیت کو کن دلائل سے منسوخ کیا جاتا ہے۔ پس ایک دلیل اس بارہ میں وہ ہے جو امام بخاری نے پیش کی ہے آنجناب اپنی کتاب میں لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِث

کو عنوان قرار دیکر حضرت ابن عباس کا قول روایت کرتے ہیں:۔

كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللّٰهُ مِنْ ذَالِكَ مَا اَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَجَعَلَ لِلْاَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الثُّلُثَ وَجَعَلَ لِلْمَرْاَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ۔

پہلے مال اولاد کی ملکیت ہوتا تھا۔ والدین کے لئے وصیت کی جاتی تھی۔ خدا نے اس دستور میں سے جس بات کو چاہا منسوخ فرما دیا پس اس نے لڑکے کے دو اور لڑکی کا ایک حصہ مقرر کیا اور ماں باپ دونو کو ایک ایک سدس دیا بیوی کے لئے چوتھائی یا آٹھواں حصہ اور مرد کے لئے نصف یا چوتھائی حصہ مقرر فرمایا +

اس حدیث میں اولاد کو مالک بنانے اور والدین کے لئے وصیت کرنے کا جو دستور بیان ہوا ہے وہ قرآن اور حدیث کے رو سے ثابت نہیں۔ آیت وصیت کو دیکھا جائے تو اس میں والدین اور تمام اقربا کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ آیت مواریث کو دیکھیں تو اس میں سب کے لئے حصے مقرر ہیں پس ایسی تفریق کہ صرف والدین کیلئے وصیت کا اختیار ہو اور وصیت نہ ہو تو انہیں محروم رکھا جائے اور اولاد کے حق میں کوئی وصیت نہ ہو غالباً اسلام سے پہلے کا دستور ہوگا اور حضرت ابن عباس کا مدعا یہ ہے کہ قرآن نے اس رسم کو دور کر دیا ہے اب والدین اور دیگر اقربا بغیر وصیت کے بھی حصہ پا سکتے ہیں پس اس حدیث کی بنا پر لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ کا نتیجہ نکالنا امام بخاری کا اپنا اجتہاد ہے جو قرآن کے خلاف مقبول نہیں ہو سکتا +

دوسری دلیل

ایک اور حدیث اس بارہ میں عمرو بن خارجہ سے نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

خدا تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا اب وارث کے لئے کوئی وصیت جائز نہیں۔

عہ یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جو کچھ ابن عباس فرماتے ہیں وہ اگر شریعت کا حکم تھا اور منسوخ ہو جاتا تو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ خدا کا حکم پہلے یہ تھا اور پھر یہ ہوا۔ یا یوں کہتے کہ پہلے یہ تھا اور پھر یہ ہوا۔ مگر فرمایا یوں ہے کہ پہلے یہ تھا پھر خدا نے یہ حکم دیا یہ طرز کلام ہی ظاہر کرتا ہے کہ پہلا دستور خدا کی طرف سے نہ تھا اور آیت وصیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا +

صاحب کشاف کا خیال

مگر قباحت یہ ہے کہ یہ حدیث اور نیز بخاری کی گذشتہ حدیث دونو خبر واحد ہیں اور خبر واحد کا حکم ظنی ہوتا ہے اور حکم قرآنی کا مقابلہ نہیں کرسکتا چنانچہ صاحب کشاف کو یہ خدشہ محسوس ہوا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے مگر چونکہ امت نے اُسے قبول کرلیا ہے اسلئے متواتر کے برابر ہوگئی (تفسیر آیت وصیتہ) مگر خود ہی صاحب کشاف امت کی قبولیت کا پردہ اٹھاتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ "بعض کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں اور ان میں سے ایک فریق کہتا ہے کہ وارث وصیت اور میراث دونو کا حقدار ہے اور ایک فریق کہتا ہے کہ آیت وصیت اور آیت میراث دونو ایک ہی حکم کو دو طرز کلام سے ظاہر کرتی ہیں اور ایک اور فریق کہتا ہے کہ دونو آیتوں کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ وارث کے مقررہ حصہ میں کمی نہ کی جائے اور اس سے زیادہ کی وصیت ہو تو نافذ کردی جائے" یہ صاحب کشاف کا قول ہے اور جب اسقدر مختلف رائیں رکھنے والے موجود ہیں تو قبولیت عام کا تمغہ بھی اس حدیث کو حاصل نہیں ہوسکتا۔

تفسیر بیضاوی

صاحب کشاف سے زیادہ روشن فیصلہ قاضی بیضاوی کا ہے وہ تفسیر بیضاوی میں آیت وصیت کے منسوخ ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

فِیْهِ نَظَرٌ لِاَنَّ اٰیَةَ الْمَوَارِیْثِ لَا تُعَارِضُهٗ
بَلْ تُؤَکِّدُهٗ مِنْ حَیْثُ اَنَّهَا تَدُلُّ عَلٰی
تَقْدِیْمِ الْوَصِیَّةِ مُطْلَقًا وَالْحَدِیْثُ
مِنَ الْاٰحَادِ وَتَلَقِّی الْاُمَّةِ لَهٗ بِالْقُبُوْلِ
لَا یُلْحِقُهٗ بِالْمُتَوَاتِرِ وَلَعَلَّهُ احْتَرَزَ
عَنْهُ مَنْ فَسَّرَ الْوَصِیَّةَ بِمَا اَوْصٰی
بِهٖ اللّٰهُ مِنْ تَوْرِیْثِ الْوَالِدَیْنِ وَ
الْاَقْرَبِیْنَ بِقَوْلِهٖ یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ اَوْ
بِاِیْصَاءِ الْمُحْتَضَرِ لَهُمْ بِتَوْفِیْرِ مَا اَوْصٰی
بِهٖ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ [illegible] (ع)

آیت کے منسوخ ہونے پر اعتراض ہے کیونکہ آیت میراث اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ اسکی تاکید کرتی ہے کیونکہ اس میں بغیر کسی قید کے وصیت کو مقدم رکھنے کا حکم ہے اور حدیث کو دیکھا جائے تو وہ خبر واحد ہے اور امت اسکو قبول کرلے جب بھی متواتر نہیں ہوسکتی اور شاید اسی اعتراض سے پرہیز کیا ہے ان لوگوں نے جو یوں تفسیر کرتے ہیں کہ آیت وصیت میں وصیت سے وہی حکم مراد ہے جو آیت میراث میں ورثا کا حصہ معین کرنے کے لئے یُوصِیکُمُ اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا یا یوں کہتے ہیں کہ انکے مقررہ حصوں کے زیادہ دینا کی وصیت ہوسکتی ہے۔

تفسیر کبیر

تفسیر کبیر میں بھی یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:-
"آیت وصیت کا آیت میراث سے منسوخ ہونا بعید از قیاس ہے کیونکہ اگر آیت میراث سے وارث کے لئے ایک مقدار مقرر ہو چکی ہے تو وصیت کے رو سے اُسے ایک اور مقدار کا عطا کرنا ممکن ہے۔ حدیث سے منسوخ سمجھا جائے تو غلط ہے کیونکہ خبر واحد قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی اگر کہو کہ امت نے اس حدیث کو قبول کر لیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ امت نے یہ قبول کیا ہے کہ یہ حدیث ہے اور خبر واحد ہے جس سے قرآن منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اگر کہو کہ امت نے اس حدیث کو قطعی سمجھ لیا ہے تو یہ غلط ہے۔ آیت وصیت کو اجماع امت سے منسوخ سمجھا جائے جب بھی غلط ہے۔ اجماع قرآن کا ناسخ نہیں ہو سکتا اور جب امت میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو آیت کو منسوخ نہیں کہتے تو اجماع کیسا"۔

تفسیر طبری

امام ابن جریر طبری اپنے مسلک کے مطابق تمام مختلف اقوال مع سند کے درج کرتے ہیں اور آیت وصیت کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے سب بیان فرماتے ہیں مگر پہلے اپنا خاص خیال یوں تحریر کرتے ہیں۔

"اگر کہنے والا کہے کہ اہل علم کی ایک جماعت آیت وصیت کو منسوخ کہتی ہے تو جواب میں کہا جائیگا کہ ان کے خلاف ایک جماعت سے محکم و غیر منسوخ بھی مانتی ہے اور جب اہل علم کے مابین نسخ کے بارہ میں ایسا اختلاف موجود ہے تو ہم اس کے منسوخ ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک کوئی قابل یقین دلیل نہ ہو اور جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ آیت وصیت اور آیت میراث میں باہم تناقض ہے اور ایک کو مانکر دوسرے حکم پر عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ناسخ اور منسوخ وہی دو حکم ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک کو منفی کرنے کے بغیر دوسرا حکم صحیح اور قابل نفاذ نہ ہو"۔

آیات وصیت و میراث کا تفاوت

ان سب ائمہ کبار کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ علمائے امت میں آیت وصیت کو منسوخ سمجھنے والے بہت ہیں مگر ان سے اختلاف کرنے والوں اور آیت کو محکم اور غیر منسوخ سمجھنے والوں کی تعداد بھی کم نہیں اور نیز یہ کہ منسوخ قرار دینے کے لئے جو دلائل پیش ہو سکتی ہیں ان میں سے کوئی

ایک بھی جرح سے خالی نہیں۔ اب آیت وصیت کو غیر منسوخ مانکر اس کے مطالب کو جو اخذ کئے گئے ہیں دیکھا جائے تو جو دو تاویلیں تفسیر بیضاوی سے منقول ہوئی ہیں دل پر قبضہ نہیں کرتیں۔ یہ دو تو تاویلیں ابو مسلم اصفہانی کی ہیں جو قرآن کریم کی ہر ایک آیت کو محکم اور غیر منسوخ مانتے ہیں تفسیر کبیر میں ان کے اکثر اقوال مذکور ہیں وہ بعض اوقات نہایت لطیف نکات پیش کرتے ہیں مگر آیت وصیت کی یہ تفسیر کہ وہی حکم میراث ہے جو آیت میراث میں یُوصِیکُمُ اللّٰہُ کے لفظ سے شروع ہوا ہے اور جس میں ہر ایک رشتہ دار کا حصہ معین کر دیا گیا ہے۔ اسی حکم کی طرف آیت وصیت میں اشارہ ہے اور فرمایا گیا ہے کہ خدا نے جو حصص معین کرنے کی وصیت کی ہے اس وصیت کی بجاآوری تم پر فرض ہے۔ یہ مطلب آیت وصیت پر کسی طرح منطبق نہیں ہو سکتا کیونکہ جس وصیت کا آیت وصیت میں حکم دیا گیا ہے اس میں عدالت کا لحاظ رکھنے کی تاکید ہے اور کوئی فروگذاشت یا ظلم ہو تو بعد والوں کو اسے بدل دینے کا حکم ہے پس یہ وہی وصیت ہو سکتی ہے جو مرنے والا اپنی مرضی سے کرے ورنہ اگر انہی فرائض کا ذکر ہوتا جو آیت میراث میں مذکور ہیں تو وہ خود خدا نے مقرر فرمائے ہیں نہ ان میں اپنی طرف سے عدالت کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے اور نہ کوئی ظلم اور فروگذاشت ہونے کا احتمال +

تناقض کوئی نہیں

علامہ ابو مسلم اصفہانی کی دوسری تاویل یعنے اقربا کے حصے کم نہ کئے جائیں اور زیادہ دینا ہو تو اختیار ہے اس پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ ورثاء کے حصے جو قرآن کریم نے مقرر کئے ہیں وہ تہائی اور چوتھائی اور ایسی ہی کسروں کی شکل میں ہیں ان کو کل مال سے نکالا جائے تو اور مقدار ہوتی ہے اور مال کا کچھ حصہ کسی اور طرح پر خرچ کرنے کے بعد نکالا جائے تو اور ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کا تمام مال اس کے ماں باپ اور اولاد پر بغیر وصیت کے تقسیم کیا جائے اور بارہ سو کی مالیت ہو تو باپ کو چھٹے حصہ میں دو سو ملتا ہے لیکن اگر کسی رشتہ دار کے لئے یا غیر کے لئے تین سو کی وصیت ہو تو باقی نو سو بچ جاتے ہیں اور باپ چھٹے حصہ کا ڈیڑھ سو پاتا ہے۔ یعنے وصیت کے رو سے کسی وارث کو یا غیر کو کچھ دیدیں تو باقی وارثوں کا حصہ کل مال کی تہائی یا چوتھائی سے کم رہ جاتا ہے پس یہ ممکن ہی نہیں کہ ورثا اپنا اپنا پورا حصہ وصول کریں اور ایک وارث کو زیادہ بذریعہ وصیت کی

رقم نکالکر وراثتی حصوں کا کم ہونا ضروری ہے پس اس تاویل کا کوئی مطلب ہی نہیں کہ "اقربا کے حصّے کم نہ کئے جائیں کسی کو زیادہ دینا ہو تو اختیار ہے۔ وراثت کی تقسیم خود قرآن کریم کے حکم سے وصیت کی رقم منہا کرنے کے بعد ہے اگر بالفرض تین چوتھائی مال وصیت میں دیدیا جائے تو جب بھی باقی حصہ کی تقسیم اس کی اپنی تہائی اور چوتھائی کے حساب سے ہوسکتی ہے اور حکم تقسیم کی تعمیل میں نقص نہیں آتا پس اگر آیت وصیت منسوخ نہیں ہے تو وصیت کے اختیار کو کسی حد میں محدود کرنے کے لئے نہ آیت وصیت میں کوئی دلیل موجود ہے نہ آیت مواریث میں حدیث نبوی نے بیشک وصیت کی مقدار کو ایک تہائی میں محدود کیا ہے۔ مگر وہاں اغیار کی وصیت کا ذکر ہے۔ اس کو اقربا کی وصیت پر عائد کرنا اپنی طرف سے ایک شرط کو ایزاد کرنا ہے جو جائز نہ ہوگا پس صحیح تفسیر وہی ہے جو صاحب کشاف نے ایک فریق کی طرف سے روایت کی ہے کہ وارث وصیت اور میراث دونو کا حق دار ہے یعنے اغیار کے لئے ثلث سے زیادہ وصیت نہ ہو اور اقربا کی وصیت میں صرف وہی شرطیں ملحوظ ہوں جو قرآن سے ثابت ہیں۔ وصیت بالمعروف ہو یعنے حق و مناسب اور ورثا کی ضرورتوں اور حالتوں کے مطابق۔ اور کسی وارث کو محروم نہ کیا جائے۔ وصیت نامناسب ثابت ہو تو اہل اختیار اس کی اصلاح کردیں اس تفسیر کے مطابق دونو آیتوں میں کوئی تناقض نہیں رہتا۔ نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے بلکہ اپنے اپنے موقع پر دونوں آیتیں حکم کو مکمل کرنے کا فائدہ دیتی ہیں۔ وصیت ہو تو آیت وصیت اس کی شرائط و لوازم کا اظہار کرتی ہے اور وصیت نہ کیجائے تو آیت مواریث سے تقسیم کی شکل معلوم ہوسکتی ہے اگر دونو قسم کے طرز عمل کی اجازت نہ ہوتی اور ورثا کو انکے معین حصہ سے زیادہ دینا جائز نہ ہوتا تو صرف آیت مواریث نزول کرتی اور وصیت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن وصیت کو جائز قرار دیکر اس کے لئے حکم نافذ کیا جاتا تو ایسے موقعوں کے لئے جبکہ مرنے والا کوئی وصیت نہ کرے تقسیم کا کوئی قاعدہ مقرر کرنا ضرور تھا اور ایسا ہی ہوا ہے ایک موقع پر وصیت کا حکم دینے کے بعد دوسرے موقع پر ترکہ بلا وصیت کے احکام صادر کئے گئے ہیں اور ایک ضرورت کے بعد دوسری

ضرورت کا اہتمام ہوا ہے۔ دونو آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ نہ قرآن کریم میں ایسا ہونا ممکن ہے۔ قرآن کریم خود اپنی صداقت کیلئے یہی دلیل پیش کرتا ہے کہ اسکے مطالب و مقاصد میں کوئی اختلاف نہیں ارشاد ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (نساء پارہ ۵ ع)

کیا منکرین اسلام قرآن کو غور سے نہیں دیکھتے اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کی تصنیف ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے ۔

مسئلہ وصیت کا عملی پہلو

اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت وصیت کو منسوخ قرار دینے کا مسئلہ کسی وجہ سے صرف شہرت پا گیا ہے اور عملی طور پر اسکو منسوخ نہیں سمجھا گیا کیونکہ :۔

اول تو آیت وصیت کے بعد جو حکم وصیت کی پابندی کرنے اور ناجائز وصیت میں اصلاح کرنے کا نازل ہوا ہے اس کو منسوخ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ اُن دونو حکموں میں وصیت کا لفظ نہیں صرف ضمیر ہے جس کا مرجع یعنے لفظ وصیت اسی آیت وصیت میں مذکور ہے اور حسب اظہار تفسیر فتح البیان، سلیمان بن جمل بجا اعتراض کرتے ہیں کہ وصیت کو منسوخ سمجھنا اور اسی وصیت کی طرف ضمیر پھیر کر جو احکام دیئے گئے ہیں اُنکو محکم کہنا کوئی معنے نہیں رکھتا اور تعجب ہے کہ منسوخ ماننے والوں کی کسی تفسیر میں اس نکتہ کو حل نہیں کیا گیا۔ اور صاحب فتح البیان لکھتے ہیں کہ اعتراض اسی صورت میں ہے جبکہ وصیت کو منسوخ مانا جائے اگر منسوخ نہ ہو تو کوئی اعتراض نہیں +

دوئم۔ آیت وصیت میں جو لفظ خیر واقع ہوا ہے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس اس سے سند لیتے ہیں اور دونو بزرگواروں سے روایت ہے کہ انہوں نے ایسے لوگوں کو جو تھوڑا مال رکھتے تھے وصیت سے روکا اور کہا کہ قرآن میں وصیت کے لئے لفظ خیر واقع ہوا ہے جس کے معنے مال کثیر کے ہیں پس ان دونو بزرگواروں نے خود اسی آیت سے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ منسوخ ہے (تفسیر خازن و کشف الغمہ شعرانی)

سوئم۔ وقف علی الاولاد کا مسئلہ اسلام کے اکثر فرقوں کے نزدیک صحیح ہے اور وہ صحیح وصیت جو اولاد کے لئے کی جاتی ہے اور اس کا حکم قرآن کریم سے تلاش کیا جائے تو یہی آیت وصیت اسکی دلیل ہوسکتی ہے اس کو جائز سمجھنا خود دوسرے لفظوں میں آیت کو نافذ العمل

قرار دینا ہے +

مسئلہ وصیت کی ضرورت مسئلہ وصیت پر استطاعت کے موافق نظر کی ہے جس کو بعض مسلمان پسند کرینگے اور بعض ناپسند مگر باوجود اس اختلاف کے جو کسی وجہ سے مسئلہ وصیت میں پیدا ہو گیا ہے ایک گذارش ہر مسلمان اہل علم کی خدمت میں با امید پسندیدگی پیش ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جس مسئلہ کی نسبت پروفیسر ہیجولے فرماتے ہیں کہ ترقی تمدن کے اثنا میں تقسیم ترکہ کے دستور سے پیچھے پیدا ہوا ہے اس کا حکم شریعت اسلامیہ میں قرون متوسطہ سے بہت پیشتر نازل ہوا اور تقسیم ترکہ کا حکم اس کے بعد دیا گیا ہے اور اسی لئے اس کو ایک فریق نے مسئلہ وصیت کا ناسخ ٹھہرایا اور ایک نے دونو کو تسلیم کیا پس وصیت کا حکم بہرحال اسلامی مسئلہ ہے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مسلمانوں کا ایک فریق جس میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین سب شامل ہیں اس کو محکم اور غیر منسوخ ماننا چلا آیا ہے اور کسی وارث کے نابینا اپاہج۔ دائم المرض۔ کثیر العیال یا ناکارہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے قابل اطمینان انتظام وصیت بحق اقربا کو اسی شکل میں قائم رکھنے سے ہو سکتا ہے پس جو لوگ قائلین نسخ وصیت کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی ضرورت داعیہ کی وجہ سے اگر اس مسئلہ میں اُن ائمہ دین کے مسلک پر عمل پیرا ہوں جو حکم وصیت کو محکم سمجھتے ہیں تو یہ فعل اسلامیوں کے عام طرز عمل کے خلاف نہ ہوگا کیونکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے فقہائے اسلام اپنے امام کی بجائے کسی اور امام کے مسلک پر عمل کرنا جائز سمجھتے ہیں اور اکثر مسائل میں اس قسم کے فتاوے نافذ کرتے رہتے ہیں +

باب چہاردہم

قانون فوجداری

سزا کی قسمیں شریعت اسلامیہ کے رو سے سزا کی تین قسمیں ہیں۔ حد۔ قصاص اور تعزیر

حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اور اس میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔ قصاص وہ سزا ہے جس کو معاف کرنے کا اور شکل بدلنے کا اختیار مستغیث کو دیا گیا ہے تعزیر کی تعیین سزا سر حکام وقت کے اختیار میں ہے۔ حد کا تعین قرآن کریم میں صرف زنا۔ سرقہ اور تہمت زنا کے لئے ہے یا اس قتل میں جو ڈاکوؤں کے ہاتھ سے ہو قتل کی عام واردات قطع اعضا اور دیگر ہر گونہ جراحت اور ضرب میں قصاص ہے یا تاوان ہے بغاوت اور فساد کا تدارک بھی بتایا گیا ہے۔ اس کے سوا اور کسی جرم کی سزا معین نہیں ہے۔ حاکم وقت اہل الرائے کے مشورہ سے جس خرابی اور جس جرم کا جس شکل سے تدارک ہو سکے کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور اہل مشورہ ہر وقت کے لئے جو قانون مناسب سمجھیں بنا سکتے ہیں +

جرائم نامذکور الجزا

بہت سے جرائم ہیں جن کا اس عہد میں وجود نہ تھا اور زمانہ کے انقلاب سے متفرق اوقات میں پیدا ہوتے رہے سکہ قلب یا مصنوعی سٹمپ بنانا مستعمل سٹمپ کو استعمال کرنا عام آدمی کا سپاہیانہ نشان پہنکر عوام میں آنا سمندر میں غلط نشان دکھانا۔ کرنسی اور بینک نوٹ میں جعلسازی کی مختلف شکلیں قانون شریعت میں ایسے جرائم کا ذکر نہیں آسکتا تھا مگر یہ بھی نہیں ہے کہ بانی اسلام علیہ السلام کے ذہن میں چند جرائم اور ان کی سزاؤں کے سوا اور کسی جرم کا معاذ اللہ خیال بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ قرآن کریم اور احادیث رسول علیہ السلام کے اندر التباس حق و باطل۔ کتمان حق۔ تبدیل وصیت۔ خیانت غبن۔ استحصال ناجائز۔ استحصال بالجبر۔ رشوت۔ دختر کشی۔ خلاف وضع فطری۔ ارتکاب خباثت اظہار فواحش۔ مداخلت بیجا۔ خیانت کاروں اور بدکاروں کی اعانت و حمایت۔ کمزور کو اپنا حق چھوڑنے کے لئے مجبور کرنا۔ عورتوں کو ورثہ یا مہر معاف کرنے کے لئے تنگ کرنا کسی کا عیب ظاہر کرنا۔ اشارہ چشم و ابرو سے طعنہ دینا۔ نام بگاڑ کر استہزا کرنا۔ زنا پر مجبور کرنا۔ فعل ناجائز کی ترغیب دینا۔ دھوکا فریب کرنا اور اس قسم کے بہت سے جرائم ہیں جن کا عبرت خیز اور درد انگیز پیرایہ میں ذکر ہوا ہے مگر سزا معین نہیں کی گئی +

اصول سزا کی تلاش

پس ایک تعداد کثیر میں سے چند جرائم کی سزا کا ذکر کرنے سے یہ مدعا نہیں ہو سکتا کہ اور سب قابل درگذر ہیں۔ نہ ایسا مدعا

زمانہ رسالت میں یا کسی اور زمانہ میں سمجھا گیا ہے شراب کی ممانعت مذکور ہے اور سزا کا ذکر قرآن میں نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں شراب پینے والا لایا جاتا تھا تو حضرت اسے مارنے کا حکم دیتے تھے۔ لوگ اسے کبھی ہاتھ سے کبھی لکڑی سے اور کبھی کپڑے سے مارتے تھے کبھی تازیانہ بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں صحابہ کرام سے مشورہ کرنیکے بعد شرابخواری کی سزا اسّی تازیانے تجویز ہوئی اور اجماع صحابہ کی وجہ سے اسکو حد تصور کیا گیا پس دیگر تمام جرائم میں جنکا ذکر ہوا چونکہ سزا مقرر نہیں کیگئی ثابت ہوتا ہے کہ انکے بارہ میں قوم کو اختیار دینا مقصود تھا مگر چند جرائم کی سزا متعین فرمانے سے اسبارہ میں رہنمائی بھی منظور تھی کہ سزا اسی اصول کے مطابق ہو جو متعین شدہ سزاؤں سے مستنبط ہوتا ہے پس پہلے دیکھنا چاہیئے کہ اسلامی سزاؤں سے کیا اصول مستنبط ہوتا ہے اور موجودہ اصول قانون سے اس کا کس قدر اختلاف ہے اور دونوں میں سے کسے ترجیح دے سکتے ہیں۔ اس تمام غور و تامل کے بعد اسلامی قانون سزا کی نسبت رائے قائم ہوسکیگی

سزائے قتل کی موجودہ شکل

موجودہ طرز سیاست میں دیکھا جاتا ہے کہ قتل جس سے ایک کی جان لیگئی ہے اور اس کے اہل و عیال کو اس کی امداد سے محروم کیا گیا ہے وہ اگر ایک خاص شکل قتل عمد کی رکھتا ہے تو قاتل کی جان لی جاتی ہے۔ اس صورت میں جان کے عوض میں جان لینے کو اگر انصاف کہیں اور ورثائے مقتول کے جذبات انتقام کی تسکین کا باعث سمجھیں جب بھی مقتول کے کنبہ کو جو نقصان اپنے سرپرست کے فقدان سے پہنچا ہے اس کا کوئی تدارک نہیں ہوتا بلکہ قصاص لیکر ورثائے مقتول کے ساتھ قاتل کے کنبہ کو بھی بلاقصور مبتلائے مصائب کر دیا جاتا ہے۔ ایک خاص شکل کے علاوہ قتل کی اور جس قدر شکلیں تصور میں آئی ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی قاتل کو سزائے موت نہیں دی جاتی بلکہ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی مدت کے لئے قید کر دیا جاتا ہے۔ قید سے ورثا کے جذبۂ انتقام کو تسکین نہیں ہوتی اور قاتل جس عرصہ تک قید رہتا ہے جو ہنر جانتا ہو یا جو کام کرسکتا ہو اس سے وہ کام نہایت سختی کے ساتھ روزانہ بغیر کسی مہلت اور تعطیل کے لیا جاتا ہے اور اس کا تمام مفاد خزانہ سرکار میں داخل ہوتا ہے۔ کام میں سستی کرے یا بگاڑ دے تو کبھی کام زیادہ دے دیا

جاتا ہے کبھی ضرب بید کی سزا پاتا ہے کبھی کھڑی چکی جیسی مشقت سے محنت اور جسمانی سزا دونو کا کام لیا جاتا ہے اور کام کی منفعت یا اس جرمانہ میں جو اس کے جرم کی بنا پر وصول کیا جاتا ہے اُن لوگوں کا ایک پیسہ کا حق نہیں سمجھتے جن کو اُس کے جرم نے لاوارث اور ٹکڑے کو محتاج کر دیا ہے۔ اگر مقتول کے خورد سال بچے ہیں بیکس بیوہ ہے تو اس تمام کنبہ کا بار سوسائٹی کی گردن پر ہوتا ہے اور نیز مجرم کا کنبہ اگر یہی حالات رکھتا ہو اور اسی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو تو اس ایک جرم کی وجہ سے یہ تمام متنفس جن کی تعداد پندرہ بیس تک پہنچ سکتی ہے گدائی کے لئے دربدر پھریں یا فیاض لوگوں کی خیرات پر بسر کریں یا کوئی ہمدرد رشتہ دار انکا کفیل ہو۔ غرض یہ قافلہ عرصہ دراز تک سوسائٹی کے سرمایہ کو بغیر کسی معاوضہ کے صرف کرتا رہتا ہے مگر ایک ہنرور کے کسب سے اور ایک محنتی کی پیہم کمائی سے جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے ان کو ایک حبہ نہیں ملتا۔ انسان اگر آزادی سے کوئی پیشہ اختیار کرتا ہے تو جو چاہتا ہے اپنے کھانے پر اور کپڑے پر صرف کرتا ہے قید میں اس کے کھانے اور پہننے کی مقدار معین اور نہایت کم خرچ ہے اور اس کے کسب سے جس قدر آزادی کے اندر پس انداز ہو سکتا ہے اس سے زیادہ سرکار کو ملتا ہے +

مقدمات کے مصارف

یہی کیفیت ہے اور تمام جرائم میں۔ چور نے کسی کا گھر صاف کر لیا ہے نانِ شبینہ کو محتاج کر دیا ہے۔ مار پیٹ کے اندر کوئی اندھا یا لنگڑا یا ہمیشہ کے لئے بے کار ہو گیا ہے۔ یا زخمی ہو کر بہت عرصہ تک لاچار رہا ہے بیماری کا صرف برداشت کیا ہے۔ کام سے عاری رہا ہے۔ سرکاری کارندوں نے کسی سے رشوت لی ہے جس کی مقدار سینکڑوں اور ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے ایسے تمام حالات میں بھاری جرمانے کئے جاتے ہیں لمبی قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ہر طرح سے سرکاری خزانہ معمور ہوتا ہے اور جن کو مالی و بدنی نقصان پہنچا ہے وہ استغاثہ کرتے ہیں تو کوئی ان کی بات نہیں سنتا جب تک کورٹ فیس اور دیگر عدالتی مصارف کے لئے رقم کثیر کا اہتمام نہ کر لیں۔ استغاثہ ہوگا تو حقیقی

عا

دوران مقدمہ میں عدالت کو جس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہیں جو گذارش کرنے کی ضرورت سمجھیں ہر بات کیلئے مقررہ سٹیمپ مہیا کرنا پڑیگا۔ جو تجویز پیش کریں اس کے لکھنے والے خاص ہیں اہل مقدمہ سے اُجرت لیتے ہیں اور سرکار کو سالانہ ٹیکس دیتے ہیں۔ قانونی پیچیدگیاں اس قدر ہیں کہ کوئی کارروائی وکلا کے بغیر نہیں ہوتی انہیں سینکڑوں اور کبھی ہزاروں روپے دینے پڑتے ہیں۔ سالانہ ٹیکس وہ بھی ادا کرتے ہیں۔ بڑے بڑے عرصہ تک مقدمات دائر رہتے ہیں اپیل در اپیل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر عدالت میں از سر نو رسوم اور خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس تمام عرصہ میں فریقین اور ان کے لواحق شب و روز متفکر اور مصروف رہتے ہیں۔ استغاثہ اور صفائی کے گواہ کاروبار کو بند رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور سب اپنے پیشہ کی آمد سے محروم رہتے ہیں +

جبر نقصان سے محرومی

اس تمام تشویش۔ تگ و دو اور ان گرانبار مصارف کے بعد جو قانون کے اندر ہیں اور ان بے شمار نقصانوں کے بعد جو اہل تفتیش اور دیگر تعلقداران عدالت کے ہاتھ سے مستغیث اور ملزم دونو کو مخفی طور پر برداشت کرنے پڑتے ہیں اور ہر کہ و مہ کی خوشامد کے بعد اور ہر کانسٹبل ہر پیادہ اور ہر محرر کی طرف سے ذلت و تحقیر کا برتاؤ دیکھنے کے بعد جب وقت آتا ہے کہ مستغیث کو فتحیاب کہکر کچہری کا ہر کانشا اور ہر پھول بخشیش طلب کرنے کے لئے دامن پکڑتا پگڑی اچھالتا ہے اس وقت مال مسروقہ کا وہ حصہ جو پولیس کو دستیاب ہو گیا ہے اور مخفی دستبرد سے بچ رہا ہے حق الخدمت یا انعام کی رقم صرف کرنے کے بعد مستغیث کو مل جاتا ہے۔ لیکن جو مال برآمد نہیں ہوا جو رقم ضرب شدید کے علاج میں صرف ہوئی ہے۔ جو عضو لڑائی میں ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا ہے۔ ان تمام نقصانوں کا کوئی تدارک نہیں ہوتا۔ داد فریاد کرنے کے بعد اگر ایسے ہی مہربان ہوتے ہیں تو ہرجانہ کے لئے دیوانی میں دعوے کرنے کی اجازت دیتے ہیں +

[illegible] عدالت دیوانی کی دشواریاں

رہا [illegible] آزاد نہ [illegible]

دیوانی مقدمہ ایک دوسری منزل ہفت خوان ہے [illegible] کو شرمندہ کرتی ہوئی ہیں

روپیہ اور وقت دونو کا صرف استغاثہ سے زیادہ ہے جس رقم کا دعوےٰ ہو اس پر جو حکومتیں با انصاف کہلاتی ہیں رسوم کے نام سے فیصدی دس کے قریب دعوے سے پہلے خرچ کرواتی ہیں۔ بے پروا حکومتیں پندرہ فیصدی تک بھی پہنچا دیتی ہیں یعنے چھوٹے ہی زر متدعویہ کا اتنا حصہ بغیر کامیابی کا یقین دلوانے کے وہ لوگ نکال لیتے ہیں جو آسائش رعایا کے ذمہ وار اور اس کی مصیبت میں مددگار ہیں۔ پھر اس پر قناعت نہیں کرتے۔ پیروی کے اثنا میں فریقین میں سے کوئی آواز پر حاضر نہ ہو تو مثل داخل کر دیتے ہیں یا یکطرفہ ڈگری دے دیتے ہیں دوبارہ انجاکرنے پر سٹیمپ کی رقم وصول کرتے ہیں ہر سوال کے لئے سٹیمپ جدا وصول ہوتا ہے۔ نقول کی اُجرت الگ لی جاتی ہے بعض ضمنی فیصلوں پر دوران مقدمہ میں اپیل کی ضرورت ہوتی ہے اور کوئی کام بغیر خرچ کے انجام نہیں پاتا۔ وکلا کا خرچہ اور گواہوں کا طلبانہ کسی حساب میں نہیں۔ خوشامد کی ذلت اور اندرونی تواضعات کا ذکر کریں تو زبان کٹتی ہے اور پھر بھی کوہ کندن کے بعد کاہ برآوردن کا منظر دیکھنا پڑتا ہے یعنے ڈگری صادر ہو تو مدعا علیہ کے مال اور جائداد کی نشان دہی مدعی کا فرض ہے۔ فریق ثانی کئی طرح کے حیلوں سے مال چھپاتا ہے جائداد اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کا حق ثابت کرتا ہے۔ قرق امین اور چپراسیوں کی نازبرداری کرنا مدعی کا فرض ہوتا ہے۔ وہ جس منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کو قرق یا نیلام کرتے ہیں اس کے دعویداروں کی طرف سے اور مقدمات دائر کرائے جاتے ہیں۔ فوجداری کے بعد ہرجانہ کا دعوےٰ اور اس دعوےٰ کے لیے ایسے ضمیمے سپارہ سرکاری خزانہ کو آباد کرنے کا کام دیتے ہیں۔ اور فریقین اپنا کام چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں +

موجودہ قانون کا اصول

غرض ملک کے اندر کوئی چپقلش ہو جس کو کسی چیز کے متعلق کا دعوےٰ ہو یا کسی کو کسی کی طرف سے کوئی صدمہ کوئی رنج یا کوئی نقصان پہنچا ہو مروجہ قانون کا اصول یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریاد کرنے جائیں اور فریق ثانی کو طلب کرا دیں تو اس ارادے کے لئے اٹھنے کے وقت سے اس کارروائی کو ختم کرنے کے وقت تک یعنے کئی ماہ یا کئی سال تک تھانوں میں کچہریوں میں اور بقول بعضے یہیں

ہر جگہ سرکار کو نذر دیتے رہیں اور ملزم پر جرم ثابت کرادیں جب بھی نہ گم شدہ اشیا کا عوض ہو نہ ان کی روحانی اور جسمانی تکلیف کا تدارک۔ مجرم کو قید رکھیں اس کے دست و بازو سے کام لیں مگر اس کی منفعت سے نہ اس کے اپنے کنبہ کو راحت ملے نہ مستغیث کی اشک شوئی ہو۔ ملزم قتل کا مرتکب ہو جب بھی ایک شکل کے سوا اور سب صورتوں میں اس کی جائداد سے اور اس کے دست و بازو کی محنت سے ورثائے مقتول کی کوئی دستگیری نہ ہوا ور جو مفاد جرمانہ کی شکل میں یا کام کی صورت میں مجرم سے لے سکتے ہوں سب کا استحقاق فیصلہ کرنے کے احسان میں حکومت کو ہو بیشک کبھی کبھار جرمانہ کی رقم کا ایک حصہ ضرب شدید یا دھوکا فریب کے جرم میں مستغیث کو بھی دلوادیتے ہیں۔ مگر یہ مجسٹریٹ کی اپنے جذبۂ ہمدردی پر منحصر ہے حکومت کا فرض نہیں ہے اور اکثر حالات میں اس کی پروا نہیں کی جاتی لیکن جو حصہ حکومت کا ہے وہ کبھی معاف نہیں ہوتا +

معاوضہ کی بے پناہ ہوس

کہتے ہیں جرم کے ارتکاب سے چونکہ قانون کی اور حکومت کی تذلیل کی جاتی ہے اس لئے قاتل اور چور حکومت کے مجرم بھی ہیں مگر کیا تماشا ہے کہ جن لوگوں پر جرم براہ راست مؤثر ہوا ہے انکو نظر انداز کرتے ہیں اور جو کچھ مل سکتا ہے وہ لے جاتے ہیں جو ایک بہانہ سے حقدار بنتے ہیں ورنہ حقیقت میں ملزم مستغیث اور تمام اہل مقدمہ کا حکومت پہ احسان ہے کہ فریاد کرنے والا خود اپنی جیب حکومت کے قدموں میں انڈیلتا ہے اور جن کو پکڑواتا ہے انکا خون بھی پکڑنے والوں کی غذا بنتا ہے۔ ہر قسم کا فریق مقدمہ اپنے تئیں برباد کرتا اور توفیر خزانہ باعث ہوتا ہے۔ مروجہ قانون کو سرکاری مفاد کی اس قدر ہوس ہے کہ جرمانہ کے ساتھ اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں قید کی کوئی میعاد بھی مقرر کردی جاتی ہے اور مجرم مفلس ہو تو اس عرصہ تک مزید قید برداشت کرتا ہے مگر جرمانہ سے ادا نہیں ہوتا تحصیلداروں کی معرفت تحقیق کرتے اور تلاش جاری رکھتے ہیں جب کبھی ں کے کسی مال کا نشان ملتا ہے جرمانہ کی رقم وصول کر لیتے ہیں بعض لوگ اپنی مفلسی

کا ثبوت دیکر بلا کورٹ فیس دعوے دائر کرتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں تو باوجود مفلس ثابت ہونے کے زرِ ڈگری میں سے پہلے سرکاری مطالبہ وصول کیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات بھی دیکھنے میں آئے کہ مفلس کو دعوے کے بعد ڈگری میں صرف اتنی رقم وصول ہوئی ہے جو رسوم میں منہا کر لی گئی ہے اور اس کو اس دردِ سر سے سوا کامیابی کا نام حاصل کرنے کے کچھ نہیں ملا۔ یعنے قانون کو مفلس رعایا کا کام بھی مفت کر دینے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ شاہانہ دعوتوں اور جلسوں کے اہتمام اور آرائش میں لاکھوں خرچ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سلطنت کی شان ہے مگر ضعیف بیوہ کی حق رسی دو روپیہ کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ خزینہ شاہی میں گنجائش نہیں۔ کوفہ کے حاکم نے حکومت خانہ کا شاندار دروازہ بنوایا۔ جناب فاروق اعظم نے گروا دیا کہ بیت المال کا روپیہ نمائش کے لئے نہیں۔ رات کو دورہ کرتے ہوئے جنگل میں ایک مسافر کو دیکھا جو بے سامانی کی حالت میں اپنے کنبہ کے ساتھ اُترا ہوا ہے اور اس کی بیوی کو بچہ پیدا ہونے والا ہے خلیفہ وقت نے واپس آ کر گھر سے اپنی بیوی کو ساتھ لیا۔ ضروریات کا سامان کندھے پر اُٹھایا جا کر بیوی نے عورت کی خدمت کی آپ نے کھانا پکایا۔ بچہ پیدا ہوا بیوی کے منہ سے نکلا امیر المومنین مہمان کو مبارکباد کہو۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ آپ جناب فاروق ہیں اگر حکومت کا مدعا آسائش خلق اللہ ہے تو حسن انتظام کا فخر کرنے والوں کو اپنی روش اور اپنی ہوس پر شرمانا چاہیئے ۔

مصارف حکومت کا اندازہ

کہا جاتا ہے کہ زمانے کے انقلاب نے حکومت کے مصارف زیادہ کر دیئے ہیں جنکے لئے مختلف طریقوں سے آمدنی کو بڑھانا ضروری ہوگیا ہے اور نیز جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ حکومت نہیں لیتی قوم سے لیکر قوم ہی پر صرف کرتی ہے۔ مگر آ زرین ورق پر لکھکر دروغ کو راست نہیں بنا سکتے اور شاندار الفاظ کے اندر واقعہ کی غلطی پوشیدہ نہیں کر سکتے۔ ملک داری کے فرائض ادا کرنے والے حاکم۔ سررشتہ دار۔ اہلمد اور پیادہ کا کام بیشک ضروری ہے مگر جسطرح سوسائٹی کے قیام میں ایک تاجر ایک کاشتکار۔ ایک دوکاندار ایک مزدو

اور ایک خدمتگار کا کام بھی ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی خارج کرنے کی صورت میں سوسائٹی کا قیام اور اُس کی آسائش ممکن نہیں اور ہر ایک کو اس کے کام کا عوض بھی ملنا چاہیئے مگر کیفیت یہ ہے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں قوت مقابلہ کا دخل ہے اور ہر شخص کی اُجرت اس کے ہمسروں کے مقابلہ سے خود بخود اُس کی اپنی مرضی کے بغیر مقرر ہو جاتی ہے۔ صرف ارباب حکومت اس سے مستثنیٰ ہیں شاہی حکومتوں میں فرمانروائی کی قیمت ایسی گران سمجھی جاتی ہے کہ تمام خزانہ فرمانروا کی واحد ملکیت تصور ہوتا ہے اور اپنے وزرا اور امرا کو وہ جو چاہے کچھ تنخواہ دے وہ فرمانروا کے دست و بازو اور اس کی آمد و خرچ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ وہ اور ان کے تمام ماتحت حتیٰ کہ اُن کے پیادے بھی رعیت کی جان و مال پر مالکانہ تصرف رکھتے ہیں اور خزانہ سے مختلف عنوانوں کے ساتھ تغلب کرتے رہتے ہیں جہاں قانون کا دورہ ہے وہاں بھی ہنوز انسانی فطرت ایسی مغلوب نہیں ہوئی کہ انصاف کی پوری اطاعت کرے انمیں سے بھی جو لوگ اختیارات پر قابض ہوتے ہیں وہ چند افراد ہوں یا کوئی بھاری مجلس چونکہ ملک میں انکا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا وہ اپنی اجرت اپنے اختیار سے مقرر کرتے ہیں چنانچہ یہی مقابلہ سے آزاد ہونے کی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں اکثر بڑے کارندوں کی تنخواہوں میں باہم بہت تفاوت ہے متعدد حکومتوں کے صدر اور وزرائے اعظم یعنے سب سے اعلیٰ کارکنوں کی تنخواہوں کا باہمی موازنہ یہ ہے:۔

وزیر اعظم جاپان	۱۶۵۰۰	روپیہ سالانہ
صدر جمہوریہ امریکہ	۴۱۲۵۰	" "
وزیر اعظم انگلستان	۷۶۵۰۰	" "
صدر جمہوریہ جرمنی	۹۷۵۰۰	" "
صدر جمہوریہ فرانس	۱۰۰۰۰۰	" "
گورنر جنرل ہندوستان	۲۵۶۰۰۰	" "

سب کا ہندوستانی سکہ سے حساب لگایا گیا ہے کہ مقابلہ آسان ہو۔

اور جب یہ لوگ جو تمام اختیارات کا سرچشمہ ہیں اپنے لئے ایسی تنخواہ مقرر کر لیتے ہیں جو طبیعت کو سیر کر دے تو اپنے ماتحتوں کی طرف نظر دوڑاتے ہیں اور جب وہ اپنے لئے سب سے پہلے اجرت کا بلند نرخ قائم کر لیتے ہیں تو اسی تناسب سے بتدریج اپنے ماتحتوں کو حصہ دیتے ہوئے دفتر کے ادنیٰ محرروں اور پیادوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسیطرح وہ اپنی ذات کیلئے وقت کا قاعدہ بناتے ہوئے نیچے اترتے ہیں تو وہی تناسب ملحوظ رکھکر سب کیلئے کام کا رخصت کا اور تعطیل کا وقت مقرر کر دیتے ہیں اس ترکیب سے ملازمین سرکار کے ہر درجہ میں آمدنی اور وقت کی تقسیم ایسی ہو جاتی ہے کہ دنیا کے کسی کاروبار کے اندر ادنیٰ کام کرنیوالے کو فرقہ ملازمین کے ادنیٰ فرد سے اور اعلیٰ کام کرنے والے کو فرقہ ملازمین کے اعلیٰ فرد سے آمدنی کے لحاظ سے۔ فرصت کے لحاظ سے اور عزت کے لحاظ سے کوئی نسبت نہیں دو بھائی ناخواندہ اور جاہل ہوں۔ ان میں سے ایک پولیس کا کانسٹبل ہو جائے۔ دوسرا عمارت کے کام میں ٹوکری اٹھانے لگے تو کانسٹبل ماہوار تنخواہ پائیگا۔ ڈیوٹی ادا کرنے کے بعد آرام کریگا کبھی رعایتی رخصت بھی لے سکیگا اور اکڑ کر چلیگا۔ سب دفعدار جی کہکر سلام کرینگے۔ ٹوکری اٹھانے والا ہمیشہ کام کا موقع نہ پائیگا۔ دن بھر کام سے علیحدہ نہ ہوگا۔ ایک یا چند روز کے لئے کام چھوڑنا چاہے تو اجرت سے محروم رہیگا اور سب کی طرف سے حقارت کا برتاؤ دیکھیگا اسی طرح دو تعلیم یافتہ بھائیوں میں ایک کسی دفتر کا محرر اور دوسرا کسی ساہوکار کا نائب ہو جائے تو ان کی آمدنی فرصت اور عزت میں بھی یہی تفاوت ہوگا۔ ایسے تجارتی کارخانوں کے منتظم جنکی ایجنسیاں تمام دنیا میں ہوں بیشک بڑی تنخواہیں لیتے ہیں مگر گورنر جو ایک صوبے پر حکومت کرتا ہے اس سے زیادہ تنخواہ پاتا ہے۔ کام کے اندر مدد دینے کیلئے اس سے زیادہ مددگار اور سیکرٹری رکھتا ہے اور تکبر کا سر آسمان تک پہنچاتا ہے *

مصارف کی بیجا کثرت

یہ بلا تمام دنیا پر حکومت کی ہر شکل میں مسلط ہے اور ہر درجہ کے ملازمین سرکار اسی درجہ کے اور اسی قابلیت کے دیگر پیشہ وروں سے اجرت زیادہ پاتے ہیں محنت کم کرتے ہیں اور شان زیادہ دکھاتے ہیں یہی سبب ہے کہ ہر ملک کے اندر ہر قسم کا کام کرنے والا اپنی جیسی قابلیت کے ملازم سرکار کو حسرت کی نظر سے

دیکھتا ہے اور نوکری کرنے کا آرزومند رہتا ہے۔ فرینچ مصنف ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں:۔

> ''حکومت ان سند یافتہ لوگوں کو جو تیار کرتی ہے ان میں سے کام کے لوگوں کو چھانٹ لیتی ہے اور باقی افراد کو چھوڑ دیتی ہے۔ اب یہ سند یافتہ جماعت اپنے روزگار کی تلاش میں گورنمنٹ کے تمام عہدوں پہ معمولی کلرک کے عہدہ سے لیکر ماسٹری اور پروفیسری تک ایک دم ٹوٹ پڑتے ہیں اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ایک تاجر نو آبادیوں میں اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک منیجر ڈھونڈتا ہے اور نہیں ملتا حالانکہ ہزاروں آدمی گورنمنٹ کے ادنیٰ سے ادنیٰ عہدہ کے حاصل کرنے کی فکریں لگے رہتے ہیں'' (روح الاجتماع مترجمہ محمد یوسف انصاری لکھنوی)

یہ اُن ممالک کا حال ہے جن میں نوکری کے علاوہ اور بے شمار کاروبار کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور جن کی صنعت و تجارت کا تمام دنیا پر قبضہ ہے۔ تو جو ملک تہذیب کی اس بلندی تک نہیں پہنچے اور ہر کام میں اغیار کے دست نگر ہیں انکے تمام افراد کا نوکری کی طرف دوڑنا کیا بعید ہے جبکہ ہر جگہ سرکاری ملازمین کام اور معاوضہ کے تناسب میں اسی قابلیت کے پیشہ وروں سے فائق ہیں۔ موجودہ اقتصادی پریشانی کے اندر ملازموں کی تنخواہ سے سو فیصدی کم ہوا ہے تو وہ ملازم بھی چلا اُٹھے ہیں جو بالائی آمدنی کی وجہ سے تنخواہ کی پرواہ نہیں رکھتے حالانکہ اور پیشہ وروں میں بعض کی آمد نصف کے قریب رہ گئی ہے اور بعض بالکل تباہ ہو گئے ہیں پس یہ کارکنان حکومت کی فضول خرچی عیش پسندی آرام طلبی اور جاہ و جلال کے اُن بیش قیمت لوازم کا نتیجہ ہے جن کے بغیر سمجھ لیا گیا ہے کہ حکومت کا کام چل نہیں سکتا۔

خیالات کی اس رفتار نے حکومتوں کے مصارف زیادہ کر دئیے ہیں۔

اگر کارکنان حکومت دیگر پیشہ وروں کے برابر وقت دیں اور انکے برابر اجرت لیں تو کثرت مصارف کا جو واویلا کیا جاتا ہے۔ اسکی حقیقت کھلجائے۔

اسلامی حکومت کے مصارف

اسلامی حکومت جب اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئی تھی تو انکا خلیفہ ایک سپاہی کے برابر اجرت لیتا تھا۔ اور

کپڑوں میں پیوند لگا کر دربار منعقد کرتا تھا اور حکومت کا کام اس خوبصورتی سے چلتا تھا جس کی نظیر کسی سلطنت میں دیکھی نہیں گئی۔ اسلامی دنیا شاہی حکومت کی طرف متوجہ ہوئی جب بھی اسکے کئی فرمانروا ایسے گذرے ہیں جو کتابت قرآن کی اجرت سے بسر اوقات کرتے تھے اور خزانۂ حکومت سے ایک حبہ نہ لیتے تھے۔ انسان اکثر اپنے سے بالاتر مثال کی پیروی کرتا ہے۔ بادشاہ اور خلیفۂ وقت یہ حیثیت رکھتا ہو تو عمال اور کارکن بیجا ستانی کی ہوس کب کر سکتے ہیں اور مصارف کی یہ کثرت کب ہو سکتی ہے کہ مظلوموں اور فریادیوں کے کپڑے اتارنے کی نوبت آئے اور جو چیز ظالموں سے لیکر مظلوموں کو دلوانی چاہیے اس پر حکومت خود قابض ہو۔

صرفے کو مارنا

قوم سے لیکر قوم پر خرچ کرنے کا اصول اگرچہ صحیح ہو مگر یہاں اس سے کاربرآری نہیں ہوتی۔ قوم میں سے لینے کیلئے ایسے لوگوں کو انتخاب کرنا جن کا حق پہلے ہی کسی اور نے دبا لیا ہے یا جن کو کسی نے جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہو اور سمجھنا کہ وہ اپنی مصیبت سے مجبور ہو کر دینے پر رضامند ہو جائینگے نہایت پست اور کمینہ جذبہ ہے۔ ڈاکو اور چور بھی بعض اوقات پیغام بھیجتے ہیں کہ اس قدر رقم فلاں مقام پر پہنچا دو۔ ورنہ جان سے محروم رہو گے ان میں اور اس حکومت میں کیا فرق ہے جو کہتی ہے کہ ہماری رسوم ادا کرو ورنہ اپنے حق سے محروم رہو گے اور جو شخص چوری قتل یا ضرب شدید کا مجرم ہے اس کے مال سے مستغیث کو ہرجانہ دلوانے کی بجائے جرمانہ اور اس کی محنت کا معاوضہ خود وصول کرنا اور ایک چور کے ہاتھ سے دوسرے چور کا مال چھین کر بھاگ جانا کیا تفاوت رکھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے ایک دفعہ مذاق میں چیف کورٹ کو چیف کورٹ کہا تھا اور خوب کہا تھا۔

حق رسی اور حسرت

قوم کی واقعی ضرورتوں کے لئے (نہ کر اپنا حاکمانہ جلال ظاہر کرنے اور عیش اڑانے کے لئے) وسائل مہیا کرنے کی صحیح شکل یہ ہے کہ صاحب حیثیت اور خوشحال لوگوں کی کسی آمدنی پر انکے مشورہ اور اجازت سے ٹیکس لگایا جائے۔ اس کے سوا حق وانصاف کے روسے اور شریعت اسلامیہ کے نقطۂ خیال سے اور کوئی شکل نہیں مصیبت زدہ لوگ اس پر دل سے ہرگز رضامند نہیں ہیں کہ دیوانی معاملات کے اندر اپنی شکایت کو دور کرنے کے لئے وہ اپنی نصف شکایت حکومت کے

حق میں دست بردار ہو جائیں اور فوجداری کے اندر ہرجانہ کی تمام رقم حکومت وصول کرے تو اپنے ہرج کو بھول جائیں۔ رعایا کی سچی حالت دریافت کرو۔ اہل مقدمہ کے دل کی آواز سنو۔ کچہری میں آمد و رفت کرنے والوں میں سے صرف ان لوگوں کو خوش پاؤ گے جو بھولے بھالے زمیندار سے سو دیکر دو سو لکھواتے ہیں ایک عرصہ تک اس کی پیداوار سے کچی اور پکی جنس وصول کرتے رہتے ہیں اور قرض پر سود در سود چڑھا کر پانسو بنا لیتے ہیں علانیہ ایسی کارروائی نہیں کر سکتے تو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد تمسک بدلوا لیتے ہیں اور سود کی رقم اصل قرضہ میں درج کر لیتے ہیں۔ دعوے کے بعد چار سو کی ڈگری لیکر اجرا اور قرقی کے ظاہر اور مخفی مصارف ادا کرنے کے بعد دو سو وصول کرتے ہیں اور فائدہ میں رہتے ہیں۔ باقی کوئی ایک بھی نہیں ہے جو عدالت سے اپنا پورا حق لے کر واپس ہو یا نقصان کا ہرجانہ پائے۔ حکمران طبقہ دانا ہے۔ اہل بصیرت ہے۔ قانونی نکات کے اندر بال کی کھال اتارتا ہے کیا واقع میں انکو یقین ہے کہ وہ مستغیث شکر گذار ہوگا جس کو سنایا گیا ہے کہ "عدالت کو ثابت ہوا ملزم نے لاٹھی مار کر تمہارا بازو توڑ دیا اور زیور کا صندوقچہ لے گیا۔ جاؤ تمہارا انصاف ہو گیا۔ ہم نے اس پر جرمانہ کیا اور وصول کر لیا وہ قید رہیگا اور سرکار کی خدمت کریگا"۔ اور کیا وہ مدعی خوش ہوگا جسے کہا جاتا ہے کہ "عدالت کی رائے میں ثبوت مکمل ہے۔ جس زمین پر تمہارا حق ہے جاؤ قبضہ کرو اور اس کا نصف حصہ بیچکر وہ قرضہ ادا کر دو جو سرکاری سٹیمپ اور رسوم وغیرہ پر خرچ کر چکے ہو۔

بڑے جرائم

اب ہم اسلامی قانون کو دیکھتے ہیں اور اس کا اصول دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلام نے بڑی سزا کے لائق قتل۔ چوری اور زنا کو تصور کیا ہے۔ زنا اس فطری جذبہ سے سرزد ہوتا ہے جو ہر شخص میں موجود ہے اور جس تخم سے یہ زہریلا درخت پھوٹتا ہے وہ قدرت نے ہر زن و مرد کے اندر ودیعت کیا ہے اور جوش جوانی کے اندر مناسب موقع ملنے پر اکثر افراد اس سے باز نہیں رہ سکتے اور عادت پڑ جائے تو جوانی کے ڈھل جانے پر بھی نہیں چھوٹتی اور ایک سے دوسرے کو ترغیب ہوتی ہے۔ چوری کا ارتکاب بھی مال کی اس فطری خواہش اور ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے جو

ہر شخص میں موجود ہے مگر ہر خطہ میں اور ہر زمانے میں لاکھوں افراد ایسے پائے جاتے ہیں جو باوجود موقع پانے کے اور باوجود حاجتمند ہونے کے غیر کے مال کو دیکھتے بھی نہیں اور اُن کے ہاتھ میں ہو جب بھی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ البتہ بعض طبیعتیں ہوس کے غلبہ سے اور بعض ضرورت سے لاچار ہو کر اس فعل کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں تو عادت پختہ ہو جاتی ہے۔

قتل کی نوعیت

قتل کا جرم کسی فطری جذبہ سے خاص تعلق نہیں رکھتا وہ ایسے اسباب سے پیدا ہوتا ہے جو کبھی کبھی جمع ہوتے ہیں۔ دیرینہ عداوت ہو اور فریقین کی نیش زنی اور ایذا رسانی سے تازہ ہوتی رہے اور ایک فریق میں معمول سے زیادہ قوت عزم اور ارادہ میں پختگی ہو تو وہ برانگیختہ ہو کر قتل پر آمادہ ہو جاتا ہے اور جب موقع پاتا ہے ارتکاب کرتا ہے۔ کبھی فریقین میں جھگڑا شروع ہوتا ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کے کسی شرمناک فعل یا خطرناک عیب کا اظہار کرتا ہے یا اس کے عزت و ناموس پر الزام لگاتا ہے تو اسے غصہ آتا ہے اور حملہ آور ہو کر قتل کر دیتا ہے۔ کبھی کسی وجہ سے مارپیٹ شروع ہوتی ہے اور اتفاقاً قتل واقع ہو جاتا ہے۔ کبھی چور یا ڈاکو مال لینے کی نیت رکھتا ہے مالک مقابلہ کرتا ہے اور قتل ہو جاتا ہے یا قتل کر دیتا ہے۔ کبھی آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ کسی کو کسی نازیبا حرکت کا مرتکب دیکھتا ہے اور اشتعال میں آکر قتل کر دیتا ہے۔ ان سب صورتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اشتعال کا لفظ صرف آخری صورت میں استعمال ہوا ہے۔ مگر حقیقت میں قتل کا ارتکاب ہمیشہ ہی اضطراری حالت میں ہوتا ہے جو عداوت کے جاری رہنے سے پیدا ہو یا کسی فوری وجہ سے پس قتل کا باعث ہر حالت میں یا اشتعال ہے یا غلطی۔ نہ زنا کی طرح اس میں لذت ہے نہ چوری کی طرح فائدہ اس لئے ایک دفعہ ارتکاب کرنے کے بعد عام حالات میں آئندہ کیلئے رغبت نہیں ہوتی اور قتل کے بعد قتل کی عادت نہیں پڑتی پس قتل سوسائٹی کے جسم کا ایک مرض ضرور ہے مگر لاعلاج نہیں۔ اور بہت قاتل پائے گئے ہیں جن سے اس کا ارتکاب ہو چکا اور کسی طرح سزائے قتل سے بچ گئے ہیں تو نہایت اچھے شہری اور بنی نوع کے ہمدرد ثابت ہوئے ہیں۔ البتہ اگر ڈاکو اور چور کو قتل کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اس فعل سے مال لینے میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے اس کا چسکا پڑ جاتا ہے اور آئندہ دلیر ہو کر بعض دفعہ بیباک

خونریز اور سفاک بنجاتا ہے۔ اس حالت میں یہ مرض لاعلاج ہے۔ اور چونکہ قتل کو دیکھکر دوسروں کو اس فعل سے نفرت ہوتی ہے ترغیب نہیں ہوتی اسلئے گویا یہ مرض متعدی اور وبائی بھی نہیں ہے +

قتل اور اس کا نتیجہ عداوت

مگر قتل کا ایک نتیجہ نہایت خطرناک ہے وہ یہ کہ مقتول کا کنبہ اگر بے باکی اور جرأت کا حصہ رکھتا ہے تو مقتول کے وارثوں میں قاتل کو یا اس کے خاندان میں سے کسی کو قتل کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور موقع ملجائے اور ایک خون کے بعد دوسرا خون ہو جائے تو دونو خاندانوں میں عداوت مستقل ہو جاتی ہے اور ہر فریق دوسرے کی جان لینے پر آمادہ رہتا ہے۔ بلکہ اگر مقتول کے وارثوں نے قاتل کو سزا دلوانے میں پوری کوشش کی ہو اور وہ حاکم کے حکم سے موت کی سزا پائے۔ جب بھی اکثر اس کے وارث انتقامی جذبہ محسوس کرتے ہیں اور دونو خاندان باہم دشمن اور ایک دوسرے کے درپے آزار ہو جاتے ہیں اور قتل کا موقع نہ ہو جب بھی باہم مارپیٹ کرتے۔ ایک دوسرے کے کھیت اُجاڑتے اور زمینوں پر قبضہ کرنے کے واقعات اور اُن کے متعلق دیوانی اور فوجداری مقدمات کا سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے۔ اور جن ملکوں میں طبیعتیں دلیر ہوں اسلحہ سے کام لینے کی آزادی ہو وہاں اکثر ایک قتل کے بعد قتل و غارت کا سلسلہ دور تک پھیل جاتا ہے یلکم اپنی تاریخ ایران میں ایک واقعہ لکھتا ہے جس میں رشتی خاندان کے ایک شخص کو قتل کیا گیا تو اُس خاندان نے اور قاتل کے وارثوں نے خونریزی کو دیر تک جاری رکھا اور مختلف اوقات میں فریقین کے متعدد افراد بچے اور جوان قتل ہوئے۔ عرب میں بارہا ایک واردات قتل سے آتش جنگ مشتعل ہوئی ہے تو دونو قبیلے سالہا سال تک اجتماعی حالت میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے اور قتل و غارت کرتے رہے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کُلیب نامی ایک شخص قتل ہوا اور اس فتنہ سے قبیلہ بنی بکر اور بنی تغلب برافروختہ ہوئے تو باہم پچاس سال تک جنگ کرتے رہے۔ ستر ہزار نفوس قتل ہوئے۔ ان حالات میں یہ مرض متعدی ہے اور اس اثر کو روکنے کی سخت ضرورت ہے

قتل کی قسمیں

قانون اسلام نے قتل کی چھ شکلیں قرار دی ہیں۔ قتل عمد۔ قتل شبہ عمد۔

قتل خطائی القصد۔ قتل خطائی الفعل۔ قتل قائم مقام خطا اور قتل بالسبب۔ دشمن کسی کی جان پر حملہ آور ہو اور اپنے تئیں بچانے کی غرض سے اس کو قتل کر دیا جائے۔ چور یا ڈاکو مال پر حملہ آور ہوا اور مدافعت کے اندر قتل ہو جائے۔ ڈاکو مال کیلئے حملہ کرے اور قتل کر دے بلوئے اور فساد کے اندر قتل کے واقعات پیش آئیں۔ اہل خانہ سے نامحرم کا اختلاط دیکھکر اُسے قتل کر دیں۔ اس قسم کی وارداتوں کا ذکر جدا ہے۔ ڈاکو جو پہلے قتل کرتا ہے اور پھر مال لیتا ہے اس کا جرم حد کا مستوجب ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ قتل کو شکل کے لحاظ سے جو چھ قسموں[ع] میں منقسم کیا گیا ہے۔ ان میں سے قتل عمد کے اندر جس کا تعلق جان مال اور ناموس کی حفاظت سے نہ ہو سزائے موت دیجاتی ہے مسلمان نامسلمان کو۔ آزاد غلام کو۔ مرد عورت کو۔ تندرست بیمار کو اور جماعت ایک کو قتل کرے ہر حالت میں سزا قتل ہی۔ عمر کی تمیز نہیں۔ رنگ و نسل کی تمیز نہیں یہی قانون مروج کا اصول ہے باقی شکلوں میں مختلف مقدار کے اندر مقتول کے وارثوں کو تاوان دلوایا جاتا ہے۔ قانون مروج جرمانہ اور قید کرتا ہے مقتول کے وارثوں کی اشک شوئی اور ان کی امداد کے لحاظ سے قانون کا یہ رویہ شریعت کے مقابلہ میں ہرگز قابل التفات نہیں۔ جن لوگوں کا سرپرست یا عزیز قتل کیا گیا ہے ان کی کم سے کم دل دہی ہے جو مال کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ اسکی بجائے حکومت کا مجرم کو قید کرنا اور اس سے جرمانہ لینا انکو کوئی تسکین نہیں دے سکتا صرف دشمن کو سزا دلوانے کی خوشی ہوتی ہے اور وہی سزا دلوانے کی خوشی مع اضافہ کے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر تاوان دلوانے مجرم کی تنبیہہ اور لوگوں کو عبرت جرمانے سے ہو سکتی ہے تو تاوان سے بھی ہو سکتی ہے +

برادری کی ذمہ داری اس زمانہ میں چونکہ نظام تمام بدل گیا ہے۔ تاوان وصول کرنے

[ع] قتل عمد وہ ہے جس میں آلہ قاتلہ سے قتل کیا جائے مثلاً تلوار یا بندوق سے یا ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو آلہ قاتلہ جیسی ہو جیسے نکیلی لکڑی یا نکیلا پتھر یا آگ قتل شبہ عمد وہ ہے جس میں ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو آلہ جارحہ یا قائم مقام آلہ جارحہ نہیں ہے۔ قتل خطائی القصد جیسے آدمی کو شکار سمجھکر مار دیا جائے۔ قتل خطائی الفعل جیسے شکار پر تیر چلائے اور انسان کو لگے۔ قتل قائم المقام خطا جیسے نیند کی حالت میں کروٹ بدل کر کسی انسان پر گرے۔ اور وہ مر جائے۔ قتل بالسبب جیسے غیر کی ملکیت میں کنواں کھودے اور کوئی اس میں گر کر مر جائے۔

کی صورت بھی وہ نہیں ہی قتل کا تاوان جس کو دیت کہتے ہیں قاتل کی برادری سے لیا جاتا ہے۔ اُس زمانے میں آبادی قبائل کے اندر منقسم تھی اور ہر شخص کا قبیلہ برادری تصور ہوتا تھا۔ جہاں وہ انتظام نہیں ہے وہاں بھی لوگ پیشہ اور حرفت کے لحاظ سے جماعتوں میں منقسم ہیں اور ایک کام کرنے والی جماعت اپنے ہم پیشہ کے حالات سے ایسی واقف رہ سکتی ہے کہ حکومت کو ایسا باخبر ہونا دشوار ہے اور اپنی سوسائٹی اور جماعت کے ساتھ شریک رہنے کی۔ رسم و رواج فیشن اور طریق اور نشست و برخاست میں اُنکا اتباع کرنے کی جسقدر پابندی انسان پر عائد ہوتی ہے۔ اس کی زنجیر کو توڑنا اور سوسائٹی کو اپنے حالات سے بے خبر رکھنا آج بھی انسان کے لئے آسان نہیں ہے۔ جرائم کا تاوان ان سب کو اسی لئے دینا پڑتا ہے کہ اُنہوں نے اُس کے حالات سے تغافل کیا اور ایک وقت میں ایک قاتل کے لئے سب اپنا اپنا حصہ دیتے ہیں تو دوسرے وقت میں کسی اور کے لئے اس قاتل کو بھی شریک ہونا پڑتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ہر شخص کے لئے اپنے حصہ کا بار برداشت کرنے کی فکر رہتی ہے اور سب ایک دوسرے کی حرکات سے باخبر رہتے ہیں اور کوئی اندیشہ پیدا ہو تو اس سے ملزم کو باز رکھتے ہیں وہی خدمت بجا لاتے ہیں جو آجکل مشتبہ اور ناقض امن اشخاص کی ضمانت طلب کرنے سے متصور ہوتا ہے ضامن اپنے روپیہ کی فکر رکھتا ہے اور بطور ایک پہرہ دار کے ضمانت پر رہا ہونیوالے کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ ضمانت میں تمام ذمہ داری ایک شخص اپنے سر پر لیتا ہے۔ تاوان ادا کرنے کی ذمہ داری ایک بھاری جماعت پر ڈالی جاتی ہے تو اس کا ہر فرد ہر فرد کا ضامن ہو جاتا ہے اور ان کو جس پر بدگمانی ہو اس کی کسی حرکت سے بیخبر نہیں رہ سکتے۔ آجکل چونکہ ایسا قانون مروج نہیں ہے اور کوئی شخص دوسرے شخص کے قول و فعل سے واسطہ نہیں رکھتا۔ اس لئے کوئی واردات ہو تو ملزم کی تلاش میں دشواری پیش آتی ہے۔ مگر اب بھی پولیس کیلئے تفتیش کا آسان طریق یہی ہے کہ مستغیث کے گھر والوں سے نوکروں سے ہمسایوں سے اور خود مستغیث سے اس کے پاس آنے جانے والوں کا تعلق داروں کا اور کاروبار میں شریک رہنے والوں کا پتہ لگاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے جس جس فعل و حرکت

کا ذکر سنتے ہیں اس سے سراغ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ورنہ جب تک کسی کے ہم مشرب لوگوں سے سنکر کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا کسی کے گھر کی "تلاشی" لینے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے۔ مہذب ممالک میں ایسے موقع پر خفیہ پولیس کے اہلکار بہت عرصہ تک اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر مشتبہ اشخاص کا تعاقب کرنے اور ان کی ہر ایک حرکت سے بات کا پتہ لگاتے ہیں۔ جہاں آئین کے ساتھ بے آئینی کی آمیزش ہے وہاں پولیس لوگونکو شبہ میں پکڑ کر ہزاروں طرح کا جبر کرتی ہے تکلیف دیتی ہے اور ایسی جان پر بناتی ہے کہ بےقصور بھی قصور کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انکو اندھیرے میں کام کرنا پڑتا ہے اور معلومات کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔ سوسائٹی کی روشنی پیدا کریں ہمدردی کا انتظام اور ان کی ذمہ داری کا قانون جاری ہو تو ہر شخص اپنے فرض کو خود اپنی غرض کے لئے محسوس کرے اور تفتیش میں کوئی دقت نہ ہو۔ بلکہ بہت سے جرائم کا ارتکاب پہلے پتہ لگ جائے اور جن پر بلا آنے والی ہے وہ مطلع ہو کر بذات خود یا حکومت سے مدد لیکر حفاظت کا انتظام کریں اور مجرم کو وقت سے پہلے روک سکیں۔ اور دوسری جانب دیکھیں تو سوسائٹی میں جو ذلت ایک قیدی قید بھگتنے کی وجہ سے محسوس کرتا ہے تاوان کی سزا پانے والا اس سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ قیدی کسی کا زیر بار احسان نہیں ہے مگر تاوان کا سزایاب سب کا مرہون منت ہے۔ جاہل اسے وقتاً فوقتاً طعنہ دیتے رہتے ہیں۔ شرفا اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں محفل میں اسے عزت کی جگہ نہیں دیتے کسی مشورہ میں شریک نہیں کرتے۔ قید بھگتنے والا اکثر اوقات پھر کسی جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے مگر برابر والونکا احسان اٹھاکر انسے ایسا برتاؤ دیکھنے والا آئندہ جرم کے خیال سے کانپتا رہے

مورث کا قتل اور اسکی رکاوٹ

بعض اوقات کسی شخص کا وارث اپنے مالدار مورث کو اس کا مال حاصل کرنے کے لئے قتل کرتا ہے۔ اگر وہ قتل کی ایسی صورت تجویز کرے جس میں قصاص نہ ہو اور تاوان دیکر رہائی ہو سکے تو شرعاً اسکی ایک پیش بندی یہ کی گئی ہے کہ قاتل مقتول کے ترکہ سے حصہ نہیں پاتا۔ دوسری بندش یہ ہوتی کہ اس کو خود تاوان دینا پڑتا اور ترکہ کا حصہ اگر بھی بنتا تو مال متروکہ میں سے تاوان کا ادا کرنا

اسے آسان ہوتا۔ مگر تاوان کا بار چونکہ برادری پر ڈالا جاتا ہے وہ لوگ اپنے نقصان کے خوف سے اس کے ناپاک ارادے میں کامیاب ہونے کا آلہ نہیں بن سکتے اور اس کی نیت کا پتہ لگا کر راز کو افشا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض برادری جس کو عرب میں عاقلہ کہتے ہیں اور جس کے معنے ہیں روکنے والی اس کا انتظام اور اس کی شرعی ذمہ داری اکثر جرائم کو پیش از وقت روک سکتی ہے واردات کے بعد تفتیش میں سہولت پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے اور سزا کو مؤثر بنانے کی قابلیت قید وبند سے زیادہ رکھتی ہے۔

تاوان کی صورت اور اسکی حقیقت

مگر یہ ضرور ہے کہ زمانہ کے اقتضا سے اب اس انتظام کا فائدہ کم رہ گیا ہے۔ دنیا میں نقل وحرکت کے وسائل کثیر ہو گئے ہیں اور کئی طرح کے جرائم کا ارتکاب مسافروں کے ہاتھ سے ہوتا ہے جو ممالک غیر کے باشندے ہیں اور موقع واردات پر ان کے حال سے کوئی واقف نہیں ہے اور اکثر اشخاص ملازمت یا کسی اور کام کی وجہ سے وطن سے باہر رہتے ہیں اور دیر تک کسی ایک مقام پر قیام نہیں کر سکتے۔ پس جہاں جہاں یہ مشکل ہو کہ کسی کے پیشہ اور منصب کو دیکھ کر اس کی سوسائٹی اور رفیقان کار معین نہ ہو سکیں یا جو لوگ جہاز اور ریلوے ٹرین کے ملازموں کی طرح ہمیشہ سفر میں رہتے ہوں اور ان کے ہم پیشہ اشخاص ان کی حرکات وسکنات سے باخبر نہ رہ سکتے ہوں۔ ایسی صورتوں میں بھی یہ ممکن نہیں کہ تاوان سے جو امداد ورثائے مقتول کو مل سکتی ہے اس سے اعراض کیا جائے۔ مجرم کے مال اور جائداد سے جرمانہ کی صورت میں اور اسکی محنت ومشقت سے قید کی صورت میں جو فائدہ حکومت کو حاصل ہوتا ہے وہ زر تاوان کے برابر نہ ہو جب بھی اہل استغاثہ کا حق ہے۔ اکثر صورتوں میں تاوان کا بار مجرم پر بھی ڈالا جاتا ہے اور قرآن کریم میں دیت کا ذکر ہے برادری کا ذکر نہیں۔ برادری پر یہ بار فرمان رسول علیہ السلام سے ڈالا گیا ہے اور سراپا حکمت ہے لیکن غرض اہل استغاثہ کے لئے کشائش پیدا کرنے سے ہے۔ دیۃ کا لفظ جس مادہ سے مشتق ہے اسی مادہ سے ایک لفظ وادی ہے جو دو پہاڑوں کی درمیانی کشادگی کو کہتے ہیں پس جہاں برادری کا انتظام نہ ہو وہاں کشائش پیدا کرنے کا فریضہ ملزم کے مال اور اُس کی ذات پر عائد ہوگا۔

حکومت اپنی نگرانی میں مجرم کو اس کام یا ہنر پر لگائے جو وہ کر سکتا ہے۔ اپنے لئے مختصر حق الخدمت بھی لے۔ مجرم کی صحیح ضرورتوں کا خیال بھی رکھے اور جو پس انداز ہو سکے جس عرصہ تک مناسب ہو ورثائے مقتول کو دلوایا جائے۔ مختلف ممالک کے اندر قید خانوں کا اور جرائم پیشہ آبادیوں کا اہتمام اب بھی ہے۔ اسی سررشتہ کو خود غرضی کی بدنیتی سے پاک کر دیا جائے تو نگران عملہ مقرر کرنے کے باوجود بھی نہ کسی حد تک ان مصیبت زدگان کی امداد ہو سکتی ہے جن کو ان بدمعاشوں نے ستایا ہو۔ کہتے ہیں قانون کا منشا مجرموں سے انتقام لینے کا نہیں وہ اپنی دماغی ساخت کی وجہ سے جرم کرنے میں مجبور ہیں محض ان کی تنبیہہ اور عبرت کے لئے سزا دیتے ہیں۔ بات معقول ہے مگر کاش طرز عمل بھی اسے ثابت کر سکتا حکومت اپنے نہیں جرمانہ اور خدمت کا حقدار اسی لئے سمجھتی ہے کہ مجرم نے قانون کا احترام ملحوظ نہیں رکھا اور حکومت کے اعزاز پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ اس سے حکومت کا کوئی مالی نقصان نہیں ہوا۔ ایک خیالی حرج کے عوض میں مجرم کے بڑے حصہ عمر کے تمام فوائد پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کو جذبۂ انتقام کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ مجرم کے مال اور اس کے کسب سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتے جن کو ایسے دماغی مرض والوں نے نقصان پہنچایا ہے تو کہہ سکتے تھے کہ بے شک انتقام نہیں لیا۔ خرید و فروخت کی قسم کا ایک سودا کیا ہے اور اس میں بھی خریدار سے پوری قیمت وصول نہیں کی۔

سزائے قتل پر اعتراض

قتل عمد کی سزا ہمیشہ سے آجتک قتل کی شکل میں دیتے آئے ہیں اور طبائع کا میلان اب تک اسی طرف رہا ہے کہ جو جرم قاتل سے سرزد ہوا ہے اور جو بدی کا دروازہ اس نے کھولا ہے اس کا تدارک سوا اس کی جان لینے کے نہیں ہو سکتا۔ مگر زمانہ حال میں خیالات ہر طرف دوڑنے لگے ہیں تو یہ صدا بھی فضا میں پیدا ہوئی ہے کہ کسی شخص کے نیک اطوار سے خوشنود ہو کر اس کی زندگی کو معمول سے زیادہ بڑھا دینا سوسائٹی کے اختیار میں نہیں تو کسی کے فعل شنیع سے ناراض ہو کر اس کی زیست کو وقت سے پہلے برباد کرنے کا اختیار سوسائٹی کو کیوں دیا جائے۔ دوسرے احباب کی سنجیدہ محفلوں میں یہ چرچے بھی سنتے ہیں کہ قاتل ایک شخص کی جان

لیتا ہے اور اس کے خورد سال بچوں اور بیکس رشتہ داروں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ حکومت مدعی بنکر قاتل کی جان لیتی ہے اور اس کے کنبہ کو تباہ کرتی ہے مصیبت دوچند ہو جاتی ہے اور سوسائٹی کی حالت زیادہ بگڑتی ہے۔ حالانکہ حکومت کا فرض سوسائٹی کی حالت کو درست کرنا ہے اور بہتری کی طرف لے جانا پس یہ سزا اپنی فطرت میں فرائض ملکداری کے خلاف ہے +

حبس دوام کی قباحت

ایسے خیالات سے متاثر ہو کر سنا جاتا ہے کہ بعض مہذب حکومتوں میں سزائے موت موقوف کر دی گئی ہے ہندوستان میں بھی کئی جگہ سزائے موت کی بجائے دائمی قید کا عملدرآمد ہے۔ مگر اس سے عیال کی تباہی کا کوئی تدارک نہیں ہوتا بلکہ اسی خود غرضی کا مظاہرہ ہوتا ہے جو تمام دیگر جرائم میں معمول ہے کہ قید میں مجرم کی محنت سے حکومت فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور دوسرے عمر قید میں اگرچہ انسان کو زیست سے محروم نہیں کیا جاتا مگر زیست کے ہرگونہ لطف سے محروم ہو جاتا ہے اور سوسائٹی کے لئے مردہ کے برابر ہوتا ہے اور وہی اعتراض قائم رہتا ہے کہ سوسائٹی کسی کو دائمی مسرت نہیں دے سکتی تو دائمی تکلیف میں رکھنے کا اختیار اسے کیوں ہو۔ اور غور سے دیکھا جائے تو حبس دوام کی سزا موت سے بدتر ثابت ہوتی ہے اور مجرم اس حالت میں موت کا آرزومند رہتا ہے۔ کیونکہ مرنے والا اس دنیا کی راحت و رنج سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اس غریب کو کام سب کرنے پڑتے ہیں اور ان کے ثمرہ سے محروم رہتا ہے دل کی کوئی تمنا اپنے اختیار سے پوری نہیں کر سکتا۔ اپنی ہر خواہش کو دباتا ہے۔ ہر جذبہ کا خون کرتا ہے۔ دوستوں کے فراق میں تڑپتا ہے۔ زن و فرزند کے دیدار کو ترستا ہے۔ وہ روئے کوئی تسلی نہیں دیتا۔ وہ بیمار ہو کوئی ہمدردی نہیں کرتا۔ ہر طرف یاس ہے ہر طرح ناکامی ہے۔ وہ یہاں کانٹوں پر لوٹتا ہے اس کے عزیز وہاں اس کی شبا روزی تکلیف سے بیتاب رہتے ہیں موت اس حالت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ یہ سزا مجرم کے ساتھ مجرم کے عزیزوں کو بھی بے قرار رکھتی ہے۔ گویا سب کے لئے حبس دوام ہے +

چہاردہ سالہ قید کی قباحت

بعض اقوام نے حبس دوام کو چودہ سال میں محدود کردیا ہے

یہ میعاد گذر جائے تو چھوڑ دیتے ہیں یہ بے شک رعایت اور نرمی ہے مگر جس قدر نرمی ہے اسی قدر عبرت پیدا کرنے میں کمزوری ہے قتل کا مجرم قید میں چودہ سال تک تکلیف اٹھانے کے بعد واپس آئے تو اس کی دیرینہ عداوت اور زیادہ تیز ہو کر سرگرم عمل ہو سکتی ہے اور مقتول کے وارثوں کو ایک سفاک دشمن کی رہائی سے اندیشہ زیادہ ہوتا ہے تو وہ بھی مدافعت کی اور ایذا رسانی کی تدبیروں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت پہلے سے زیادہ ہلاکتوں کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ قاتلوں کو قید کی سزا سے رہا ہونے کے بعد قتل کا ارتکاب کرتے اور دوبارہ قید ہوتے دیکھا گیا ہے۔ بلکہ قید کی حالت میں کسی اور دشمن کو قتل کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے تو سہ بارہ حفظ امن کے لئے رکھے گئے ہیں۔ دائمی یا چہاردہ سالہ قید کی صورت میں مقتول کے وارثوں کا جذبہ انتقام بھی تسکین نہیں پاتا اور وہ اسے زندہ سلامت اور چلتا پھرتا دیکھتے ہیں تو اپنے مقتول کو یاد کرتے ہیں اور تڑپ اٹھتے ہیں بلکہ اگر کسی خوفناک شکل سے اور بیرحمی کے ساتھ قتل کی واردات ہوئی ہو تو قاتل کا خاموشی کے ساتھ پھانسی پر چڑھنا بھی جذبہ انتقام کو تسکین نہیں دیتا اور اگر وہ لوگ جاہل ہیں تو ضرور قاتل کو یا اس کے کسی عزیز کو اس طرح تڑپا کر مارنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ بیرحمی اور سفاکی کے ساتھ قتل کا انتقام لیا جاتا ہے۔

قباحتونکا حل

ان قباحتوں میں سے کسی کو فراموش نہ کرو۔ نہ کسی کو خفیف سمجھو۔ یہ سب آتش انتقام کو بھڑکانے اور فتنہ و فساد کو دور تک پھیلانے کا باعث ہوتی ہیں۔ انکا حل تلاش کرو اور اس قاعدے کو دیکھو جو قدیم زمانے میں شخصی اور قومی ہر خصومت کے اندر کارآمد تھا اور اب اسے صرف قومی خصومتوں میں استعمال کرتے ہیں اس قاعدے کو بھی دائمی قاعدہ نہ بناؤ قصاص کو اس کے ساتھ قائم رکھو۔ دونو کو ایک دوسرے کا قائم مقام بنانے سے سب قباحتیں دور ہو سکتی ہیں +

مصلحت وقت کا خیال

تاوان کا قاعدہ زمانہ قدیم سے رائج ہے اور بڑی بڑی رنجشیں جو قتل سے پیدا ہوئی ہیں تاوان پر مصالحت کرنے کے بعد دور ہو گئی ہیں۔ اب بھی ایک سلطنت کے باشندے دوسری سلطنت میں

جاکر قتل ہوتا ہے اور سزا پر اصرار کیا جاتا ہے تو جنگ تک نوبت پہنچتی ہے اگر تاوان لینے پر اتفاق ہوجاتا ہے تو بلا ٹل جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کا محاربہ عظمیٰ ایک قتل کی واردات سے شروع ہوا تھا جس نے لاکھوں نفوس اور کروڑہا روپیہ کا نقصان کر دیا اور دنیا کا نقشہ بدل دیا۔

شریعت اسلام نے اس طرح کی مصالحت کو قصاص کے ساتھ ملانے کا حکم دیا ہے۔ یعنے قتل کی معین سزا قتل ہے لیکن اگر مقتول زخمی ہونے کی حالت میں موت سے پہلے یا اس کے مرنے پر مقتول کے ورثا اور قاتل مصالحت کریں اور باہمی عداوت سے دست بردار ہونا چاہیں تو قصاص کی بجائے مصالحت کی پابندی کی جاتی ہے۔ قصاص کو قائم رکھنے سے قتل کی اہمیت ضائع ہونے نہیں پاتی اور قتل کا ارادہ کرنے والوں کے لئے سامان عبرت قائم رہتا ہے۔ ساتھ ہی مصالحت کا موقع دیکر قانون کو وہ شکل دیجاتی ہے جس پر ہمارے زمانے میں زور دیا جاتا ہے۔ آجکل کہتے ہیں کہ قانون ہر موقع کے مناسب ہونا چاہیئے اسی لئے اسکو ہمیشہ بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت انہی قوانین کی نسبت ہے جن کا تعلق انسانی طبائع سے ہے ورنہ جن قوانین کا تعلق تقاضائے فطرت سے ہو انکے بدلنے کی ضرورت کبھی نہیں ہوتی مثلاً انسان کا اپنی ضرورتوں میں دوسرے انسانوں کا محتاج ہونا تقاضائے فطرت ہے ایک انسان کبھی بھی اپنی تمام ضرورتیں محض تنہا رہ کر مہیا نہیں کرسکتا پس کسی نہ کسی شکل میں دادوستد کا سلسلہ قائم رکھنے کا قانون ایسا ضروری ہے کہ اسکو کسی زمانے میں منسوخ نہیں کرسکتے اور کوئی اور شکل اسکی قائم مقام نہیں ہوسکتی۔ مگر پیشہ اور کام کا اختیار کرنا ہر شخص کے اپنے میلان طبیعت پر منحصر ہے اور کسی شخص کو کوئی خاص پیشہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرسکتے۔ بلکہ ایک انسان ایک وقت میں ایک کام کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کے لئے دوسرا کام کرنا مناسب ہوتا ہے پس پیشہ کے لئے ایک شخص کے واسطے بھی کوئی خاص قاعدہ معین نہیں ہوسکتا۔ اسیطرح ہر شخص کیلئے فرداً فرداً غور کرنے کی ضرورت سزائے قتل کے بارہ میں ہے کیونکہ انسانی طبائع مختلف بنائی گئی ہیں۔ ایک ہی زمانے میں ایسے اشخاص بھی ہوتے ہیں جن کو اتفاق سے کسی کے ساتھ عداوت ہوگئی ہے اور ایسی سخت ہوئی ہے کہ ایک نے دوسرے کو عمداً قتل کر دیا ہے۔ مگر اور سب حالات میں قاتل معقول پسند ہے اور اس کی جان بخشی کیجائے

تو اپنے محسنوں پر جان قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے اور اپنی غلطی پر نادم ہو کر آئندہ ہر موقع پر محتاط رہتا ہے اور اسی زمانے میں ایسے اشخاص بھی ہو سکتے ہیں جو شوریدہ پشت ہیں ۔ جلدی برافروختہ ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ لڑائی دنگا کرتے رہتے ہیں ۔ ایسا شخص اگر کبھی قتل کا ارتکاب کرے تو اس کا ہاتھ جس طرز پر قتل کے وقت چلا ہے جنگ و پیکار کا خوگر ہونے کی وجہ سے آئندہ غصہ کے اندر اس کو اپنا ہاتھ اسی طرز پر چلانا آسان ہو گا بلکہ خود بخود ہاتھ سے وہی حرکت سرزد ہو گی ۔ ایسے شخص کی جان بخشی کی جائے تو وہ اپنے محسن کا شکرگذار بیشک ہو گا مگر اد جہاں کہیں غصہ میں آنے اور لڑائی کرنے کا موقع ملیگا اس کے ہاتھ سے قتل کا ارتکاب ممکن ہے ۔

مثال کی یہ دونوں شکلیں باہم انتہائی بُعد رکھتی ہیں ۔ ان کے مابین معقولیت اور شوریدہ پشتی کے کئی مختلف مدارج ہو سکتے ہیں اور وہ سب ایک زمانے اور ایک قوم میں پائے جا سکتے ہیں پس ایک ہی قتل عمد کیلئے ایک قانون بنانے اور سب قاتلوں کو حکومت کے زور سے تختۂ دار پر لٹکانیکی بجائے یہ کیوں مناسب نہیں کہ ہر واقعہ کی نوعیت ہر قتل کے حالات اور ہر قاتل کی طبیعت و عادات کو اور قاتل و مقتول دونوں کے پسماندگان کی ہمت و حیثیت اور طبعی جذبات کو دیکھیں اور جو اضطراب مقتول کے دلمیں اپنے وابستگان کی بیکسی خورد سالی اور لاچاری کی وجہ سے قتل ہونے کے وقت رہا ہو گا اور جو اسیطرح کی پشیمانی قاتل کو اس کا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد اپنے وابستگان کے لاچار ہونے کی صورت میں پیدا ہو گا ۔ اور جس شکل سے مقتول کی روح کو اس کے زن و فرزند کی نسبت مطمئن کرنے کا گمان ہو سکتا ہے ۔ اور جیسی کم یا زیادہ محبت کے ساتھ قاتل اپنے پسماندگان کو دیکھتا اور اس خیال سے آئندہ کے لئے اپنی ندامت کو پختہ یا کمزور کر سکتا ہے اور جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر قاتل اور مقتول کے ورثا جس قدر عداوت کو طول دے سکتے ہیں اور فتنہ و فساد کا اقدام کر سکتے ہیں ۔ اس تمام نشیب و فراز کو خیال میں لائیں اور ان تمام مراحل کو طے کر لینے کے بعد ہر واردات کا فیصلہ جداگانہ اور مناسب حال تجویز کریں ۔ ایک جان جا چکی دوسری جان لینے کا موقع ہے ۔ ایک کا کوئی علاج نہیں دوسرے کا تدارک اختیار میں ہے ۔ کیا ضرور ہے کہ شخص و نوعیت کی [illegible] دیکھکر سب جگہ ایک ہی طرح کا ناطق فیصلہ صادر کیا جائے ۔ اگر ایک شخص سلیم الذات ہے ۔ مال و زر کی ہوس اور کسی بدنیتی کا اس پر گمان نہیں ہو سکتا ۔ ہمیشہ دنگا کرنے اور جھگڑنے کی عادت

نہیں رکھتا۔ کوئی دیرینہ عداوت تھی یا وقت پر جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس کے اندر اس کے ہاتھ سے قتل کا ارتکاب ہوا ہے تو کیا یہ شخص بھی اسیطرح سزائے موت کا مستحق ہے جیسا وہ شخص جو ہمیشہ شورہ پشتی اور جھگڑا کرتا ہے اور جب غصہ میں آئے بیتاب ہو کر حملہ آور ہوتا ہے کیا یہ ظلم نہ ہو گا کہ دونوں کے لئے ایک سزا تجویز ہو اور کیا ممکن نہیں کہ موقع کی اہمیت اور آئندہ نتائج کی بدی اور بہتری کو دیکھکر ہر جگہ مصلحت کے مطابق کام کیا جائے۔

مشورہ کی فرضیت

مصلحت کو دیکھنے کا سب سے زیادہ بار قاتل اور ورثائے مقتول پر ہے کیونکہ انہی کو اس واقعہ سے براہ راست تعلق ہے اور وہی اپنے گذشتہ اور آئندہ حالات و عواقب کی نسبت بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں اور شخصی رائے میں جو غلطی کوتاہی یا بدنیتی کا امکان ہوتا ہے مسلمان کو اس سے بے نیاز کر دیا گیا ہے۔ دنیا نے آج مشورہ کی اہمیت سمجھی ہے مسلمان پر یہ فریضہ ہمیشہ سے عائد ہے اور مشورہ مسلمان کا امتیازی خاصہ ہے (وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰے بَيْنَهُمْ) اور خود رسول علیہ الصلواۃ والسلام کو باوجود وحی ربانی سے تعلق رکھنے کے حکم ہے کہ کوئی کام مشورہ کے بغیر نہ کرو مشورہ کے بعد جو بات قرار پائے توکل بخدا اس پر عمل کر لو (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) اور جس سے مشورہ لیا جائے جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے کہ وہ دیانت سے مشورہ دے۔ (اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ) یہ بھی ایک طرح کی شہادت ہے اور شیر واقعات کے نتائج جو اسے نظر آئیں پیش کرتا ہے شہادت کو مخفی رکھنا معصیت ہے (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط) یہ قتل کا معاملہ ہے نہایت مہتم بالشان ہے اسکا فیصلہ مشورہ کے بغیر نہیں ہوتا۔ قوم کے دانا جو اس وقوعہ سے بے تعلق ہوں ہر طرح سے غور و تامل کرتے ہیں۔ سلیم المزاج اور ہر شورہ پشت ہر عاقل و نادان کے حالات اور خیالات کا پتہ لگاتے ہیں اور رائے کی اس صحت تک پہنچ سکتے ہیں جو عقل انسانی کے امکان میں ہے۔ قتل کے مقدمہ میں جوری کو بلانے کا دستور اب بھی ہے مگر وہ صرف واردات کی شکل کو دیکھتی ہے۔ اسلامی اہل شورےٰ واردات کے ماقبل و مابعد سب حالات اور سب متوقع نتائج کو دیکھتے ہیں تو کیا ممکن نہیں کہ وہ ایک قاتل کو

ایسا پائیں کہ اگر اُسے قتل نہ کیا جائے بلکہ تاوان بھی نہ لیا جائے تو وہ شکر گذار ہو کر مقتول کے کمسن بچوں کا شفیق باپ سے زیادہ سرپرست ہو اور اگر اسے قتل کیا جائے تو اس کے رشتہ دار ایسی کینہ توزی اور شرارت انگیزی پر کمربستہ ہوں کہ فتنہ و فساد کی آگ دیر تک نہ بجھے اور مقتول کے ورثا انتقام لینے کے بعد کئی طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہیں اور کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی اور موقع پر مشورہ اور تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ قاتل کی بلا قتل کے سوا دور نہیں ہو سکتی اور تاوان لینے سے بھی وہ باز نہیں آسکتا۔ اور اسی طرح مختلف موقعوں پر حالات کے مطابق مختلف مقدار کے اندر تاوان لینے اور مصالحت کر لینے سے کیا آئندہ کے لئے فتنہ و فساد کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔ تو کیا یہ تدبیر بہتر نہیں ہے کہ بے غور و تامل جان لینے کی بجائے ہر موقع پر مناسب انتظام کریں۔ اور قتل کی جگہ قتل معافی کی جگہ معافی اور تاوان کی جگہ تاوان کا فیصلہ دیکھ کر ہر معاملہ کو بہتر شکل میں انجام دیں۔

مختلف سلوک کی موجودہ صورت

ایک جرم کے دو مجرموں سے مختلف سلوک کرنے کا دستور اب بھی ہے مفتوح قوم کے فرد کو جو سزا دی جاتی ہے فاتح قوم کا فرد اس سزا کا مستوجب نہیں ہوتا اور بالخصوص جب آقا نے کسی ماتحت کو نقصان پہنچایا ہو تو سزا میں بے حد رعایت ملحوظ ہوتی ہے۔ مگر اکثر اوقات ایسے موقعوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ روئداد کو بدلتے ہیں اور مقدمہ کی نوعیت کو کچھ سے کچھ کر دیتے ہیں۔ قتل عمد کو مرض طحال کی طرف منسوب کرنا مہذب ڈاکٹروں کا عام شیوہ مشہور ہے مگر واقع میں اسکی ضرورت نہیں۔ اگر ایک شخص کو بیس دن کے لئے قیدخانے کے اندر کوچ اور کرسی پر آرام کرنے سے وہی عبرت ہوتی ہے جو دوسرے شخص کو چھ ماہ تک چکی پیسنے سے ہو سکتی ہے تو حقیقت میں دونو کے لئے یہی سزا مناسب ہے۔ نہ پہلا بیس دن سے زیادہ کرسی توڑے۔ نہ دوسرا چھ ماہ سے کم چکی پیسے۔ اس تفاوت پر اعتراض صرف یہ ہے کہ خلاف حالات کو فاتح اور مفتوح کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اس پر یہاں تک مصر رہتے ہیں کہ فاتح قوم کا فرد ملزم ہو تو اس کا مقدمہ مفتوح قوم کا جج نہیں سن سکتا حالانکہ اس کے قلم سے مفتوح قوم کے تمام معاملات فیصل ہوتے اور تعمیل پاتے ہیں اگر وہ فاتح قوم کے بدنصیب

نہیں ہے تو مفتوح قوم کے جان اور مال پر بھی اُس کو متصرف نہ ہونا چاہیئے اور اگر اسکی قابلیت مسلم ہے تو فاتح قوم کے جرائم پر بھی وہ رائے دینے اور فیصلہ کرنے کا حق دار ہے مجرم کے ساتھ مختلف سلوک کرنے کی بنا اس تعصب پر نہ ہونی چاہیئے بلکہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ایک ہی قوم کے افراد فاتح ہوں یا مفتوح طبیعت اور حالات گردو پیش کے لحاظ سے باہم بے حد مختلف ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں اور قتل کے اندر چونکہ جان لینے کا معاملہ ہے تفاوت حالات کو دیکھنے کے بغیر انصاف ممکن نہیں۔ جو شخص معافی دینے سے مفید بن سکتا ہے۔ یا جہاں تاوان لینے سے اصلاح ہو سکتی ہے وہاں قتل پر اصرار کرنا ظلم ہے۔ قاتل نے عداوت سے مغلوب ہو کر ظلم کیا ہے عقیل اور اہل الرائے حکام بے وجہ جان لینے پر اصرار کریں تو اس فعل کے لئے ظلم سے بھی سخت لفظ ایجاد ہونا چاہیئے۔

عداوت کے مختلف اسباب

غرض قتل کے بارہ میں ہر موقع پر مناسب فیصلہ کرنے کی صورت اسلام نے پیدا کی ہے اور ان تمام قباحتوں کا انسداد کر دیا ہے جو قتل کے بعد اور سزائے موت دینے کے بعد بروئے کار آتی ہیں۔ مقتول کے وارث بیکس اور یتیم ہوں تو انکی امداد ہو سکتی ہے۔ قاتل زندہ رہے تو اپنے کنبہ کی سرپرستی کر سکتا ہے۔ کوئی وارث مورث کو مال لینے کی نیت سے قتل کرے تو ورثہ سے محروم رہتا ہے اور احکام شریعت پر عملدرآمد ہو تو مجرم کے دل میں وہ ہوس ہی پیدا نہیں ہوتی جو مورث کے قتل پر آمادہ کرے۔ اور یہ غلط فہمی کہ جرم ظاہر نہ ہوگا انسان کو ہر اندیشہ سے بے پروا رکھتی ہے۔ اب بھی سزائے موت کا یقین ہونے کے باوجود اسی بنا پر ہمیشہ قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ قتل دیرینہ عداوت

+قتل کی بعض وارداتیں تہذیب جدید کے علمبرداروں میں سُنی جاتی ہیں جبکہ کوئی جونیئر ملازم اپنے سینئیر کی اسامی لینا چاہتا ہے۔ یہ قتل مخفی طور پر بالعموم دوا کی جگہ زہر دینے سے ہوتا ہے اور ایسی پیش بندی کی جاتی ہے کہ قاتل پر شبہ نہیں ہوتا اور وہ اسی صورت سے ترقی لے سکتا ہے لیکن اگر فرض کیا جائے کہ اسلامی حکومت میں اس نیت سے کوئی قتل کی واردات ہو اور ثابت ہونے کی صورت میں وہ تاوان دے کر بری ہونے کی امید رکھے جب بھی جس طرح اب مجرم علاوہ سزا پانے کے اپنے منصب سے موقوف ہوتا ہے۔ اسیطرح اسلامی حکومت میں ایسا شخص منصب پر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ فرائض حکومت کی بجا آوری کے لئے نہایت امین اور متدین اشخاص منتخب ہوتے ہیں

کے تازہ رہنے سے ہو یا کسی فوری اشتعال سے دونو صورتوں میں سزائے موت کے بعد عداوت زیادہ ہو جاتی ہے اس کا علاج مصالحت سے بہتر کوئی نہیں۔ اور جن وحشیوں سے بہتری کی توقع نہ ہو انکو قصاص کی نذر کر سکتے ہیں پس قصاص اور مصالحت دونوں قاعدوں کی آمیزش سزا کی وہ صورت پیدا کرتی ہے جو ہر موقع پر مختلف ہوتی ہے مگر زمانے کے انقلاب نے آزادی یعنے ایسا زمانہ نہیں آسکتا کہ قتل کے بعد ورثائے مقتول کے دل کینہ اور عداوت سے پاک ہیں اور انتقام کی خواہش نہ رکھیں اور انتقام لینے کے بعد بھی ایسا زمانہ نہیں آسکتا کہ عداوت میں ترقی اور شرارت میں اضافہ نہ ہو کسیکو قتل کرنا اور قاتل کو سزا دلوانے کے لئے کوشش کرنا بڑی بات ہے۔ دو شخصوں میں کوئی دیوانی مقدمہ دائر ہو تو قانوناً اتنی بات بھی دونوں میں عداوت ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے کسی اور موقع پر ایک فریق دوسرے کے خلاف شہادت دے تو اعتراض ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مخالفت رہی ہے۔ اور عداوت ثابت ہو شہادت معتبر نہیں۔ بلکہ کوئی شخص استغاثہ کی شہادت دے اور کسی اور موقع پر ملزم اس کے خلاف شہادت میں پیش ہو تو اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص کی گذشتہ شہادت نے ملزم کو دشمن بنا دیا ہے۔ گواہی مشتبہ ہے پس جب دیوانی مقدمہ لڑنے سے اور محض شہادت دینے سے عداوت کی بنیاد پڑ سکتی ہے تو قتل کرنے سے اور قتل کی سزا دلوانے سے کینہ و عداوت میں شدت کیوں نہ ہوگی اور عداوت کے اندر آدمی ایک دوسرے کو ہر ممکن طریق سے نقصان پہنچانے کی جو کوشش ہمیشہ جاری رکھتا ہے اس سے بے خوف کب ہو سکتے ہیں +

اَلصُّلحُ خَیرٌ

اب اگرچہ زمانے نے مہذب دنیا کو امن سے رہنا سکھا دیا ہو اور قتل و غارت کی جو شدت قدیم زمانے میں ہر جگہ تھی اور وحشی اقوام میں اب بھی ہے وہ مہذب دنیا سے نابود ہوگئی ہے مگر پھر بھی عداوت دشمنوں سے کئی طرح کی انہونی باتیں کرواتی رہتی ہے اور وہ عداوت ہی ہے جو قتل کی شکل میں نمودار ہوکر اپنی ترقی کا رستہ صاف کر رہی ہے۔ اقتضائے دانشمندی یہی ہے کہ عداوت کی بنا کو اوّل پر روک سکیں اور اس کے اسباب کو جس وقت معدوم کر سکیں اس میں کوتاہی روا نہ رکھیں قاتل جس جوش کے ساتھ قتل پر آمادہ ہوتا ہے اس کا عزم ارتکاب اسی تیزی سے برگشت

کرتا ہے۔ فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے فعل کی ہولناک صورت دیکھکر کانپتا ہے۔ مالدار کو مال کی فکر نہ ہو جب کبھی خیال کرتا ہے کہ مستغیث اس کے قتل پہ اصرار کر سکتا ہے۔ حاکم کو ملزم سے ضد نہیں عداوت نہیں اسے بددیانتی پر آمادہ کرنا آسان ہے مستغیث کو عداوت بھی ہے ضد بھی ہے۔ وہ بدی پر آمادہ ہو تو حاکم اس کی بات کو ٹال نہیں سکتا اور یہی قرین مصلحت ہے۔ کیونکہ اگر مستغیث اور اس کے خاندان کی خواہش انتقام کا انتظام نہ ہوا تو وہ خود فساد پر آمادہ ہونگے اور ان کی آمادگی فریق ثانی کو مزید شورش کی ترغیب دیگی فتنہ کی آگ دیر تک مشتعل رہیگی پس اگر فریقین اس وقت عقلا کے مشورہ سے تمام نشیب و فراز کو دیکھیں مصلحت اندیشی کو کام میں لائیں اور مصیبت کو دوچند کرنے کے بغیر تمام مہالک و مخاطرے سے آزاد رہکر امن کی زندگی بسر کرنا چاہیں تو اس عزم کی خوبی سے کون انکار کر سکتا ہے اور اس اصرار میں کیا خوبی ہے کہ مستغیث اور ملزم امن سے رہنا چاہیں جب کبھی حکومت خود سزا پہ اصرار کرے اور عداوت کے درخت کو کاٹنے کی بجائے اس کی آبیاری کا اہتمام اپنے ذمہ لے اور فتنہ کا جو دروازہ بند ہوتا ہے اسے کشادہ رکھنے پر زور دے ۔

تجربہ کی شہادت

موجودہ قانون اپنے نقطۂ خیال سے اس مصالحت کی مصلحت کو سمجھ نہیں سکتا وہ ایک قتل عمد پہ سزائے موت دیتا ہے تو بعد میں عداوت کے قائم رہنے سے جس قدر چپقلش اور فتنہ و فساد بپا ہوتا رہتا ہے اور دیوانی و فوجداری نالشوں کے جس قدر موقعے پیش آتے رہتے ہیں سب میں گرانبہا سٹیمپ بھاری جرمانے اور لمبی قیدیں خزانہ حکومت کو معمور کرنے کا کام دیتی ہیں۔ شر کی افزائش اس کے لئے موجب خیر ہے شہروں کی آبادی کچھ بھی امن پسند ہوتی ہے اور وہ اپنے کاروبار کی وجہ سے فرصت بھی نہیں رکھتے نہ محبت کے تعلقات کو پورے طور پر قائم رکھتے ہیں نہ عداوت کو ہمیشہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ مگر دیہات میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہو کہ اگر کہیں ایک بار قتل کی واردات ہو گئی اور قاتل کو سزا مل گئی ہے تو گاؤں کی جاہل آبادی دو جماعتوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ موقع بے موقع مار پیٹ ہوتی رہتی ہے غلط رپورٹیں کرتے اور مخالفوں کو پولیس کے ہاتھوں میں دیتے رہتے ہیں ۔ کھیتیاں کاٹنے اور کھیتوں پر قبضہ کرنے کے واقعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ زمینداریوں

کے سوتے جھگڑے جاگ اُٹھتے ہیں اور فوجداری و دیوانی مقدمات کی وہ شدت ہوتی ہے ہے کہ کچھ عرصہ کے اندر گاؤں کی اکثر زمینیں رہن اور بیع ہو جاتی ہیں ان سب موقعوں پر جو ہجوم کچہریوں اور تھانوں میں ہوتا ہے اور جو روپیہ بارش کی طرح برستا ہے وہ سب موجودہ قانون کے قائم کئے ہوئے میلے ہیں اور باعث رونق ہیں مسلمان اگر کہیں ہونگے تو وہ ایسے میلوں سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگینگے ۔ وہ اپنے قانون کے مطابق قاتلوں کو کبھی امن اور صلح کا پیغام دینگے اور جو عداوت اتفاق سے پیدا ہو گئی ہے اس کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے حامی نہ ہونگے ۔ کاش کسی سر میں انصاف کا خیال اور کسی آنکھ میں تمیز کی روشنی ہو تو دیکھے کہ بے غرض اور امن پیدا کرنے والا اسلامی قانون ہے ۔ رومن لا امن کے لحاظ سے عربی لا ہے (نہیں) اور مال طلب کرنے کے لئے ہندی لا دلائی +

راہزنی اور قتل

یہاں تک اس قتل کا ذکر تھا جو عداوت سے وقوع میں آتا ہے اور جس کے بعد عداوت میں ترقی ہوتی ہے تو یہ سلسلہ طول پکڑتا ہے اور قتل اور کئی طرح کے جرائم کا دروازہ کھلتا ہے گویا یہ قتل متعدی مرض ہے اور ایک شخص کا فعل اوروں کو ترغیب دینے کا باعث ہوتا ہے ۔ اب قتل کی اس شکل کو دیکھو جو لاعلاج ہے ۔ وہ راہزنی اور ڈکیتی کا قتل ہے ۔ اسکو شریعت نے حکومت کا حق قرار دیا ہے اور ورثائے مقتول کو اسمیں دخل دینے کا استحقاق نہیں دیا ۔ قتل کی واردات بالعموم کسی عداوت سے ہوتی ہے اور اگرچہ ہر ایک قتل جرم ہے اور قاتل کا قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر دشمن کو قتل کرنا گوارا نہیں ہو سکتا پھر بھی بعض اوقات عداوت واقعی اسباب پر مبنی ہوتی ہے اور قاتل کسی حد تک مظلوم ہوتا ہے اور تنگ آ کر قتل کا اقدام کرتا ہے ۔ دنیا میں اکثر واقعات پیش آتے ہیں جنکے بعد اگرچہ قاتل کو قانون کی رو سے نرم یا گرم صلاح دیجاتی ہے مگر انسانی ہمدردی اسکے حق میں ہوتی ہے اور جہاں ایسی صورت نہ ہو اور کسی معمولی عداوت سے قتل کا ارتکاب کیا جائے اُسے کیسا ہی جرم شدید مانیں جو قتل چوری اور رہزنی کی نیت سے ہوتا ہے وہ ان سب سے زیادہ شدید ہے ۔ جو لوگ مال و زر کی حرص سے ایسے مغلوب ہوتے ہیں کہ ایک وقت چوری سے اور دوسرے وقت سینہ زوری سے باز نہیں رہ سکتے اور جس کے پاس مال دیکھتے ہیں عداوت کی کوئی وجہ نہ رکھتے ہوں تب بھی اسکو قتل کرنے سے نہیں جھجکتے ایسی شرارت انگیز اور فتنہ پرداز ہستیاں نوع انسانی کے لئے

باعث ننگ ہیں اور اگر وہ سلامت رہیں اور کامیاب ہوتے جائیں تو اپنے فعل سے باز نہیں آسکتے۔ ان لوگوں کے لئے شریعت اسلام نے سزا سے معاف رکھنے کی صورت پیدا نہیں کی۔ وہ قتل کے عوض میں ضرور قتل کئے جاتے ہیں اور اگر انکا فعل زیادہ ہیبت ناک ہو تو حاکم کو اختیار ہے کہ قتل کے بعد لوگوں کو عبرت دینے کے لئے انہیں دار پر لٹکائے رکھے پس جبتک انسانی طبیعت میں شر و فساد کا ایسا مادہ موجود ہے اور جب تک غارتگری کے اندر خونریزی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں عبرت انگیز سزاؤں سے اجتناب کرنے کی کوئی صورت نہیں اور آجتک وحشی اقوام کو خوفناک جرائم سے روکنے کے لئے مہذب حکومتیں ہر طرح کی ہیبت ناک سزاؤں کو مصلحت سمجھتی ہیں اور قتل و صلیب کے علاوہ بعض اوقات بعض افراد کے جرم میں تمام گاؤں پر بم برسانے اور جلا دینے میں بھی تامل نہیں کرتیں۔ شریعت مجرم کے ساتھ بے قصور کو سزا دینے کی روادار نہیں ہوسکتی۔ نص قرآنی کے مطابق جن اشخاص پر جرم ثابت ہو اس کی نوعیت دیکھکر قید۔ جلاوطنی قطع دست و پا اور قتل کا ناطق فیصلہ دیتی ہے۔ جو جرم کی درخواست رحم سے اور مظلوم کے عزم مصالحت سے منسوخ نہیں ہوسکتا

قطع اعضا

قتل کے سوا جسمانی نقصان کے اور سب واقعات کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں کبھی ایک شخص دوسرے کو مارتا ہے اور اس کے جسم پر کئی طرح کی ضربیں لگتی ہیں۔ کئی طرح کے خفیف اور شدید زخم آتے ہیں انکا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا اور قصاص نہیں لے سکتے کبھی مختلف ضربوں اور زخموں کے علاوہ آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔ ناک کٹ جاتی ہے۔ دانت اکھڑ جاتا ہے۔ آنکھ ناک اور دانت کے نقصان کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے مگر فعل عمد نہیں اور تمام زخموں کی مجموعی حالت کو تشخیص بھی نہیں کرسکتے اس کا قصاص بھی ممکن نہیں۔ ایسی سب صورتوں میں مختلف مقدار کا تاوان دلوایا جاتا ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے خاص ارادے اور عمد سے کسیکی آنکھ نکال دی ہے۔ یا ناک۔ کان یا کوئی اور عضو کاٹ دیا ہے اور جوڑ کے مقام سے کاٹا ہے یا ایسا زخم پہنچایا ہے جس کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے تو اس صورت میں قصاص لے سکتے ہیں اور وہی عضو اس مقدار میں کاٹ سکتے ہیں۔ دائیں بائیں کا خیال رکھتے ہیں۔ دانت کی ترتیب اور مقام کا خیال رکھتے ہیں لیکن زخم خوردہ مستغیث

قصاص نہ لے تاوان پر اکتفا کرے یا معاف کر دے تو حسب ارشاد قرآنی یہ سلوک مستحسن اور کار ثواب ہے۔ دو شخص ایک دوسرے کو مارتے ہیں ایک کے جسم کو ضرب اور زخم کا زیادہ نقصان پہنچتا ہے دوسرے کو کم اس صورت میں زیادتی کرنے والے سے تاوان دلوایا جاتا ہے۔ اور مجرم دونوں تصور ہوتے ہیں۔ اس شرارت کا سدباب کرنے کے لئے حاکم دونو کو جو سزا مناسب سمجھے بطور تعزیر کے دے سکتا ہے۔ رسول علیہ السلام کا فرمان ہے کہ دو شخص باہم [illegible] کریں اور ایک قتل ہو جائے تو دونو آگ میں جلینگے کیونکہ ارادہ دونو کا بد ہے اور اس لحاظ سے دونو برابر ہیں +

تدبیر سہ گانہ

قصاص کو رب العالمین نے دنیا کیلئے زندگی فرمایا ہے (وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ) یعنے اس سے دنیا کو امن نصیب ہوتا ہے۔ و فتنہ فساد جو پیدا ہوتا ہے طول نہیں پکڑتا پس قصاص جان کا ہو یا کسی عضو کا دونو کی وہی شکل جو قرآن نے پیدا کی ہے یعنے قصاص۔ تاوان اور معافی کی آمیزش یہی وہ صورت پیدا کر سکتی ہے جو دنیا کو امن کی خوشخبری دے اور فتنہ کی مزاحمت کرے۔ ورنہ صرف قصاص پر مدار رکھنے سے عداوت کی نرم اور گرم شکلیں ہمیشہ پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ نیز [illegible] صرف تاوان پر انحصار ہو تو بعض وقات مستغیث خاندان کے انتقامی جذبات کو تسکین نہیں ہوتی اور کبھی مجرم نقصان پہنچانے کی مزید تجاویز سوچنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اور صرف معافی ہو تو یہ [illegible] پشت اور وحشی مزاج اشخاص کو مزید جرأت کا موقع دیتی ہے۔ ہر موقع پر حالات کو دیکھ لینے کے بعد کبھی پہلے اور کبھی دوسرے اور کبھی تیسرے نسخہ کو استعمال کرنا وہ تدبیر ہے جو [illegible] بشری مرض کو دفع کرنے اور دنیا کو اعتدال پر لانے کا اثر رکھتی ہے۔

سرقہ کی سزا

سرقہ کے ذکر میں بیان ہو چکا ہے کہ مال طبیعت کو مرغوب اور حاجات میں کام [illegible] ہے۔ حریص یا حاجتمند کبھی فعل سرقہ کا موقع پاتا ہے تو حسب قاعدہ ایک حرکت کے بعد دوسری حرکت آسان ہو جاتی ہے اور بتدریج عادت پختہ ہوتی رہتی ہے اور ایک کو دیکھکر اگرچہ سب کو اس فعل کی خواہش نہیں ہوتی مگر جو لوگ قدرتاً حریص ہوتے ہیں وہ ضرور اوروں کی کامیابی سے ترغیب پاتے ہیں اور جو ارتکاب کر لیتا ہے آئندہ [illegible]

پانے پر اس ہوس سے باز نہیں رہ سکتا۔ پس یہ ایسا مرض ہے کہ جہاں اس کے جراثیم موجود ہوں ایک سے دوسرے میں سرایت کرتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد اکثر و بیشتر علاج پذیر نہیں ہوتا۔ زہریلا مادہ ہے اور ہاتھ پیر کی وساطت سے ظہور کرتا ہے۔ عضو ماؤف کو قطع کرنے کے سوا کوئی علاج نہیں رکھتا۔ اگر جرم کا صریح لفظ سرقہ کے ساتھ اعتراف ہو یا معتبر شہادت سے نہ صرف مال کا اٹھانا بلکہ چوری کی نیت بھی ثابت ہو تو دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں۔ دوبارہ ارتکاب کرے تو بایاں پاؤں کاٹتے ہیں۔ سہ بارہ بھی جرم کرے تو قید رکھتے ہیں جب تک کہ اس فعل سے باز رہنے کا یقین نہ ہو۔ اگر مال مسروقہ بجنسہ دستیاب ہو تو مالک کو دلوایا جاتا ہے اور سزا قائم رہتی ہے۔ مال تلف ہو چکا ہو اور مالک اس کا معاوضہ طلب کرے تو چور پر تاوان ڈالا جاتا ہے۔ ہاتھ نہیں کاٹتے تنبیہہ کی ضرورت سے حاکم مناسب موقع کوئی تعزیر دے سکتا ہے۔ مال کا اٹھانا ثابت ہوا اور چوری کا ثبوت نہ ہو جب بھی مال واپس دلواتے اور تعزیر دیتے ہیں۔ ہاتھ نہیں کاٹتے۔

موجودہ قانون کا اثر

موجودہ قانون چور کو مختلف میعاد کے لئے قید کرتا ہے تلف شدہ مال کی واپسی کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ چور اکثر سزا پانے کے بعد پھر ارتکاب کرتے ہیں اور بعض مجرم اسی جرم کے اندر بار بار قید ہوتے رہتے ہیں اور عمر کا بڑا حصہ قید خانے میں گذارتے ہیں۔ بلکہ ایسے مجرم بھی ہیں جو متعدد بار سرقہ کی بڑی بڑی وارداتیں کرنے کے بعد بدمعاش قرار دیئے جاتے ہیں تو جرم کا ارتکاب کرنے کے بغیر بھی ان سے حفظ امن کی ضمانت طلب ہوتی ہے۔ ضامن مہیا نہیں ہوتا تو لمبی لمبی میعادوں کے لئے قید کر دیئے جاتے ہیں اور تمام قید خانوں میں ہمیشہ سب سے بڑی تعداد مجرمین سرقہ کی آباد رہتی ہے اور ہر شہر اور قریہ میں ہزاروں کی تعداد میں راتوں کو پہرہ دینے والے بیشتر اسی جرم کا انسداد کرنے کیلئے مقرر رہتے ہیں پھر بھی سرقہ ہوتا رہتا ہے، اور تھانوں کے اندر بڑی رونق اسی جرم کی بدولت ہے۔

شریعت کا یہ حکم ہے جس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائے وہ سرقہ کی خوفناک واردات کرنے کے قابل نہیں رہتا اور اسے دیکھکر عبرت بھی ایسی ہوتی ہے کہ غالباً ایک نسل کے اندر ایک علاقے میں ایک شخص کا کٹا ہوا ہاتھ سب کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہمارے زمانے میں طبیعتیں ہاتھ کاٹنے کے خیال سے نفرت کرتی ہیں اور قید خانوں کے اندر سے روزانہ چور نکا

بڑی تعداد میں بیڑیاں چھنکاتے ہوئے کام کرنے یا عدالت میں حاضری دینے کے لئے جانا اور واپس آنا دیکھتے ہیں اور نفرت نہیں کرتے۔ یہ سب رسم و دستور کا اثر ہے۔ جو بات ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ اسکی مساوات ہو جاتی ہے اور نفرت نہیں رہتی۔ جو کام شاذ و نادر ہو طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے۔ گھر میں کسی شخص کو امتلا ہو اور قے کرنے لگے تو دیکھنے والوں کی طبیعت خراب ہوتی ہے۔ کھانا کھاتے ہوں تو ہاتھ خود بخود رک جاتا ہے شفا خانوں میں یہ منظر اور زخموں کے اندر سے گندہ مواد نکلنے کا نقشہ روزانہ پیش نظر رہتا ہے وہ لوگ ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہیں اور بیزار نہیں ہوتے۔ ایسی نفرت سے کوئی قاعدہ اور قانون بدلا نہیں کرتا۔ انسان کے پھانسی پر چڑھانے کا نظارہ کیا کم نفرت انگیز ہے مگر جب تک اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسے عوام کی نظر سے مخفی رکھنے کا اہتمام کر سکتے ہیں منسوخ نہیں کرتے۔ قیدیوں کا ایک زنجیر میں مسلسل ہونا اور دس میں کے پیچھے ایک شخص کا ڈنڈا ہاتھ میں لئے چلنا شریفوں کا دل لرزانے کیلئے کافی ہے۔ مگر ضرورت نے مجبور کیا۔ دلکو سمجھاتے ہیں اور آنکھوں کو عادی بناتے ہیں اور کوئی نہیں کہتا کہ انسان کو حیوانوں کی طرح جکڑ کرلے جانا چھوڑ دو ۔

سوسائٹی کا نقصان اور اس کا موازنہ

اگر کہو کہ انسان کا ہاتھ کاٹ کر اسے ہمیشہ کے لئے ناکارہ کر دیتے ہیں اور سوسائٹی کو نقصان پہنچاتے ہیں تو یہی اعتراض زیادہ شدت کے ساتھ زمانہ حال کے رائج پر ہوتا ہے ہاتھ کاٹنے کا قانون بنا کر دیکھ لو بڑے بڑے عرصہ کے بعد کبھی کسی ایک پر اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوگی۔ زمانہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے جانے اور بیٹھنے جاگنے کے قریباً تمام حالات قلمبند ہوئے ہیں مگر دس سال کے زمانہ حکومت میں ہاتھ کاٹنے کا صرف ایک واقعہ مروی ہے۔ یہاں سوسائٹی کے سینکڑوں افراد ہر قید خانے کے اندر طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے اپنے کنبہ اور برادری کے کسی رنج و راحت میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ہاتھ کٹنے کے بعد صرف ایک ہاتھ بیکار رہتا ہے اور انسان کئی طرح کے کام کر بھی سکتا ہے۔ یہاں چاروں ہاتھ پیر اور دل و دماغ کوئی چیز کسی ضرورت مند کے کام نہیں آتی اور ہمیشہ اتنی بڑی تعداد مجبور و مقید رہتی ہے اگر دس قید سے رہا ہوتے ہیں تو

پندرہ اور آجاتے ہیں۔ سوسائٹی کے نقصان میں کمی نہیں آتی۔ ہاتھ کاٹنے کے بعد چور خوفناک واردات نہیں کرسکتا۔ قید بھگتنے کے بعد زیادہ بیباک ہونے والے مجرم اکثر نظر آتے ہیں۔ موازنہ دشوار نہیں طبیعت کے میلان کو جدا کر دو دیکھو کس صورت میں سوسائٹی کا نقصان زیادہ ہے۔

زناکاری کے عواقب و نتائج

سرقہ کے بعد زنا کو دیکھو۔ ذکر ہو چکا ہے کہ جو خواہش زنا پر برانگیختہ کرتی ہے وہ ہر زن و مرد کے اندر ودیعت ہے اور جس وقت نفس امارہ میں اس کا طوفان اٹھتا ہے تو تمنا ہوتی ہے کہ جس شخص کے ساتھ اور جس شکل سے اس جذبہ کو تسکین ہو ہاتھ سے نہ دیں اور کوئی اس میں مزاحم نہ ہو۔ حتٰے کہ ایسے جوش کی وجہ سے خلاف وضع فطری افعال کی کئی مکروہ شکلیں بروئے کار آتی ہیں۔ اور مزاحمت کرنے والوں سے کینہ و عداوت اور جنگ و پیکار تک نوبت پہنچتی ہے۔ انسان کے اندر اس جذبہ مواصلت کے ساتھ ایک جذبہ رفاقت بھی موجود اور اسے خواہش ہے کہ اپنا ایک رفیق ہمیشہ کے لئے منتخب کرے اور جو شخص اس غرض کے لئے تجویز کرے اس کا اس قسم کا تعلق اور کسی سے نہ ہونے پائے۔ نیز قدرت نے سلسلۂ تولید اور بقائے عالم کو بھی اسی جذبہ مواصلت و رفاقت کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور انسانی اولاد کی تربیت کو ایسا دشوار بنایا ہے کہ اس میں ماں اور باپ، دونوں شریک رہتے ہیں تو انجام پاتا ہے اور جہاں کہیں ان میں سے ایک کا فقدان ہوتا ہے پرورش میں دشواری پیش آتی ہے پس اگر انسان اپنے تئیں جذبہ مواصلت کے طوفان میں بہنے دیتا ہے اور ہر شکل سے اس جذبہ کو تسکین دینے کی کوشش کرتا ہے تو اکثر جگہ جذبہ مواصلت جذبہ رفافت سے ٹکراتا ہے اور فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو وہاں جو روحیں اس تعلق سے دنیا میں آتی ہیں ان کی پرورش کا اہتمام نہیں ہوسکتا۔ ان کو آنے سے روکتے ہیں کبھی آنے کے بعد ہلاک کر دیتے ہیں کبھی وہ خود نشوونما کے زمانے میں ہلاکت کا مزا چکھتی ہیں اور نہیں تو بیکسی میں پرورش پاتی ہیں ذلت میں بسر کرتی ہیں اور کئی قسم کی انسانی شرافتوں سے محروم رہتی ہیں۔ زنا کی عادت پیدا ہونے کے بعد پختہ ہوتی جاتی ہے۔ رک نہیں سکتی۔ بلکہ ایک سے دوسرے کو ترغیب آتی

ہے اور وبا کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک خوفناک مرض ہے جس کے جراثیم ہر شخص کے اندر موجود ہیں اور وہ مہلک بھی ہے اور متعدی بھی۔ بلکہ یہ ایسی بلا ہے کہ اگر اسکی قباحتیں ظاہر کرنے میں ذرا تفصیل سے کام لیا جائے تو بسا اوقات پرجوش طبیعتوں میں اس کا ذکر بجائے خوف زدہ کرنے کے اشتیاق پیدا کرتا ہے۔ اب دیکھو کہ ایسی مصیبت سے دنیا کو رہائی دلوانے کے لئے کیا تدبیریں کی گئی ہیں +

قانونِ مروج کی دو رخی

قانون مروج اسبارہ میں سعی کرنے سے منکر نہیں ہے۔ وہ تعلقات زناشوئی کا احترام کرتا ہے اور اس میں خلل ڈالنے والے کو مستوجب سزا ٹھہراتا ہے۔ زنا بالجبر اور خلاف وضع فطری حرکات کو بھی نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ناکتخدا عورت سے زنا کرنے میں کسی قدر مزاحمت کرتا ہے مگر زنان بازاری کو آزادی دیکر اس وبا کو پھیلانے میں مددگار بھی ہوتا ہے۔ بلکہ اس نے اس کام کے لئے کوئی ٹیکس تجویز کیا ہو تو بعید نہیں۔ شراب خواری کی لعنت خزانہ سرکار کو معمور کرنے کی خدمت بجالاتی ہے تو اس فعل کو مفید مطلب بنانے میں کیا تامل ہوگا +

قانونِ شریعت کا پہلا قدم

بہرکیف قانون مروج زنا کی جس شکل کو جرم قرار دیتا ہے اس کا ثبوت بالعموم یا اعتراف سے ہوتا ہے یا کسی عورت کو گھر میں رکھنے سے یا بھگا لے جانے سے یا مرد عورت کو ایک بستر پر مجتمع دیکھنے سے یا دونو کو برہنہ دیکھنے سے۔ بے ضرورت تنہائی میں گفتگو کرنے سے کسی قسم کا نامہ و پیام، ایما و اشارہ اور نقد وجنس کی داد وستد سے ہوتا ہے۔ ان تمام مختلف حالات سے دونو کے ناجائز تعلق کا جس قدر یقین یا احتمال پیدا ہوتا ہے اس کے مطابق زیادہ یا [illegible] سزا دیتے ہیں مگر جس فعل سے واقع میں زنا کا جرم وقوع میں آتا ہے اور جس پر اس کے نتائج کا مدار ہے یعنے دخول اسکا بیرونی ثبوت قریباً ناممکن ہے۔ اس فعل کو سب کی نظر سے مخفی رکھنے کا جذبہ انسان میں یہاں تک موجود ہے کہ جانبین [illegible] وحشی ہوں یا مہذب ایک بچہ کے سامنے آنے سے فوراً علیحدہ ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ زنا بالجبر میں دخول کی تحقیقات کرتے ہیں مگر اس کا مدار یا عورت کے اعتراف پر ہوتا ہے یا ڈاکٹری شہادت

پر۔ ڈاکٹر بھی یقین سے صرف باکرہ عورت کے سب سے پہلے فعل کی شہادت دے سکتا ہے۔ یا مرد بیمار ہو تو عورت کے جسم پر اس کا کوئی نشان دیکھ سکتا ہے اور کسی موقع پر کوئی پختہ رائے قائم نہیں کر سکتا پس ان تمام حالات اور علامات میں جن سے زنا کا یقین یا احتمال قائم کیا جاتا ہے جب تک دخول کا ثبوت موجود نہ ہو شریعت اسلامی کے رو سے بھی حاکم کوئی تعزیر دیتا ہے جس کی تجویز حسب موقع اس کی رائے پر یا مجلس قانون ساز کی رائے پر موقوف ہے اور جو ہر موقع پر اور ہر زمانے میں مختلف ہو سکتی ہے اور انسان اپنے اختیار سے کسی تجویز کو منسوخ اور کسی حکم کو جاری کر سکتا ہے *

قانون و شریعت کا اختلاف

البتہ دخول کا یقین ہونے کے بعد قانون مروج اور اسلام کا مسلک جداگانہ ہے۔ دخول کی صورت میں جو احکام اور زمانہ رسالت پناہی کی نظیریں موجود ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دخول کی سزا کو قانون کہنے کی بجائے ایسا کفارہ کہنا چاہیئے جس کا ادا کرنا مجرم کے اپنے اختیار میں ہے۔ حاکم خود اس کے ثابت کرنے اور سزا دینے کیلئے کوئی اہتمام نہیں کرتا بلکہ حتی الوسع گریز کرتا ہے اور مجرم کو سزا سے بچنے کا موقع دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے میں نے زنا کیا۔ آپ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ وہ دوسری طرف سے آپ کے سامنے آتا اور یہی لفظ کہتا ہے آپ پھر اعراض فرماتے ہیں۔ وہ بیقرار ہے پیچھا نہیں چھوڑتا اور چار بار آپ کے اردگرد پھر کر اعتراف کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں تو دیوانہ ہے؟ کہتا ہے نہیں اس وقت آپ سزا کا حکم دیتے ہیں (بخاری)۔ ماعز نامی ایک شخص نے کسی کی کنیز سے زنا کیا کنیز کے مالک نے جس کا نام ہزال ہے اسے ترغیب دی کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف کرے وہ آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے آپ نے فرمایا چلا جا خدا سے معافی مانگ توبہ کر۔ وہ تھوڑی دور جا کر واپس آیا اور پھر کہا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ چار دفعہ رد و بدل ہوا تو حضرت نے پوچھا کس چیز سے پاک کروں۔ کہا زنا سے۔ حضرت نے حاضرین سے پوچھا کیا یہ دیوانہ ہے

عرض کیا گیا نہیں۔ فرمایا شراب پی ہے۔ ایک شخص نے اٹھکر اس کا منہہ سونگھا اور کہا نہیں۔ فرمایا یاد کرے۔ شاید تو نے نظر کی ہو یا ہاتھ لگایا ہو یا بوسہ لیا ہو۔ اس نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا۔ حضرت نے اس کی سزا کا حکم دیا اور ہزال سے فرمایا۔ تجھے پردہ ڈالنا چاہیئے تھا۔ اظہار کی ترغیب نہ دیتا (مسلم ابوداؤد) یہی شخص سزا کے اثنا میں بھاگا لوگوں نے جانے نہ دیا۔ حضرت کو اطلاع پہنچی تو فرمایا بھاگا تھا تو جانے دیتے وہ توبہ کر لیتا خدا معاف کر دیتا۔ (ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ) یہ واقعہ گذر چکا ہے تو قبیلہ بنی غامد کی ایک عورت حاضر ہوتی ہے اور عرض کرتی ہے مجھے پاک کیجئے۔ حضرت فرماتے ہیں جا خدا سے معافی مانگ توبہ کر۔ وہ کہتی ہے یا رسول اللہ آپ مجھے بھی ماعز کی طرح واپس فرماتے ہیں میں زنا سے حاملہ ہوں۔ فرماتے ہیں وضع حمل ہونے دے۔ وہ بچہ جنکر اور اسے گود میں لیکر واپس آتی ہے فرماتے ہیں دودھ چھڑائیگی تو سزا دینگے۔ وہ دو سال کے بعد بچے کے ہاتھ میں روٹی

ع آئندہ کیلئے کسی ناجائز فعل سے ہمیشہ اجتناب کرنیکے پختہ ارادے کو توبہ کہتے ہیں ہمارے زمانے میں اسلام پر ایک اعتراض بھی کہ اسنے توبہ کو گناہ سے بری ہونیکا ذریعہ بنایا ہے۔ حالانکہ جو فعل آدمی کر چکا ہے اسکا کوئی نہ کوئی اثر بھی ضرور مرتب ہوگا۔ آئندہ اسلیئے اجتناب کرنیسے مرتب شدہ اثر زائل نہیں ہوتا اور آدمی بغیر سزا کے گذشتہ جرم کے اثر سے پاک نہیں ہو سکتا۔ ایسا خیال رکھنے والے اثر کی تعریف کو مشخص نہیں کرتے اسیلئے اسکے زائل ہونیکی وجہ نہیں سمجھتے حقیقت میں ناجائز فعل کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ آدمی کی جرأت کیلئے زیادہ دلیر ہوجاتا ہے۔ جسنے چوری نہیں کی وہ پہلی بار غیر کی چیز لینے کو ہاتھ ڈالنے سے کانپتا ہے۔ جب ایک بار یہ کام کر لیتا ہے تو دوبارہ کرنے کے وقت خوف کم ہوتا ہے۔ آئندہ پھر ارتکاب کرے تو خوف اور بھی کم ہوجاتا ہے۔ بار بار کرنے سے ایک وقت پر ایسا نڈر ہوجاتا ہے کہ دل میں کسی پشیمانی کا اثر نہیں پاتا بلکہ اپنے فعل پر مسرت محسوس کرتا ہے۔ دل کی یہی سختی و تاریکی ہے جس کو گناہ کا اثر کہتے ہیں اور یہی تاریکی ہے جسکی وجہ سے وہ نور ربانی سے روشنی لینے کے قابل نہیں رہتا۔ یہ اثر تو ہر گناہ پر مرتب ہوتا ہے۔ دوسرا اثر بعض گناہوں پر یہ مرتب ہوتا ہے کہ کسی غیر کو اس سے جانی، عزت کا یا مالی نقصان پہنچتا ہے۔ اسلامی احکام کے بموجب گناہ کا پہلا اثر جو عام ہے توبہ سے زائل ہوسکتا ہے کیونکہ اس کا اپنے دل سے تعلق ہے جب مجرم کے دل میں پشیمانی پیدا ہوا اور وہ آئندہ کیلئے اس فعل کے ارتکاب سے ڈرنے لگے اور اجتناب کرنے کا پختہ ارادہ کرے تو یہی پشیمانی اس کے دل کی سختی اور تاریکی دور کردیگی اور ندامت کا سوہان قلب کو جلا دے کر نور ربانی سے منور ہونے کے قابل بنادے گا۔ البتہ جس گناہ کا اثر دوسرے شخص تک پہنچا ہے۔ وہ توبہ کے ساتھ زائل نہیں ہوسکتا۔ ایسی حالت میں ان شخصوں سے معافی لینے کی ضرورت ہے جن کو رنج یا نقصان پہنچایا ہے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن گناہوں کا تعلق بندہ اور خدا کے مابین ہے وہ توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں مگر جن گناہوں کا تعلق کسی اور بندے سے بھی ہے وہ توبہ اور مظلوم کی معافی دونوں کے جمع ہونے سے دور ہوسکتے ہیں۔ ورنہ نہیں +

کا ٹکڑا دیکر سامنے لائی اور دکھایا کہ بچہ دودھ کا محتاج نہیں رہا (مسلم) قانونی سزا کی یہ شکل کہاں ہوتی ہے۔ یہ اُس یقین کا نتیجہ ہے جو اسلام نے اپنی تعلیم سے پیدا کیا ہو کہ زنا ایسی بلا ہے کہ اس کے بعد عذاب آخرت سے نجات پانے کی صورت اگر ہو سکتی ہے تو اسیطرح کہ آدمی پتھروں کی مار کھا کر جان دے یہ سزا نہ پائے تو عذاب آخرت کے لئے جو اُس سے سخت ہوگا تیار رہے۔ اگر سزا پانے کے بغیر توبہ کرے تو اس کی قبولیت خدائے رحیم کے اختیار میں ہے کہ یکلخت معاف کر دے یا زنا کا عذاب دیکر دوزخ سے رہائی دے۔ اسی عورت کو سزا دینے کے اثنا میں حضرت خالد کی زبان سے اس کی نسبت کوئی بُرا کلمہ نکلا تو حضرت نے فرمایا اسے بُرا نہ کہو اس کی توبہ وہ توبہ ہے کہ اگر محصول لینے والا بھی (جو لوگوں پر ناجائز جبر کرتا ہے) ایسی توبہ کرے تو بخشدیا جائے (مسلم) ماعز کی نسبت آپنے فرمایا کہ اس کی توبہ اگر ایک قوم پر تقسیم کردیں تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو (مسلم) ایک اور شخص کو زنا بالجبر پر سزا ہوئی تو حضرت نے فرمایا اس کی توبہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہو سکتی ہے (ترمذی ابوداؤد) نیز ارشاد ہے جہاں تک ہو سکے حدود کو دفع کرو اور کوئی صورت پیدا ہو سکے تو مجرم کو چھوڑ دیا کرو غلطی سے سزا دینے کی نسبت غلطی سے بری کرنا بہتر ہے (ترمذی) اور فرمایا ہے حدود کے بارہ میں باہمدگر عفو سے کام لیا کرو کیونکہ جب معاملہ مجھ تک پہنچ جائے تو میں معاف نہیں کر سکتا (ابوداؤد) +

احکام دربارۂ زنا

ان فرامین عالیہ اور نظائر کی تعمیل میں جو قواعد زنا کے لئے مرتب ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں:-

۱- امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی سزا صرف مسلمان سے مخصوص ہے غیر مسلم رعایا کو حسب موقع تعزیر دیجاتی ہے۔ امام شافعی مسلم و نامسلم کی تفریق نہیں کرتے۔ مگر یہ اختلاف لفظی ہے نامسلمان کے دل میں زنا کی نسبت وہ خوف ہی پیدا نہیں ہو سکتا جو سزا برداشت کرنے کے لئے آمادہ کرے اور مجرم اجتناب کرے تو حاکم سزا دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا اجتہاد اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ سنگساری کو سزا کی نسبت کفارہ کہنا زیادہ موزون ہے کیونکہ کفارہ مذہبی فریضہ ہوتا ہے جس کو صرف مسلمان بجا لاتا ہے اور سزا وہ چیز ہے جو جرم کے مقابلہ میں ہر فرد بشر پر بلا قید مذہب جاری ہو سکتی ہے +

۲۔ ہر زن و مرد جو تعلقات زناشوئی کا تجربہ کر چکا ہو اور اس کے رنج و راحت اور عواقب نتائج سے واقف ہو وہ زنا کا ارتکاب کرے تو سنگسار کیا جاتا ہے اور نا کتخدا ہو تو ایک سو ضرب تازیانہ کی سزا دیجاتی ہے۔ تازیانہ کی سزا بظاہر نرم ہے مگر اس کا خوفناک پہلو یہ ہے کہ یہ عام او مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے تازیانے لگائے جائیں تا کہ تشہیر ہو (وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ) +

۳۔ زنا کا ثبوت مجرم کے اپنے اعتراف سے ہوتا ہے یا شہادت سے یا نا جائز حمل سے

۴۔ خود اعتراف کرے تو ملزم سے فعل کی کیفیت مفصل پوچھی جاتی ہے اگر سب کچھ بتائے تو کہا جاتا ہے پھر غور کرو شاید نوبت یہاں تک پہنچی ہو۔ شاید غلط کہتے ہو۔ اس پر بھی اصرار کرے تو کہا جاتا ہے پھر آنا۔ اور بلا اخذ ضمانت جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ دوبارہ آئے تو گرفت نہیں کرتے۔ آجائے تو پھر وہی جرح کی جاتی ہے۔ جواب میں اختلاف ہو تو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ورنہ سہ بارہ آنے کا حکم دیتے ہیں۔ اسطرح چار بار چار مجلسوں میں اعتراف کرے تو سزا دیتے ہیں۔ سزا کا حکم صادر ہونے کے بعد فعل جرم سے انکار کرے بلکہ سزا پانے کے اثنا میں انکار کر دے جب بھی چھوڑ دیتے ہیں اور جرم کرنے کے بعد شرعی طور پر مجبور نہیں ہے کہ اعتراف کرے اگر اپنے عیب کو مخفی رکھے تو زنا کا گنہگار ہے اخفائے جرم کا مجرم نہیں اور پردہ [illegible] توبہ کرے تو زنا کے گناہ سے بھی بریت کی امید ہے +

۵۔ شہادت اس فعل کے لئے چار شخصوں کی مطلوب ہے جنہوں نے مرد و عورت دونوں کو [illegible] ایک وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ ایک بستر پر ہونے یا برہنہ ہونے کی شہادت سے تو مجرم تعزیر کے لائق ہونگے۔ وہ جرم ثابت نہ ہوگا جس کی سزا سنگساری ہے۔ شہادت کا ادا کرنا تمام معاملات میں فرض اور اخفائے شہادت جرم ہے مگر زنا کے بارہ میں گواہوں کیلئے یہی بہتر ہے کہ سنگساری تک پہنچانے والے نقشہ کا اظہار نہ کریں۔ دیگر حرکات کے اظہار سے تعزیر کی صورت پیدا کر دیں۔ اگر بالفرض پوری شہادت دیں اور سوالات جرح میں اختلاف نہیں تو ان کو مجبور کیا جائیگا کہ پتھر مارنے کا کام ان کے ہاتھ سے شروع ہو۔ اگر [illegible] تو جہاں تک حد زنا کا تعلق ہے شہادت مردود ہوگی۔ البتہ تعزیر [illegible]

پر ایک عرصہ گذر جانے کے بعد جس کا اندازہ امام محمد ایک ماہ کرتے ہیں شہادت پیش ہو تو مقبول نہ ہوگی۔ البتہ حاکم کے پاس پہنچنے میں جس قدر مدت درکار ہو وہ وضع ہو سکتی ہے۔

۶۔ ناجائز حمل ہو تو زد براہ راست عورت پر پڑتی ہے اگر وہ مخفی رکھے اور جن لوگوں کو معلوم ہو وہ پردہ ڈالیں تو بات ٹل سکتی ہے۔ اگر عورت کہے کہ مجھ پر جبر کیا گیا ہے تو اس کا قول تسلیم ہوگا جس کا حمل ہے اس کا پتہ دینے کے لئے وہ مجبور نہیں اور اگر کسی کا نام لے تو اس کو مجرم گردانے کیلئے عورت کا بیان کافی نہیں۔ عورت ایسے لوگوں میں چلی جائے جو اس کیفیت سے واقف نہیں ہیں تو اس کے حال کا تجسس نہ کیا جائیگا۔

حد کا احتمال اور تعزیر کا موقع

یہ ہے اس قانون کی نوعیت جو زنا کیلئے مرتب ہوا ہے اور اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول کی شہادت سے یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایک بچہ کا وجود بھی انسان کو باز رکھنے کیلئے کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ چار اشخاص کی ایک جماعت یک وقت میں اس خاص حالت کو آنکھوں سے دیکھنے کا موقع پائے اور اس سزا کی جس قدر روایتیں مل سکتی ہیں۔ ان میں شہادت کا واقعہ ایک بھی نہیں محض اعتراف پر فیصلہ ہوا ہے اور اعتراف پر بھی مجرم کو کسی طرح مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ حتی الوسع باز رکھا جاتا ہے۔ ناجائز حمل کی حالت نازک ہے مگر اس میں بھی عورت سزا سے گریز کرنا چاہے تو بغیر غلط بیانی کے رہائی کی صورت پیدا کر سکتی ہے پس اس سزا کا موقع دینا صرف انہی صادق العقیدہ ہستیوں کا کام ہے جن کو عذاب آخرت آنکھوں سے نظر آتا ہو اور دنیا کی تکلیف اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہوں۔ ایسے قلوب مصفا کو انکے قلبی اضطراب سے نجات دینے کا سامان دفتر قانون میں موجود رہنا چاہئے۔ پابستگان ہوس کیلئے در توبہ کشادہ ہے۔ امید مغفرت کافی ہے اور سزا سے بچنے کی سبیل موجود تعزیر کا کام جیسا اب ہوتا ہے حسب موقع ہوتا رہیگا اور جو اثر دے سکتا ہو دیتا رہیگا۔

حد کا خاص موقع

البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہی بے حیا ہو کہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا شخص اسے دیکھ رہا ہو اور وہ فعل بد سے باز نہ آئے اور اپنی شرمناک حالت پر کوئی پردہ نہ ڈالے۔ یا اس فعل کا

ایسے موقع پر ارتکاب کرنا ہو جہاں ایک جماعت اسکی تماشبین و گواہ ہو سکتی ہے تو ایسے شخص کے خوفناک ہونے میں کیا کلام ہے۔ شرعاً چشم دید گواہوں کو زنا کے ذکر سے اجتناب کرنا بہتر ہوگا لیکن اگر وہ سب کچھ ظاہر کر دیں اور اس ناپاک ہستی کو سطح زمین سے ناپید کرائیں تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور ایسے بے حیا اور بیباک وجود سے کس عورت کی عصمت محفوظ رہ سکتی ہے۔ کبھی کبھی ایسی وارداتیں سنی گئی ہیں کہ کسی وحشی انسان نے سربازار کسی عورت کی عصمت دری کی ہے اور وحشی ایک طرف مہذب ملکوں میں سنا جاتا ہے کہ باغوں کے اندر سر بستہ چھتری کی آڑ میں زن و مرد کے جوڑے بالعموم نظر آتے ہیں۔ اور ایسے کلب کھل گئے ہیں جن کے اندر زن و مرد برہنہ کھیلتے اور تالابوں اور دریاؤں میں برہنہ نہاتے ہیں۔ اس منزل کے بعد جو مرحلے پیش آئینگے وہ نہایت خطرناک ہیں اور ابھی یہ بھی یقین نہیں کہ ان واقعات میں صحت ہے یا مبالغہ لیکن اگر کہیں اور اگر کبھی ایسا وجود میں آگئے تو طبیعتوں کی اس بے حیائی کو روکنے کیلئے دنیا کی اور کونسی سزا حدود شرعیہ کی قائم مقام ہو سکتی ہے۔ قاتل ایک قتل کا مرتکب ہوتا ہے اور سزائے موت کا مستوجب ٹھہرتا ہے۔ زنا کی بکثرت بے انتہا معصوم روحوں کے قتل عام کا باعث ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے خود اس نسل کے جلدی تباہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ تمنا ہے کہ ایسا وقت نہ آئے اور اگر آگیا ہے اور یا اگر آئیگا تو اس کا سبب یہی ہوگا کہ آزادی قول و فعل کے بہانے زنا کے اوپر سے بہت سی پابندیاں اٹھ گئی ہیں اور اٹھتی جاتی ہیں۔ آجکل ذرائع خبر رسانی کی سہولت سے تمام دنیا ایک شہر کے برابر ہو گئی ہے۔ اگر قانون اسلام کو مان کر کسی ملک میں ایک بار شرعی سزا کا نفاذ کر دیا جائے تو ہر چند زنا مسدود نہ ہو۔ یہ بے حیائیاں اور یہ علی الاعلان عشوہ فروشیاں یکقلم موقوف ہو جائینگی۔ کیا معلوم شریعت اسلام کا یہ قانون اور اس کی تعمیل میں چند خدا کے پاک بندوں کی ایسی عظیم الشان قربانی اسی آزادی اور بے حیائی کی پیشگوئی اور پیش بندی ہو جو ہمارے زمانے میں برسر کار آتی نظر آرہی ہیں اور جس کے حد کمال تک پہنچنے کے بعد اس قانون کے بغیر دنیا کو تباہی سے بچانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ مگر شریعت حقہ کا ایک تازیانہ کم از کم ایک ملک کو اس نجاست سے دفعۃً پاک کر دیگا۔

استنباط اصول

یہ نمونہ ہے اسلام کے چند قوانین کا۔ دیگر جرائم جنکی سزا اسلام نے معین نہیں کی انکا انتظام اگرچہ ہر زمانے میں مقتضائے وقت کے مطابق تجویز ہوسکتا ہے۔ مگر جس اصول کا سزاؤں کے معین کرنے میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس سے تجاوز نہ ہوسکیگا۔ قانون شریعت اور قانون مروج دونو مجرم کو مالی اور بدنی سزا دیتے ہیں مگر اصول میں تفاوت ہے۔ قانون مروج مالی سزا کا تمام فائدہ داخل خزانہ کرتا ہے اور سب جرائم میں بدنی سزا کے اندر جلب منفعت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اسکی کسی سزا میں مستغیث کے کسی نقصان کی تلافی نہیں ہوتی اور ایسی پیچیدگی واقع ہوتی ہے کہ آئندہ وارداتوں کی اور مقدمات کی زیادہ کثرت ہوتی جاتی ہے اور دوران مقدمات میں فریقین مصارف کا بار پیہم اٹھاتے رہتے ہیں قانون اسلام سب صورتوں میں مالی یا بدنی سزا وہی تجویز کرتا ہے جس سے حتی الوسع مستغیث کے نقصان کی تلافی اور آئندہ امن سے رہنے کی امید ہو۔ نیز قانون اسلام انصاف کی کوئی قیمت کسی فریق سے وصول نہیں کرتا اس اصول کو پیش نظر رکھکر ہر جرم کیلئے جس کی سزا معین نہ ہو مناسب حال قوانین مرتب ہوسکتے ہیں اور ان کو شریعت اسلام کا قانون کہہ سکتے ہیں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ وَمِنْہُ التَّوْفِیْق ط

باب پانزدہم

ارتداد

مارشل لا

اسلامی قانون قتل کی سزا ایک اور جرم کے واسطے بھی دیتا ہے جسے سنکر آزادی کی ہوا کھانے والے بہت حیران ہوں گے لیکن تحمل سے کام لینگے تو حکم کی تفاصیل سمجھنے میں دشواری محسوس نہ کرینگے یعنے ہمارے نزدیک مذہبی جنون کی سزا بھی قتل ہے اور اس کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے شرارت کا وہ سب سامان جو پہلے تھا سو اب بھی ہے" حقیقت میں یہ ایک جنگی قانون ہے جب دو فوجیں باہم برسرپیکار ہوں اور ایک

فوج کا آدمی دوسری فوج میں شامل ہونا چاہے یا بھاگنا چاہے تو اسے گولی مار دیتے ہیں۔ اسلام آیا تو اس نے تمام دنیا کو اپنی طرف بلایا۔ قومیتوں کو مٹا کر ایک اسلامی قومیت کی بنیاد رکھی اور گورے۔ کالے۔ شریف رذیل اور آقا و غلام کو ایک سطح پر لانے کی کوشش کی۔ دنیا ایسی مساوات کی خوگیر جب بھی نہیں تھی اور باوجود دعوے آزاد خیالی کے اب بھی نہیں ہے بلکہ تہذیب جدید قومی امتیازات کو نہایت سختی کے ساتھ قائم رکھنے کی طرف مائل ہے۔ عیسائی تہذیب کو مہذب دنیا میں برتری حاصل ہے اور بھاری اہتمام کے ساتھ دنیا کے ہر گوشہ میں اسکی اشاعت کی جاتی ہے مگر تمام عیسائی باہم مساوات کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جو رذیل سمجھے جاتے ہیں باوجود عیسائی بننے کے سوسائٹی میں انکا مساویانہ میل جول ایک طرف وہ عبادت خانوں میں بھی اعلی سوسائٹی کے برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ اسلامی سعی و کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مساوات کو نخوت پسندوں نے بری نظر سے دیکھا اور ہر ایسے شخص کے دشمن ہو گئے جو اپنے تئیں مسلمان کہے تعلقات منقطع کئے۔ ایذا رسانی پر آمادہ ہوئے اور قتل و غارت تک نوبت پہنچائی۔ ابتدائی کمزوری کے عالم میں اہل اسلام نے سب کچھ برداشت کیا اور اپنے کام کو بھی نہ چھوڑا۔ مقاومت مجہول اور سول نافرمانی کا ڈنکہ آج زور شور سے بج رہا ہے حق اور باطل کی جنگ میں ابتدائی قدم اسی شکل سے اٹھتا رہا ہے۔ قابیل نے ہابیل کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی مگر خدا پر ایمان رکھنے کے عقیدہ کو ظاہر کرنے سے باز بھی نہیں رہا۔ قرآن میں انکا ذکر آیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَآ أَنَا بِبَاسِطٍ	اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے تو
يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ	میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا میں خدا
رَبَّ الْعٰلَمِينَ (مائدہ پارہ ۶ ع ۵)	سے ڈرتا ہوں جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

یہی ہدایت اسلامیوں کو دی گئی تھی اور اسی پر وہ گامزن رہے۔ خدا کی طرف بلاتے رہے مساوات کی منادی کرتے رہے سعید روحیں کھنچی ہوئی آتی رہیں شقاوت کے علمبردار شرارتوں کو ترقی دیتے رہے جب تک انفرادی حالت تھی مقاومت مجہول پر عمل ہوتا رہا۔ قومیت پیدا ہوئی تو قومی فرائض سامنے آئے۔ قوم اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسلامی قوم اس قاعدہ سے مستثنی کیونکر ہو سکتی تھی چنانچہ اسے

بھی تلوار اٹھائی اور اپنی ہستی کو قائم رکھنے کیلئے جسقدر قوت و اقتدار کی ضرورت ہے اسکو پیدا کیا کسی کی تابعی نہ کی۔ اغیار بھی شاہ و گدا کے امتیاز کو آسانی کیساتھ چھوڑنیوالے نہ تھے۔ زور لگانے سے باز نہ آئے چنانچہ عرصہ دراز تک محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اغیار ان سے اور وہ اغیار سے برسرپیکار رہے ان دنوں میں کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جاتا تھا تو اس کا یہ فعل معمولی اقتضائے طبیعت اور معصومانہ انقلاب حالت سمجھا نہ جاسکتا تھا۔ بلکہ بوجہ دائمی جنگ و پیکار کے اسلام سے برگشتہ ہونا ایک فوج سے دوسری فوج میں شامل ہونے کے برابر قباحت پیدا کرتا تھا۔ کلمۂ توحید سے انکار کرنے والا دفعۃً اغیار کا عزیز و یگانہ بن جاتا تھا اور مسلمانوں کے عزم و ارادہ اور ساز و سامان سے واقف ہونیکے سبب ان کو کئی طرح کا نقصان پہنچا سکتا تھا۔ موجودہ قانون جنگ ایسے شخص کو فوراً بندوق کا نشانہ بنا دیتا ہے۔ اسلامی قانون تین دن کی مہلت دیتا ہے۔ اس کے شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے پشیمان ہو تو اس کے قول پر بھروسہ کرتا ہے۔ باز نہ آئے تو ہلاک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

قتل کی مصلحت

اسلام سے برگشتہ ہونیوالے کو قتل کرنے کی مصلحت اس زمانہ میں روز روشن کی طرح واضح تھی اور اگرچہ اس مبارک زمانہ میں ایسی سزا کو بروئے کار لانیکی ضرورت بہت کم پیش آئی ہے کیونکہ اس وقت کے مسلمان مسلمان ہونیکے بعد مرتد ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ مگر پھر بھی ایسے قانون کا مدون ہونا اور موجود رہنا قیام قومیت کیلئے ضروری تھا ورنہ اگر اہل ارتداد کیساتھ تساہل کیا جاتا تو جو طوفان پہلے خاص اہل عرب کا اور پھر رومیوں اور ایرانیوں کا اسلام کو مٹانے کیلئے اٹھا تھا اور جس کے سر اٹھاتے ہی کچل دینے کی دور اندیشی قرن اول کا امتیازی خاصہ اور کامیابی کا ذریعہ بنی اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور اسلام کے اپنے اعضا اس سے برگشتہ ہو کر دشمنوں کو مدد پہنچاتے تو اسلام کے غالب آنے کی صورت نہ تھی اس وقت کا یہ مارشل لا بالکل قرین مصلحت تھا مگر اب دیکھو کہ بعد میں کیا صورت پیش آئی۔

کشمکش کی طوالت

اب اگرچہ وہ زمانہ گذر چکا جبکہ اسلامیوں میں ہر چھوٹا بڑا ایک ہی

+ جہاد کیلئے جو شروط و لوازم ہیں اور آغاز اسلام میں جن ضرورتوں سے جہاد کی طرف اقدام کیا گیا انکا مفصل ذکر میری کتاب دین و دولت میں ہوا ہے یہاں اس مسئلہ کی تفصیل دینے کی ضرورت نہیں۔

رنگ میں رنگا ہوا اور ہر فرد بشر صداقت کو پھیلانے اور دنیا سے فتنہ وفساد دور کرنے کی دُھن میں لگا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی جو تخم بویا گیا تھا برگ و بار لے آیا تھا اور ہر چند اقتضائے زمانہ سے بعض شاخیں سوکھکر کانٹا بھی ہوگئیں مگر بہت سی تازہ کونپلیں پھوٹ پھوٹ کر گلشت اسلام کو سرسبز رکھنے کا کام دیتی رہیں اور صداقت کی جس چاشنی سے لوگوں کے کام ودہان آشنا ہو چکے تھے اس سے لذت اٹھانے اور دوسروں کو اس ذائقہ سے آشنا کرنے کا کام کسی خطہ میں اور کسی وقت میں زیادہ اور کسی ملک میں اور کسی زمانے میں کم ہوتا ضرور رہا اور اسلام کی روشنی دنیا کے دور دراز حصوں تک پھیلتی چلی گئی اور جہاں جہاں یہ نور پہنچا تاریک دنیا اسکی چمک سے خیرہ ہوکر بوکھلائی اور کمزور نظر والے اس کے خلاف ہاتھ پیر مارنے کے لئے اُٹھتے چلے گئے اور ایسے سیاہ بادلوں کا جھوم جھوم کر آنا روشنی کو اپنی طرف بلانے کا متقاضی ہوتا رہا۔ جس طرح سندھ کے راجا نے مسلمان تاجروں کو لوٹ کر خلافت دمشق کو سزا دینے پر آمادہ کیا اور جس طرح دربار غزنی کی ترقی دیکھکر پنجاب کے راجا نے خود یورش کی اور مسلمانوں کو بھڑکایا جہاں جہاں اسلام کی آواز پہنچی ہے ہمیشہ یونہی ہوتا رہا ہے اور اسلام پر تلوار کے زور سے پھیلنے کا جو الزام مخالفین دنیا نے مانا ہوا ہے۔ اس کا سبب اکثر و بیشتر یونہی پیدا ہوا ہے کہ اسلام کے مبلغ جس ملک میں پہنچتے رہے ہیں اہل ملک انہیں ستانے اور ان کی آواز کو خاموش کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں اور اس کشمکش میں ہمیشہ ہی صداقت غالب آئی ہے اور ملک پر اسلام کا تسلط ہوگیا ہے پھر ان کے ہمسائے چونک پڑے ہیں اور کبھی اسلامی قافلوں کو لوٹ کر کبھی حملہ آور ہوکر اور کبھی سرحد پر فوجوں کی نقل وحرکت سے چھیڑنے کی ابتدا کی ہے اور اسلامی شیر سمجھ گئے ہیں کہ غفلت و ذلت کو برداشت کرنے میں قباحت زیادہ ہوگی اور جہاں قدم جما چکے ہیں وہاں سے بھی ہٹنے پڑینگے اور اس طرح دشمن کو دلیر کرتے جائیں تو پسپا ہوتے ہوتے فنا ہو جائینگے اپنی ہستی کو قائم رکھنے کا یہی اصول ہے جس پر کاربند ہو کر اسلامیوں کو تلوار اٹھانی پڑتی ہے اور دشمن کی مزاحمت نے اسلام کو آگے سے آگے بڑھنے کا رستہ دکھایا ہے۔ ان حالات میں جبکہ مسلمانوں کو ایک مزاحمت کے بعد دوسری مزاحمت کا مقابلہ پے درپے کرنا پڑتا تھا اسلامیوں کی حیثیت وہی جنگ آورانہ حیثیت تھی اور وہ ہمیشہ برسرپیکار رہنے کے سبب مجبور تھے کہ جس شخص کو

اپنی جماعت سے علیحدہ ہوتے دیکھیں اس کو دشمن سے ملنے اور اندرونی حالات کی خبر وہاں تک پہنچانے کا موقع نہ دیں یا اس میں تساہل روا رکھیں تو اپنی تباہی کا باعث خود بنیں۔

خودغرضی کا زمانہ

ایک عرصہ کے بعد اس کیفیت کو زوال آیا۔ باطل سے نفرت اور صداقت سے محبت کرنے والوں کو دنیا پر غلبہ ضرور حاصل ہوتا ہے لیکن دنیا پر تصرف کرنے کے بعد اس کی طرف رغبت اور اعمال خیر سے بے پروائی بھی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ انقلاب ہوتا ہے تو پہلے امرا مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا — جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی گاؤں کو تباہ کریں
فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا — تو دولتمندوں کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ گناہ میں
تَدْمِيْرًا ٥ (بنی اسرائیل پ۱۵ ع۲) — مبتلا ہوں۔ پھر ہمارا حکم چلتا ہے اور انکو ہلاک کر دیتے ہیں

ان لوگوں کی تقلید عوام الناس کرنے لگتے ہیں ایک عرصہ کے بعد تمام قوم قعر مذلت میں گر جاتی ہے۔ یہی تمام دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ یہی مسلمانوں کے ساتھ ہونا مقدر تھا چنانچہ ہوا۔ اہل حکومت اسلامی شان سے دور جا پڑے۔ شاہ و گدا میں امتیاز ہونے لگا۔ نسل اور خاندان پر فخر ہونے لگا اسلامی اخوت کی قدر جاتی رہی اور خالص اسلامی ضرورتوں کو مدنظر رکھنے اور دنیا سے فتنہ و فساد مٹانے کی بجائے جدال و قتال کی بنیاد ہوس ملک گیری اور تمنائے کشور کشائی پر رکھی گئی۔ خطہ خطہ کی حکومت جدا ہو گئی۔ آپس میں خونریزیاں ہونے لگیں اور کسی کو ایک دوسرے سے ہمدردی نہ رہی ٭

مذہبی ہمدردی اور اغیار کا اندیشہ

اس انقلاب کے اثنا میں جو ایسے افسوسناک انجام تک پہنچا مسلمان فرمانروا اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں مصروف تھے اور عداوت یا دوستی کی بنیاد اپنے ملکی مصالح اور اپنے شاہانہ مقاصد پر رکھتے تھے یہی کام دنیا کے اور فرمانروا بھی کرتے تھے اور آج تک کرتے ہیں مسلمان انہی کے نقش قدم پر چلنے لگے تو چاہیے تھا کہ مذہبی منافرت باقی نہ رہتی اور اغیار مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ستانا چھوڑ دیتے مگر ایسا نہ ہوا مسلمان فرمانرواؤں نے اسلامی جذبات اور مذہبی اغراض کو ٹھکرا دیا پھر بھی غیروں نے مسلمانوں کا کینہ جو دل سے نہ نکالا تو اس لئے کہ جیسا

پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اسلام غریبوں کے دل میں پیدا ہوا تھا آئندہ بھی غریبوں ہی کی وساطت سے اشاعت پاتا اور دور دور تک پھیلتا رہا اور گو امراء نے اسلامی قومیت کے خیال کو پس پشت ڈال دیا مگر غربا کے دل پر اس کی گرفت ایسی مضبوط رہی کہ آجتک بھی مسلمانوں پر مغرب کے اندر کوئی مصیبت آتی ہے تو مشرق والے اس کی خبر سے بلبلا اٹھتے ہیں اور مالی مدد پہنچانے کی مثالیں ایک طرف وہاں پہنچکر جان فدا کرنے کی تمنا بھی اکثر مسلمانوں کو بے چین کر دیتی ہے مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے ستانے اور مال و جائداد سے بے دخل کرنے پر چونکہ اسلام میں جہاد کا حکم موجود ہے۔ اس لئے ایک ملک میں ایسے واقعات کے رونما ہونے پر دیگر ممالک کے مسلمان استطاعت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں اس اسلامی فریضہ کو بجالانے کی خواہش اپنے دل میں موجزن پاتے ہیں اور اغیار دیکھتے ہیں کہ عیسائی دنیا میں باوجود ایک مذہب رکھنے کے ان کی دو قوموں کے اندر اگر کوئی منافرت اور عناد موجود ہے تو ایک قوم کا بچہ بچہ دوسری قوم کا دشمن ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ تیسری قوم کے خلاف جب ضرورت پیش آئے متحد ہو جاتے ہیں مگر جہانتک اپنے قومی مفاد کا تعلق ہوتا ہے ایک قوم کو دوسری قوم سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی باہمی کاوشوں سے بسا اوقات کسی اسلامی سلطنت کو فائدہ پہنچ جاتا ہے اور دوسری طرف اسلامی ممالک کے فرمانروا قومی اتحاد کے خیال سے بالکل نابلد اور ذاتی اغراض کے باہمدگر برسر پرخاش رہتے ہیں مگر ان کے عام طبقہ کو تمام دنیا کے مسلمان بھائیوں سے محبت ہے کسی ملک کی حالت بہتر سنتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور مصیبت کی خبر سے بے قرار ہو کر ہر امداد کے لئے جو ممکن ہو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ مسلمانوں کے اندر قرنہائے دراز سے فرقہ بندی کی بلا گھر کئے ہوئے ہے اور شیعہ سنی کی دیرینہ کاوش اور دیگر فرقہ ہائے جدید کی تازہ منافرت اسلامی مدعا کو بہت بڑا نقصان پہنچاتی رہی ہے مگر ان خیالات کو بھڑکا کر جدال و قتال کی نحوست بھی اکثر خود غرض حکام اور جاہ پسند لیڈروں کی بد باطنی سے پیدا ہوتی رہی ہے۔ ورنہ اب تک بھی کسی ملک پر عام بلا نازل ہوتی ہے تو ایران کے شیعہ۔ ترکی کے سنی یمن کے خارجی اور دیگر مختلف فرقوں کے عوام الناس متاثر ضرور ہوتے ہیں اور جب قوم کے ہاتھوں سے ایسی بلا نازل ہوتی ہو کہ اپنے

دلوں کو اس کی شکایت سے لبریز پاتے ہیں۔ اگرچہ اسلام کا یہ پاک جذبہ اور اس کی عالمگیر اخوت کم سے کمتر ہوتی جارہی ہے اور موجودہ زمانے میں مغربی تہذیب کے اثر سے نسلی اور خاندانی جذبات پیدا ہوگئے اور ترک۔ عرب۔ ایرانی اور افغانی دوسروں کے درد سے بے پرواہ ہوکر اپنے فلاح کی خیر منانے لگے ہیں مگر جب تک دنیا میں اسلامی ہدایت موجود ہے اور جب تک مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کو باہمدگر بھائی سمجھنے کا حکم خدا و رسول کے الفاظ میں دنیا کو سنایا جارہا ہے دور اندیش اغیار مسلمانوں کی موجودہ پستی اور مذہبی بے پروائی سے مطمئن نہیں ہوسکتے اور ان کو عاجز اور بے دست وپا کرنے کی کوششوں سے باز نہیں رہ سکتے +

سزائے ارتداد کا صحیح مفہوم

اغیار کے اندر ایسے ناپاک جذبات کا ثبوت اسلام کے خلاف ہمیشہ ملتا رہا ہے اور جب تک انکے قلوب میں کینہ و عداوت موجود ہے اس اثنا کے اندر اگر کسی اسلامی خطہ میں احکام شریعت کا احترام اور قوانین مذہب کے مطابق عملدرآمد کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے تو آسانی سے قیاس ہوسکتا ہے کہ اغیار کی طبائع میں کیسا کچھ طوفان پیدا ہوگا اور وہ کیسی کیسی خوفناک تدبیروں سے ایسے مسلمانوں کو تباہ اور ان کے اعضاؤ جوارح کو قطع و برید کرنے کی مخفی اور علانیہ کوششیں کرینگے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کے اندر جو لوگ ان کی ترغیب و تحریص سے یا اپنے قلبی میلان سے اسلام کو خیرباد کہکر اغیار کی جماعت میں شامل ہونگے وہ انکی پشت گرمی سے مسلمانوں کو کیسے کیسے نقصان پہنچا سکینگے اس لئے فرمان بارگاہ رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق (مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ۔ اَخْرَجَهُ الْبُخَارِي عَنِ ابْنِ عَبَّاسؓ) اس قانون کو موجود رکھنا ضروری ہے مگر اس کا مفہوم احکام قرآنیہ کی روشنی میں معین کیا جائیگا سردست یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرمان نبوت کے الفاظ عام ہیں یہودی عیسائی ہوجائے عیسائی یہودی ہوجائے مجوسی اور بت پرست اسلام کے سوا کسی اور مذہب کا پیرو ہوجائے سب اس حدیث کے تحت میں آسکتے ہیں استثنا صرف اُس شخص کا ہوسکتا ہے جو اپنا مذہب بدلکر مسلمان ہوجائے۔ کیونکہ اسلام میں داخل کرنا خود مدعائے اسلام ہے۔ اچھا تو اگر مسلمانوں کی جنگ عیسائی قوم سے

ہو اور کسی یہودی جماعت سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو اور وہ جنگ میں مسلمانوں کے طرفدار ہو کر شریک ہوں اور اس اثنا میں کوئی یہودی عیسائی ہو کر مسلمانوں کو چھوڑ تا اور عیسائی فوج میں شامل ہونا چاہے تو گذشتہ اور موجودہ قانون جنگ کے مطابق ایسا شخص واجب القتل ہے اور اس کی شرعی دلیل اسی حدیث کو قرار دے سکتے ہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ اس امر کا بھی امکان ہے کہ مسلمان خود مسلمان باغیوں سے جنگ کرتے ہوں اور کوئی عیسائی جماعت معاہدہ اتحاد کے مطابق مسلمانوں کی طرف دار ہو۔ اس جماعت کا کوئی شخص باغی جماعت سے کسی طرح کی امید رکھتا ہو اور عیسائی سے مسلمان ہو کر انسے ملنا چاہتا ہو۔ اس حالت کے اندر اس کا مسلمان ہونا بھی خالی از علت نہیں اس کی شرارت سے نجات پانے کے لئے بھی یہی حدیث کارآمد ہے۔ مگر حدیث کا یہ مفہوم کہ ہمیشہ مرتد کو قتل کر دیا جائے ابھی غور طلب ہے +

ارتداد کے احکام

قرآن کریم کی ایک آیت میں کفر و ایمان کے ردو بدل سے قلب میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا اظہار کیا گیا ہے کہ بار بار کفر و ایمان کو بدلنے سے قلوب ایسے سخت ہو جاتے ہیں کہ پھر ہدایت کا رستہ دیکھ نہیں سکتے۔ ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ	جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہوں پھر ایمان لائیں
کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ	پھر کافر ہوں اور کفر میں سخت ہو جائیں خدا ان کی مغفرت
لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ہ (نسا پارہ ۵ ع ۱۷)	نہیں کرتا نہ انکو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔

ایک آیت میں قلبی کیفیت اور انجامی عقاب کا ذکر ہے کہ لوگ اس صورت میں قبول توبہ کی صلاحیت ضائع کر دیتے ہیں اور عذاب سے نجات نہیں پا سکتے۔ ارشاد ہے:-

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا	جو لوگ ایمان کے بعد کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی
کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ	کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ یہ لوگ گمراہ ہیں
الضَّآلُّوْنَ ہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا	جو لوگ کافر ہوں اور کفر کی حالت میں مر جائیں تو زمین
وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ	کے برابر سونا دے ان میں سے کسی کا قبول
مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط اُولٰٓئِکَ	[illegible]

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ (آل عمران پارہ ۳ - ع ۹)	کوئی مددگار نہ ہوگا۔

ایک آیت میں ارتداد کی سزا کا ذکر ہے اور فرمایا ہے کہ انکے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور دائمی عذاب پاتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۷)	جو شخص تم میں سے مرتد ہو جائے اور کفر کی حالت میں مرجائے ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہینگے۔

ایک آیت میں کمی کے ارتداد سے جو رنج مسلمانوں کو پہنچتا ہے اس کو دور کیا گیا ہے اور تسلی دیگئی ہے کہ تم افسوس نہ کرو خدا تعالیٰ ترقی کے اور وسائل پیدا کر دیگا۔ ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ط (مائدہ پارہ ۶ ع ۸)	اے ایمان والو جو شخص تم میں سے دینداری کے بعد مرتد ہو جائے (تو افسوس نہ کرو) خدا کبھی نہ کبھی ایسے لوگ پیدا کر دیگا جن سے محبت کریگا اور وہ خدا سے محبت کرینگے مومنین کے آگے فروتنی کرینگے کفار پر غالب ہونگے۔ خدا کے رستہ میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرینگے۔

ان سب آیات میں ایمان ترک کرنیکے بعد جو سختی دل میں پیدا ہوتی ہے جس قدر استحقاق رحمت سے محرومی ہو جاتی ہے جو سزا دار آخرت میں اس پر مرتب ہوتی ہے اور کسی کے ترک ایمان سے اسلامی جماعت میں کمی آنے کی جو تلافی حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے ان سب کا ذکر کیا گیا ہے مگر یہ نہیں فرمایا کہ مرتد کو سزا کا ایک حصہ دنیا میں بھی ملنا چاہئے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ ہدایت و گمراہی کا تفاوت روشن ہو گیا ہے۔ دین میں جبر کی ضرورت نہیں۔ ارشاد ہے:۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (بقرہ پارہ ۳ ع ۳۴)	دین میں کوئی جبر نہیں نیکی اور گمراہی ظاہر ہو گئی ہے پس جس نے شیطان سے منہ پھیرا اور خدا پر ایمان رکھا اس نے مضبوط رسی کو پکڑا۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ خدا کی طرف سے حق ظاہر ہو چکا اب جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے۔ ارشاد ہے:

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ
شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ
بِهِمْ سُرَادِقُهَا (کہف پارہ ۱۵ ع ۴)

کہدو کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ظاہر ہو گیا اب
کوئی چاہے ایمان لائے اور چاہے کفر کرے۔ ہم نے ظالموں
کے لئے آگ تیار کی ہے جس کے خیمے انکو گھیر لینگے۔

اس آیت میں کفر کا لفظ عام ہے پہلے سے مبتلا ہونا اور ایمان کے بعد کفر کی طرف رجوع کرنا دونو داخل ہیں اور دونو کی سزا نار جہنم ہے۔ دنیوی سزا کا ذکر نہیں۔

سزائے قتل عام کا قاعدہ

مگر قرآن کو دنیا میں لانے والے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار سے جو فرمان نافذ ہوا ہے اس کو بسر و چشم تسلیم کرنا بھی شرط ایمان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتد کے قتل کا حکم دیتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ بالعموم انسان کو قتل کرنے کا حکم کس صورت میں دیا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي
الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (پارہ ۶ مائدہ ع ۵)

جو شخص کسی شخص کو قتل کرے بغیر قصاص کے یا دنیا میں فساد
کرنیکے پس گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دو صورتوں کے سوا قتل انسان کا ارتکاب تمام نوع انسانی کو فنا کرنے کے برابر ہے۔ قتل کی واردات ہو تو قاتل سے قصاص لے سکتے ہیں یا جو لوگ فساد پھیلاتے ہیں انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ اس آیت سے حدیث کے عام الفاظ کو مشروط کرنا ہوگا اور مرتد کو اسی صورت میں قتل کیا جائیگا جبکہ یقین ہو کہ وہ دشمنان دین کے ساتھ ملکر کسی طرح سے فتنہ و فساد کا دروازہ کھولیگا اور اسلامیوں کے قومی اغراض کو نقصان پہنچائیگا۔ ایسے شخص کی زیست کو قومی بہبود پر قربان کرنے اور فتنہ عظیم کا دروازہ بند کرنے کی ضرورت سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مبارک زیست میں ایسے ہی مرتدین سے سابقہ پڑا ہے جو دین سے برگشتہ ہو کر دشمنان دین کو قوت پہنچانے اور فتنہ پردازی کی آگ کو اور مشتعل کرنے کا باعث ہوئے ہیں اور شر انگیزی و باطل کوشی کی جو کیفیت اس وقت تھی اس میں آجتک شکل بدلنے کے سوا کوئی تفاوت پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس وقت علانیہ عداوت تھی جس کا مقابلہ نسبتًا آسان تھا۔ آج دوستی کے پردہ

ہیں امن پسندی کی آواز بلند کرتے ہوئے ریشہ دوانی اور فتنہ پردازی کے منصوبے پورے کئے جاتے ہیں جن کے مخفی اور پیچیدہ نتائج کو تشخیص کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عام اصول معین فرمادیا کہ مذہب تبدیل کرنے کی مضرتوں سے غافل نہ رہو اور فتنہ کا دروازہ کھلتے ہی اسے بند کرنے کے لئے تیار رہو جاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں سیاست کے عام قاعدہ کو جو قرآن میں بوضاحت مذکور ہے فراموش کرنا جائز نہ ہوگا اور شر و فساد کا ثبوت مہیا کرنے کے بغیر قتل کا حکم نہ دیا جائیگا۔

میلانِ قلب کا احترام

پس دنیا میں جب تک قومی رقابت و عداوت موجود ہے اور جب تک کینہ و عداوت کے جذبات سے اقوام عالم کے دل صاف نہیں ہوتے مسلمانوں کو اس قانون کے بحال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی قومیت کا انحصار ہی مذہب پر ہے اور آجتک اہل دنیا نے بھی مہذب ہوں یا وحشی اور کسی مذہب کے پابند ہوں یا آزاد دنیا نے مسلمانوں کو ایک قوم سمجھا ہے اور اپنے دلوں کو ان کی نسبت قریباً کینہ و عداوت سے خالی کرنیکا موقع نہیں پایا۔ البتہ جو شخص محض اپنے قلبی میلان سے مذہب بدلتا ہے اور شر و فساد کی آگ بھڑکانے سے سروکار نہیں رکھتا حکم قرآن کے مطابق اس کو قتل کرنا نوع انسانی کو برباد کرنے کے برابر ہے۔ ایسے فعل کو قانون کہنے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ اور جس مذہب نے مختلف طبعی میلانوں کا احترام ملحوظ رکھکر خدا کی تعظیم بجالانے کا رستہ دکھایا ہی اور کوئی انسان کوئی حیوان۔ کوئی درخت اور کوئی پتھر ذلیل سے ذلیل مخلوق جس کو کسی انسان کی طبیعت نے خدائی عظمت و جلال میں شریک سمجھ لیا ہے جس مذہب نے اس کو برا کہنے سے باز رکھا ہے۔ ارشاد ہی:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	خدا کے سوا جس جس چیز کو خدا مانکر پکارا جاتا ہی اسے تم برا
فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (انعام پ ۷ ع ۱۳)	نہ کہو۔ وہ زبردستی اور نادانی سے خدا کو برا سمجھینگے۔

اور جس مذہب نے عداوت کے وقت بھی دشمن کے ساتھ انصاف کرنے کی تاکید کی ہی اور فرمایا ہی:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا	کسی قوم کی عداوت تمکو ترغیب نہ دے کہ بے انصافی کرو
اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط (پارہ ۶ مائدہ ع ۲	انصاف کرو یہی پرہیزگاری (خوف خدا) کا قریب ترستہ ہی۔

اور جس مذہب نے مذہبی عداوت پیدا ہونے اور خانہ کعبہ سے ہٹائے جانے کے وقت زیادتی کرنے

کی ممانعت کی ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا (پاره ۶ مائده ع ۱)

کسی قوم کی عداوت جبکہ اس نے تم کو مسجد حرام میں جانے سے روکا ہو تمکو تعدی کرنے کی ترغیب نہ دے۔

ایسا پاک مذہب کسیکو محض میلان قلب کے بدلنے اور نور سے ظلمت کی طرف چلے جانے پر جبکہ وہ قتل یا فساد کا مرتکب نہ ہو قتل کرنے کا روادار نہیں ہو سکتا۔ حکم رسول علیہ السلام کی اطاعت عین ایمان ہے مگر اس کو احکام قرآنیہ کی روشنی میں دیکھنا بھی مسلمان پر فرض ہے۔ دین کے بدلنے پر جو قتل کا حکم ہے وہ قرآنی ہدایت کے مطابق قتل یا فساد سے مشروط ہوگا۔ جہاں یہ شرط پائی جائے وہاں حدیث کے عام الفاظ کو پیش نظر رکھکر عیسائی سے مسلمان ہونے والا بھی قتل یا فساد کا محرک ہو تو اسے قتل کر دیا جائیگا مگر ایسا احتمال نہ ہو وہاں مسلمان عیسائی ہو جائے تو قرآنی بشارت کے مطابق امید کی جائیگی کہ اس ایک خار کی جگہ کئی گل تازہ شگفتہ ہونگے۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ۔

باب شانزدہم

حریت عمل

حریت عمل کا اصول

یہاں تک جن امور کو زیر بحث لایا گیا ہے ان کے حسن و قبح کو دیکھکر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے تمام معاملات میں اہل اسلام کو اپنی روش بدلنے اور اپنے مذہب کے چہرہ پر سے نقاب اتارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ بہت سے فواحش اور فضولیات ہیں کہ اہل دنیا کو ان کے ارتکاب سے باز آنا چاہئے اور اسلامی تعلیم سے مستفیض ہو کر ان کو اپنے مسلک سے خارج کرنا چاہئے اور اگر انصاف پسندی کا دنیا میں کوئی وجود ہے تو ان کو اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ مگر امور مذکورہ کے سوا اور معاملات میں اور دنیا کی جدید ضروریات کے اندر اپنی پی

مصلحت کے مطابق قانون بنانے کا اور اس میں ردّ و بدل کرنے کا جو اختیار اہل دنیا اپنے لئے مخصوص کرتے ہیں اس میں اہل اسلام برابر کے شریک ہیں۔ البتہ قانون بنانے اور جائز ناجائز میں تمیز کرنے کیلئے ان کو ایک اصول بتایا گیا ہے اس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتے جو حدود مقرر ہیں ان کے اندر رہ کر ہر طرح کی جولانیاں دکھا سکتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ
هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا
خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ
رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ
تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
(پارہ ۸ اعراف ع ۴) ۔

کہہ دو کس نے حرام کیا ہے خدا کی پیدا کردہ زینت
کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے موجود کی ہے اور کس
نے حرام کیا ہے، پاکیزہ رزق کو۔ کہہ دو یہ ایمان
والوں کے لئے ہیں دنیا میں اور قیامت کے دن
خاص انہی کے لئے ہیں۔ ہم جاننے والوں کے لئے
اسطرح احکام کی تشریح کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ حرام صرف
بیحیائی ہے پوشیدہ ہو یا ظاہر اور گناہ اور حق سے
زیادہ خواہش اور یہ کہ تم خدا کے ساتھ شرک کرو
جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہ کہ خدا کی طرف
وہ امور منسوب کرو جس کا تم کو علم نہیں ۔

یہاں اعمال دنیا میں سے بیحیائی۔ گناہ اور اپنے حق سے زیادہ طلب کرنے کی ممانعت ہے۔ بے شرمی کا کام بر سر عام کیا جائے یا پس پردہ، کسی طرح اجازت نہیں۔ اثم یعنے گناہ کی اصطلاح بہت وسیع ہے مگر آگے بیحیاستانی پر زیادہ زور دیا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ چوری۔ ڈاکہ تغلیب وغیرہ جرائم بیحیاستانی میں شمار کئے جائینگے اور قمار بازی جیسے افعال جن میں شریک ہونیوالا دوسرے کا گلا کاٹنا چاہتا ہے مگر بالآخر خود اپنا گلا کٹواتا ہے یا شراب خواری جیسے اعمال جن کا ارتکاب کرنے والا خود اپنے ساتھ دشمنی کرتا ہے خلق خدا کی مصیبت سے بے پروا ہونا جس سے دل کی سختی زیادہ ہوتی ہے خدا کی یاد سے غافل ہونا جس سے روح تاریک ہوتی ہے ایسے تمام جرائم اثم کے تحت میں داخل ہونگے۔ جو راحت حاصل کی جائے، جو لطف اٹھایا جائے جو روش اختیار کی جائے، جو مسلک پسند کیا جائے، جو قانون بنایا جائے سب کو اسلامی

تعلیم کے مطابق اس قسم کی تمام حرکات سے پاک رکھنا ہوگا۔ امور جہانبانی اور قواعد تمدنی کو احکام مذہب سے آزاد رکھنا۔ خدا کا نام لینے کی بجائے عزت کی قسم کھانے کو رواج دینا مذہبی تحریک کو نابود کرنے کی سعی کرنا جو سنا جاتا ہے کہ دنیا کے بعض خطوں میں پسند کیا گیا ہے آیت کے باقی الفاظ ان بداطواریوں سے متنبہ کرتے ہیں کوئی قوم اگر اسلام کی پابند ہو تو ایسی آزادی کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتی۔ ان حرکات سے خالی ہو ان جرائم کی آمیزش نہ ہو تو ہر ایک زینت جو پیدا کی گئی ہے اور ہر ایک رزق جو عطا کیا گیا ہے اس سے کام لینے کی اجازت ہے

لوازم دنیا کی ترغیب

نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا گیا کہ راہبانہ زندگی اور لذائذ دنیا سے اجتناب جو لوگوں نے شرط پارسائی سمجھ رکھا ہے حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا حکم کبھی نافذ نہیں ہوا۔ ارشاد ہوا

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً	ہم نے معتقدین مسیح علیہ السلام کے دل میں محبت اور مہربانی
وَرَحْمَةً ط وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا	اور ترک دنیا کو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے ان پر فرض
كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ	نہیں کیا۔ صرف خدائے پاک کی رضامندی حاصل کرنی انہوں نے
اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید پارہ ۲۷ ع)	ٹھہرایا تھا اسکو انہوں نے جیسا چاہئے مد نظر نہ رکھا۔

اور* متعدد مقامات پر ترغیب کی اور شکل اختیار کی گئی ہے مثلاً فرمایا ہے:۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ	کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے تمہارے تصرف میں دیا
وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ	ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تم پر
ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (پارہ ۲۱ لقمان ع)	اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں مکمل کی ہیں۔

یہ ذکر قرآن کریم میں اکثر آیا ہے کہ زمین تمہارے زیر فرمان ہے۔ سمندر دریا اور پہاڑ تمہارے زیر فرمان ہیں۔ نباتات اور حیوانات تمہارے زیر فرمان ہیں۔ آفتاب ماہتاب تمام سیارے بلکہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب تمہاری اطاعت میں دیا گیا ہے۔ تمہارا مٹی سے پیدا ہونا انسانی شکل اختیار کرنا۔ تمہارے اندر تمام جانوروں کے اندر بلکہ ہر چیز کے اندر زندہ مادہ کو تشکیل

---

* ان مضامین کو دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔ پارہ اعراف ع۔ پارہ رعد ع۔ پارہ ابراہیم ع۔ پارہ نحل ع۔ پارہ ۲۱۔ روم ع۔ پارہ ۲۵۔ زخرف ع۔ پارہ ۲۵۔ جاثیہ ع، وغیرہ۔

دنیا۔ تمہارے رنگ اور زبان کا مختلف ہونا۔ زمین کے طبقات کا۔ زمین کی روئیدگی کا۔ زمین کے ثمرات کا رنگ ذائقہ اور شکل میں متفاوت ہونا سب کچھ تمہارے لئے غور و فکر کا سامان ہی۔ رات اور دن بدلتے ہیں رات اور دن کے کام مختلف ہوتے ہیں۔ آفتاب ماہتاب اپنا اپنا اثر پیدا کرتے ہیں۔ بارش سے زمین زندہ ہوتی ہی۔ ذلیل مکھی سے لذیذ اور مصفٰے شہد پیدا ہوتا ہی سمندر سے تازہ گوشت اور زینت کی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ بجلی ڈراتی بھی ہی اور کئی طرح کے فوائد کی امید بھی پیدا کرتی ہی۔ یہ سب نعمتیں تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ دنیا والوں نے اپنی ضرورت کیلئے ان سب چیزونکو دیکھا۔ ان تمام انقلابوں سے نتائج نکالے اور فوائد حاصل کئے مسلمانونکو خود خالق کائنات بشارت دیتا ہی کہ زمین و آسمان کی سب چیزیں تمہیں عطا کی گئی ہیں۔ انمیں غور و تامل کرو۔ انپر عمل کرنیوالے قوانین قدرت کو سمجھو۔ انسے کام لینے کا طریق ایجاد کرو۔ اور راحت و لذت کا لطف اٹھا کر اپنے رب بے نیاز کی بے انتہا نعمتوں کا شکر بجا لاؤ +

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

دنیا والونکو بعض بعض چیزیں اتفاق سے معلوم ہو گئی ہیں اور انسے کام لیا ہی تو فائدہ اٹھایا ہی بعض چیزونپر اپنی حاجتوں سے بیقرار ہو کر ہاتھ ڈالا ہی کچھ کام بنگیا ہی تو اسے برتنے لگے ہیں۔ کامیابی ہو گئی تو بعض چیزوں کے تجربے کا خیال پیدا ہوا ہی غلط تجربے سے نقصان اٹھایا ہی۔ رد و بدل کرتے ہوئے صحیح طریق معلوم ہو گیا ہی تو فائدہ لیا ہی۔ گرد و پیش کی چیزونکو دیکھ چکے ہیں تو نظر آگے پہنچی ہی زمین کو جہانتک ہو سکا ہی دیکھ ڈالا ہی تو آنکھ اوپر کو اٹھائی ہی ہوا میں اڑنیوالے پرندے فضا میں چلنے والی ہوائیں اور آسمان پر چمکنے والے ستارونکو دیکھنے لگے ہیں سب سے کچھ نہ کچھ کام نکالا ہی تو عقل انسانی نے فیصلہ کیا ہے کہ جو چیزیں گرفت سے باہر ہیں ان میں بھی کچھ فوائد ہونگے مسلمانونکو خود پروردگار عالم نے بتایا ہی کہ مخلوق سب تمہارے حکم میں ہے اور اس میں کوئی چیز بے مصرف نہیں ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرو اور قدرت ربانی کا تماشا دیکھو۔ ارشاد ہے:-

آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش میں اور رات	اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کیلئے نشانات ہیں	الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ
انکے لئے جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے ہیں	یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ پارہ ۴ آل عمران ع ۲۰

اور آسمان زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں کہتے ہیں الٰہی تونے انکو بیکار پیدا نہیں کیا تو پاک ہے ہمکو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

مناظر قدرت اور سامان عبرت

دنیا والوں نے کوشش کرنے میں کمال دکھایا ہے رات دن مصروف رہے ہیں بہت غور و [illegible] قوائے بہیمیہ کو تسکین ہوگئی ہے تو قوائے عقلیہ نے بیدار ہو کر اپنی ضرورتیں پیش کی ہیں جو چیزیں ہاتھ لگی ہیں انکے اجزا دریافت کئے ہیں تحلیل و ترکیب کے قاعدے سمجھے ہیں چیزوں کے پیدا ہونے اور پرورش پانے کے اصول مشخص کئے ہیں۔ جو چیزیں حواس سے باہر اور نظر سے پرے ہیں انکو محسوس کرنے اور گرفت میں لانیکے آلات ایجاد کئے ہیں اور ہر چیز کی تہ تک پہنچنے اور اسکے فوائد سے منتفع ہونے کے لئے جو عزم درکار ہے جو محنت ضروری ہے جس جانفشانی کی حاجت ہے اسی طرف کسی بات میں کوتاہی روا نہیں رکھی۔ ایک نے کسی تحقیق میں جان دی ہے تو اسکی جگہ دس اپنے تئیں انہی خطرات میں ڈالنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں اور آئندہ ناکامیوں پر مقابلہ کرنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی ہے۔ اس کے صلہ میں انہوں نے واقع میں اپنے تئیں زمین و آسمان پر نہیں تو زمین اور آسمانی فضا پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیا ہے۔ مگر آہ انہوں نے اس تمام جد و جہد اور ہر گونہ تندہی اور جانبازی کے عوض میں صرف قوائے بہیمیہ اور قوائے عقلیہ کو تسکین دینا مدنظر رکھا ہے اور چونکہ ہر قوت سے پیدا ہونیوالی خواہشیں جس قدر پوری کی جائیں اسیقدر تازہ خواہشیں گوناگوں اشکال سے پیدا ہوتی رہتی ہیں اسلئے وہ لوگ آجتک بہیمی اور عقلی کسی حاسہ کو تسکین نہیں دیسکے اور اپنی مادی ہوس و بیقراری کو دور نہیں کرسکے وہ ہر چیز کو تحلیل کرنے اور اسکے عناصر کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اس کوشش میں دہریت کی حد تک پہنچکر اس امر کے بھی قائل ہوگئے ہیں کہ حقیقی عنصر اور سب چیزوں کی اصلیت ایک مخفی قوت کے سوا کچھ نہیں مگر حیرت ہے کہ وہ خود اپنے تئیں تحلیل نہیں کرسکے اور اپنے عناصر میں سے بہیمیت و عقل کو دیکھکر ایسے فریفتہ ہوئے ہیں کہ اپنے غیر مادی عنصر یعنی روح کو سمجھنے کی فرصت نہیں پاسکے اور اسکی قوتوں کو بیدار کرنے اور روحانی خواہشوں کو تسکین دینے کی طرف قدم نہیں اٹھاسکے وہ قدرت کے بیشمار مظاہر کو دیکھ چکے ہیں اور اسکی صناعیوں کا اسقدر اظہار کر چکے ہیں کہ اگر درختوں میں نشو و نما کی قوت اور [illegible]

میں اُبلنے والے چشموں کی کثرت نہ ہوتی تو شاید آجتک قلم بنانے کیلئے شاخ اور روشنائی پیدا کرنے کیلئے پانی موجود نہ رہتا۔ مگر آہ اُنکے تمام دفتروں میں کہیں صانع قدرت اور خالق کائنات کا نام بھی نہیں آنے پاتا۔ اسکے خوف سے دلمیں لرزہ اور اسکی محبت سے قلب میں جوش پیدا ہونیکا ذکر کیا۔ وجہ یہی کہ اُنکے نزدیک قوائے بہیمیہ اور قوائے عقلیہ سے زیادہ انسان کی کائنات نہیں۔ انہی دونوں کی پرورش کرنا اور زمینی زندگی کو کامیاب بنانا اُنکا مدعا ہے مگر مسلمانوں کو حقتعالی نے قرآن کریم میں لذائذ دنیا سے متمتع ہونیکی اجازت اور ترغیب دی ہی۔ اور مناظر قدرت کا جابجا ذکر کیا ہی تو ہر جگہ اس ذکر کے آخر میں تحمید و تقدیس ربانی کی آواز بلند کیگئی ہی کہیں سُبحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُونَ (پارہ ۸ انعام ع ۱۳) فرمایا گیا ہے کہیں تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یُشرِکُونَ (پارہ ۱۴ نحل ع ۵) ارشاد ہوا ہی۔ اور کہیں سُبحَانَ الَّذِی (پارہ ۲۳ یسین ع ۳) کے لفظ سے مناظر قدرت کا ذکر شروع کیا ہی۔ یہ ذکر مختلف مقامات پر نہایت کثرت سے ہوا ہے اور اسی قسم کے جملوں سے صنائع قدرت دکھا کر صانع کی عظمت دل میں بٹھانیکی کوشش کیگئی ہی +

اہل علم کی فضیلت

ہدایت کیلئے صرف انہی اشارات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مناظر قدرت کا ہر گونہ علم حاصل کرنیکی تلقین براہ راست بھی کیگئی ہی۔ ایک موقع پر آسمان زمین کی پیدایش کا لیل و نہار کے تبدل کا شمس و قمر کی رفتار کا۔ نر و مادہ کی تشکیل کا اور بطن مادر کی تہ بتہ تاریکیوں میں نطفہ کے تکمیل پانیکا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہی اور آخر میں فرمایا ہی کہ صحیفۂ قدرت کو عالمانہ نظر سے دیکھنے والے اور ان علوم سے بےنصیب رہنے والے برابر نہیں ہوسکتے اہل دانش ہی عبرت حاصل کرسکتے ہیں ارشاد ہے

قُل ہَل یَستَوِی الَّذِینَ یَعلَمُونَ وَالَّذِینَ لَا یَعلَمُونَ	کہدو کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے برابر ہوسکتے
اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الاَلبَابِ ۵ (پارہ ۲۳ زمر ع ۱)	ہیں عقل والے ہی عبرت حاصل کرسکتے ہیں +

مناظر قدرت اور خشیت

ایک موقع پر بارش کا ذکر۔ ثمرات کے مختلف الالوان ہونیکا ذکر۔ پہاڑوں کا ذکر اور اُنکے اندر سرخ و سفید رستوں کا ذکر۔ انسان اور حیوانات کے مختلف الالوان ہونیکا ذکر آیا ہی تو آخر میں فرمایا ہی کہ حقتعالی کے عظمت و جلال کی ہیبت سے اہل علم ہی ڈرتے اور اسکی بارگاہ سے عزت و مغفرت حاصل کرسکتے ہیں۔ ارشاد ہے:-

اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ	خدا کے بندوں میں سے صرف علما ہی خدا سے ڈرتے ہیں وہ
عَزِیزٌ غَفُورٌ (پارہ ۲۲ فاطر ع ۱۷)	عزت والا اور مغفرت والا ہے ۔

مناظر قدرت اور محبت

ایک موقع پر فرمایا ہے کہ عقلمندوں کیلئے زمین و آسمان کے تمام مظاہر قدرت خداوندی کے نشانات ہیں انکو سمجھ کر خدا کو ماننے والے سب چیزوں سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ ارشاد ہے :۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی	بدلنے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں جو لوگوں
الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ	فائدہ پہنچاتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور
السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ	اس سے زمین کو موت کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے
مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ	اور ہواؤں کی گردش میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ	بیچ بندھا ہوا ہے عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔
الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۵ وَمِنَ	اس علم کے بعد بعض لوگ ایسے ہیں کہ خدا کا شریک بنا
النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا	لیتے ہیں اور ان سے وہ محبت کرتے ہیں جو خدا
یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ	سے ہونی چاہئے۔ اور جو ایمان والے ہیں وہ سب سے
حُبًّا لِّلّٰهِ ۵ (پارہ ۲ بقرہ ع ۲۰)	زیادہ محبت خدا سے رکھتے ہیں۔

مذہب سے بیگانگی اور بے سروسامانی

پس قدرت کے تمام مخفی خزانوں کو دریافت کرنا انکے فوائد و مصالح سے آگاہ ہونا۔ حواس اور شعور سے محسوس ہونا اور انسے پیدا ہونیوالی راحتوں اور لذتوں سے لطف اٹھانا مسلمانوں پر صرف قوائے بہیمیہ و عقلیہ کی ضیافت کرنیکے لئے فرض نہیں ہوا بلکہ اسی کو قوائے روحانیہ کی بیداری اور قرب ربانی کے حصول کا ذریعہ مانا گیا ہے۔ مسلمانوں کی غفلت جمود کا اور تہذیب جدید کی برکات سے محروم رہنے کا سبب یہ نہیں کہ مذہب نے غفلت کی تعلیم دی۔ مذہب کی فیاضی اور وسیع النظری میں شبہ کی گنجائش نہیں اور دنیا کا کوئی مذہب اپنے ماننے والوں کو مناظر قدرت کی طرف متوجہ کرنیکا ایسا اہتمام اور انسے کام لینے کی ایسی تاکید پیش نہیں کرسکتا جیسی قرآن کریم کے اندر موجود ہے۔ نہ معلومات جدیدہ کی خوبی اور اختراعات تازہ کی منفعت رسانی میں کلام ہوسکتا ہے۔ اسکو دنیا مان چکی ہے اور جو لوگ اس رستہ پر گامزن ہوتے ہیں وہ ہر گونہ فوائد و لذائذ سے بہرہ یاب ہورہے ہیں مسلمان بھی بحیثیت مجموعی للچائی ہوئی نظر سے اسکی طرف دیکھ رہے ہیں مگر اور

کا زمانہ ہے۔ ہمت میں قصور ہے عقل میں کوتاہی ہے۔ تہذیب جدید کی خوبیونکو حاصل کرنے میں جس عرق ریزی، جانفشانی اور استقلال کی ضرورت ہو اسکے متحمل نہیں ہوتے۔ کچھ کرنے پر آتے ہیں تو اہل تہذیب کی زبان میں تھوڑی بہت مہارت پیدا کر لیتے ہیں اور اُن کی سوسائٹی میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کو بھی ایسے سادہ لوح گاہکوں کی ضرورت ہے۔ تاجرانہ فوائد حاصل کرتے ہیں اور اپنے سیر و تفریح کے مشغلوں میں شریک کر لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ انکی جیبیں ہماری دوکانوں پر خالی ہونگی خوش کرنے اور کام لینے کے لئے ایسی خدمتگاریوں پر اٹکا دیتے ہیں جن پر ان کے آدمی ہوں تو معاوضہ زیادہ مانگیں یا ذلیل سمجھ کر انکار کر دیں بس اتنا فائدہ پہنچاتے ہیں اور فیشن کے خرچ میں وصول کر لیتے ہیں۔ انکا کاروبار اور کاروبار کے گرانقدر فائدے انکے کمال پر منحصر ہیں وہاں تک رسائی کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ ہوا مشرق مغرب میں یکساں چل رہی ہے جو مسلمان جسقدر قدرت اور اختیار رکھتے ہیں وہ بھی پوست سے گذر کر مغز تک نہیں پہنچتے اور شیر کی کھال اوڑھ کر اپنی گوسفندانہ بے بسی کو چھپاتے ہیں۔ اگر ان پر مذہب کا اثر ہوتا تو کم از کم انکے اندر قومی امتیاز کچھ نہ کچھ موجود رہتا۔ کیونکہ قومیت ہی مذہب سے جدا نہیں اور وہ مذہب میں رہ کر اسلامی قومیت سے بیگانہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ مذہب نہ سہی عقل سلیم ہی رکھتے تو اہل تہذیب سے پہلا سبق اپنے قومی شعار کو قائم رکھنے کا سیکھتے۔ وہ لوگ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر لاچار ہو کر اغیار کے نوکر بھی بن جاتے ہیں مگر اپنی آن بان نہیں چھوڑتے اور ہر انداز سے اپنی قومیت کو نمایاں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہب ایک طرف مسلمان قومیت کا احساس بھی کھو چکے ہیں اور غیر قوم میں مدغم ہونے سے نادم نہیں ہوتے۔ عزت نفس اہل تہذیب کا سب سے ممتاز جوہر ہے مسلمانوں میں یہ بھی نہیں رہا۔

تفہم مذہب اور سرگرمی عمل

اگر کبھی یہ ذہنیت بدلی اور خدا نے مسلمانوں کو عقل دی پاکیزہ مذہب کا تفہم عطا کیا اور زبان سے گذر کر اس کا اثر دل تک پہنچا تو دنیا دیکھیگی کہ صنائع ربانی کو دیکھنے۔ قدرت کے خزانوں کو تلاش کرنے اور خدا کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے میں وہ صرف قوائے بہیمیہ اور عقلیہ کے تقاضے سے مصروف نہ ہونگے بلکہ اس کو اپنے قوائے روحانیہ کی بیداری اور تزکیہ قلب کے سرانجام کا سامان سمجھینگے

وہ جس قدر باریک سے باریک علمی نکات تک پہنچینگے اور جس قدر اعلیٰ سے اعلیٰ فنون پر متصرف ہونگے ان کے دل اسی قدر خدائی عظمت و جلال کے خیال سے لرزینگے اور اسی قدر ولولۂ شوق و محبت سے بیقرار ہوں گے۔ مذہب کا کوئی جزو بیپردہ نہیں ہے۔ یہی اسلام جو دنیا میں موجود ہے اس وقت بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا اور اس کے زیر ہدایت وہ قدرت کی نیرنگیوں میں قادر مطلق کا جلوہ دیکھینگے اور فور شوق سے بدست ہو کر فطرت کی زیادہ سے زیادہ گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرینگے اور جانفشانی کی ہر ایک سعی میں صفائے باطن کا انعام پاکر ہر وقت قدم آگے بڑھائینگے کسی اندیشہ سے مرعوب نہ ہونگے کسی مذمت کو خیال میں نہ لائینگے۔

خدائی مذہب اور تمیز حق و باطل

مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض غلط ہے۔ حامیان مذہب کو ملامت کرنا فریب کاری ہے عرصہ دراز کی عیش پرستی نے آرام طلبی اور کاہلی کا خوگیر بنا دیا ہے۔ مذہب صرف عمل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے نجات پانے کے لئے طعن و ملامت کا حربہ استعمال کرتے ہیں مگر دنیا بھی بے عمل سے مذہب کو وہ چھوڑتے ہیں۔ دنیا انسے بھاگتی ہے۔ اپاہج اور ناکارہ کسی غرض میں دخل نہیں پاسکتا۔ ناممکن ہے کہ وہ تمام قیود سے آزاد اور تمام سرگرمیوں سے علیحدہ ہو کر دنیا کے کسی مدعا میں کامیاب ہوں۔ آزادی سراب ہے۔ آزاد خیالی دھوکا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز قوانین قدرت سے آزاد نہیں اور گوشت پوست سے بنا ہوا انسان بے لگام ہو کر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہر مطلوب تک پہنچنے کی ایک راہ اور ہر کمال کو حاصل کرنے کا ایک قاعدہ ہے جسم جولانی دکھا سکتا ہے مگر راہ و بیراہ کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ خیال وسعت پیدا کر سکتا ہے مگر صحیح و غلط کی پابندی سے رہا نہیں ہو سکتا۔ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ ہر کام کے لئے بال سے زیادہ باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ قدم کو جس قدر لغزش اور خیال میں جس قدر غلطی ہوگی کامیابی میں اسیقدر نقص رہجائیگا۔ اس میں مسلمان نامسلمان کی کوئی تفریق نہیں۔ قوائے بہیمیہ اور عقلیہ کی ترقی اور دنیوی آسائش کے لئے عقل سلیم درکار ہے یہ نہ ہو تو مطلب برآری نہ ہوگی۔ روحانی کمال اور دائمی راحت دیدۂ

ہستی کے ساتھ سچی لو لگانے اور روحانیت کے مقررہ قاعدوں کی پابندی کرنے پر منحصر ہے اس کے بغیر وہاں کامیابی نہیں۔ سچا مذہب وہ ہے جس کی پابندی سے دنیا میں عزت اور عاقبت میں راحت نصیب ہو اور ہم ان اوراق میں دیکھ چکے ہیں کہ اسلام اس نقطہ خیال سے ہر طرح مکمل اور نعیم دنیا و آخرت کا کفیل ہے۔ ناکامی کا الزام ہم پر ہے۔ کہ قاعدوں سے آزاد رہکر راحت کے طالب ہوتے ہیں اور بیراہ چل کر منزل پہ پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہم عمل کرنے پر آئیں تو اسلام ہمارے اجسام کو راہ و بیراہ سے آگاہ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور ہماری روح کو بجا و بیجا سے باخبر رکھنے کا ضامن ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

چہ شبہا نشستم دریں دیر گم — کہ نہ گرفت کس آستینم کہ قم
بہ ظلمت پئے نورے تاختم — بہ شب نزدِ خورشیدے باختم
جہانے براحت ۔ ز من سوزِ دل — چو شمعم نشد گاہِ پیماں گسل
چو حافظ شب تار و گرداب ہا — بساحل سبکسار بودن کجا
سلامت مگر بودم از بیم موج — صدف بردہ پرداز کردم براوج
زدم غوطۂ و دُر بدست آمدست — گمانِ عدو را شکست آمدست
پئے رہروانِ طریقت نخست — نمودم رہِ دین و دانش درست
پس از دین و دولت کشادم درے — درآید مگر از سفر رہروے
کنوں خانۂ دین و آئین خوب — بمژگانِ خود میکنم رُفت و روب
کہ تا زیرِ سقف بلندش کسے — نہد سر ببالین راحت شبے
فرود آرد از دوشش بارِ گراں — برآساید از ہاؤ ہوئے جہاں
کشاید نظر سوئے بالا و پست — بہ پیماید اندازۂ ہرچہ ہست
بہ چشمش بود خوب و زشت آشکار — گوارا گزیند ز ناخوشگوار
گل و نسترن صف بصف برزند — بہ گلزار و خار را ز میاں برکند
بجاں پرورد ہر کم آزار را — بہ کوبد سرِ کژدم و مار را
بدیشاں گراید کہ مردم وشند — وز آنہا بسترد کہ دام و دوند

وزیں جملہ سامانِ سود و زیاں   برد پے بسر چشمۂ این و آں
فنا بیند از خود بقا از دمش   ز خود تیرگی و ضیا از دمش
جبیں را نہد پیش او در سجود   نیابد جز او ہیچکس در شہود
تو لائے او را بدل پرورد   ہوائے دگر جملہ بیروں [illegible]
رسیدن باد باشدش مدعا   زباقی بقا حاصل آید ورا
کشد رخت خود را بدار السلام
ہمیں است اسلام و اینش نظام

خاتم الطبع

الحمد للہ علی احسانہ کہ کتاب دین آئین مصنفہ ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ بانی علم کلام جدید حضرت مولینا سید محمود علی صاحب عم فیضہ مولوی فاضل منشی فاضل پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ [illegible] سنہ ۱۹۳۴ء رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۲ھ کتبخانہ انصاریہ جالندھر شہر نے طبع کرکے شائع کی [illegible] کا شکر ہے کہ جس درجہ کی کتاب تھی اسی پیمانہ پر اسکی طباعت کا اہتمام و انتظام کیا، [illegible] مصنف مدظلہ نے طباعت کتاب کی اجازت حضرت مولنا محمد عماد الدین صاحب [illegible] مدظلہ سرپرست کتبخانہ انصاریہ کو عطا فرمائی، مولنا نے اسکا انتظام کارپردازان کتبخانہ انصاریہ کی سپرد کیا جو ہمیشہ اسلامی خدمات اور ایسی تصانیف کی اشاعت اپنا نصب العین قرار دیچکا ہے اور ابتک متعدد کتابیں چھاپ کر ملک میں شائع کرچکا ہے +

اس کتاب کے طبع کی اجازت مصنف عم فیضہ کی طرف سے کتبخانہ انصاریہ جالندھر شہر کو ملی ہے لہذا کوئی صاحب ایسی جرأت نکریں کہ نفع کی طمع زیان و خسران کا باعث ہو بلکہ بقدر ضرورت بہ ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں۔ کتاب تین قسم کی طبع ہوئی ہے ایک خاص ایڈیشن جسکی صرف [illegible] جلدیں ہیں باقی اقسام دو ہیں قسم اول، قسم دوم قیمت حسب ذیل ہے

خاص ایڈیشن مجلد نفیس ۵؎   قسم اول مجلد للعہ یا ۳؎   قسم دوم مجلد ۲؎
" غیر مجلد للعہ   " غیر مجلد ۳؎   " غیر مجلد [illegible]

المعلن - ناظم کتب خانہ انصاریہ جالندھر شہر

امام ابو اسحٰق اسفرائینی رحؒ کی کتاب نور العین
فی مشہد الحسین کا اُردو ترجمہ

انوار الشہادت

واقعات کربلا کے سچے اور صحیح حالات اور
مستند روایات کا تاریخی مرقع

واقعہ کربلا، شہادت امام حسینؑ کے حالات اسلامی تاریخ میں ایسے جانگداز اور دلسوز ہیں جنکی نظیر دنیا کی تاریخ میں کہیں نہ ملیگی۔ مسلمانوں کا عام اور خاص طبقہ ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ لیکن شہادت کی کتابوں میں اس قدر رطب و یابس واقعات بھرے ہیں کہ اصل واقعات کا پتہ چلنا دشوار ہے۔ یہ کتاب اُن خامیوں سے پاک ہے اور چوتھی صدی ہجری کے مشہور امام کی عربی کتاب کا بامحاورہ اور دلآویز ترجمہ ہے۔ گویا یہ کتاب تاریخی حیثیت سے پہلی کتاب ہے جو اُردو زبان میں سنہ ۱۹۳۳ء میں چھپی ہے۔ جابجا درد انگیز اشعار ہیں۔ فٹ نوٹ میں نایاب تاریخی تحقیقات ہیں اور دیباچہ کتاب میں ان تمام شبہات اور اعتراضات کے جواب ہیں جو واقعات شہادت پر کیئے جاتے ہیں۔ باطنی خوبیوں کے ساتھ ظاہری صورت بھی نہایت دل آویز ہے قیمت قسم اول بارہ آنے قسم دوم ۸؍

"چچا سام کا حشر" مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نقشہ کھینچکر نوجوانوں کو قوم کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اور ایسے کارآمد بتائے گئے ہیں کہ مردہ قومیں زندہ ہوجائیں اہل یورپ اور اہل ہند کے جذبات و احساسات کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ نہایت جوشیلی کتاب ہے قیمت ۱؍

رہنمائے تعلیم

اپنے طرز کی نئی اور پہلی کتاب، طلبہ سکول کے لئے نہایت مفید

کتاب کا مقصد: تعلیم کا عام کرنا (۲) تعلیم کے راستے میں جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں انکو دور کرنا (۳) اردو الفاظ اور محاورات کا برجستہ استعمال کرانا (۴) طلبہ کے اخلاق کو شریفانہ بنانا وغیرہ۔ مذکورہ مقاصد کو دلچسپ ناولانہ طرز میں لیکچر کے لباس میں مصنف مولنا محمد حسین صلت نے اُردو ٹکسالی زبان میں ادا کیا ہے طرز بیان دلکش ہے کہ شروع کرکے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ مصنف نے تعلیم کے دشمنوں کو شیطان سے تعبیر کرکے انکی ایک کانفرنس قرار دی ہے جس میں بڑا شیطان تعلیم کے عام ہونے سے گھبراکر اپنے ماتحت تمام شیاطین کو جمع کرتا ہے اور اُنسے بازپرس کرتا ہے کہ جابجا اسکول اور مدارس قائم ہوکر تعلیم میں کیوں ترقی ہو رہی ہے۔ ہر ایک شیطان اپنے کارنامے جو تعلیم سے روکنے کیلئے اور لڑکوں کو علم سے محروم رکھنے کیلئے کرتا ہے بڑے شیطان کے سامنے بیان کرتا ہے اور بالآخر ایک پرانا تجربہ کار شیطان حامیان تعلیم کی مخالفت میں اپنی تدبیر استعمال کرتا ہے اسی وجہ سے اس کتاب کا دوسرا نام شیطان کانفرنس بھی ہے۔ کتاب ہر شخص کے پڑھنے کے قابل ہے خصوصاً طالب العلموں اور والدین کے لئے اس کتاب کا پڑھنا نہایت ہی ضروری ہے۔ اسکول کے اساتذہ کا مطالعہ کرنا نہایت بہتر نتیجہ پیدا کریگا۔ اسکولوں کی لائبریریاں اس سے خالی نہ ہونی چاہئیں اور ہر جماعت کے طلبہ کو لائبریری کتابیں دیکر مطالعہ کرانا چاہیئے۔ اس سے اُردو لکھنے اور مضمون نگاری پر پوری قدرت ہوسکتی ہے۔

صفحات ۱۷۲۔ کاغذ چھپائی اعلیٰ قیمت ۸؍

بہشتی زیور یہ مشہور کتاب ہے۔ عورتوں اور بچوں کی تعلیم کے لئے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوچکی ہے۔ اس کے پورے دس حصے ہیں۔ گیارھواں حصہ بہشتی گوہر۔ مجموعہ کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)۔

تعبیر نامہ خواب۔ اس میں نہایت صحیح اور معتبر اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں قیمت صرف ۲؍

ملنے کا پتہ:۔ ناظم کتبخانہ انصاریہ۔ بازار شیخاں جالندھر شہر

مسلمان بچّوں اور بچّیوں کی مذہبی، اخلاقی معاشرتی

اور تاریخی تعلیم کا جدید اور نہایت مفید سلسلہ یعنی

گلدستۂ تعلیم اِسلام

مصنفہ مولینا محمد عماد الدین صاحب انصاری عم فیضہ

آجتک مکتبوں اور اسکولوں میں ہر جماعت کیلئے کوئی ایسا نصاب موجود نہ تھا جس میں مسلمان بچّوں کیلئے مذہب اسلام کی واقفیت حاصل ہو سکے، اور بچّوں اور کم علم اصحاب کے سامنے اسلام کی صحیح اور سچی تصویر کھینچ دی گئی ہو، اس سلسلہ گلدستہ تعلیم اسلام میں پہلا باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ہے، دوسرا باب عقائد اسلام میں تیسرا باب احکام اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، لین دین وغیرہ میں ہے چوتھا باب اسلامی اخلاق اور معاشرت کے طریقوں میں، پانچواں باب بزرگان اسلام کے حالات میں ہے زبان نہایت سلیس، بچوں کی دماغی حالت کی پوری رعایت رکھتے ہوئے ہر مضمون کو رکھا گیا ہے اور جسقدر استعداد بڑھتی گئی مضامین کو بتدریج ترقی دیگئی ہے ہر مسلمان گھر میں اسکا پڑھانا ضروری ہے اس سلسلہ کے آٹھ حصے رکھے گئے ہیں۔

نیز قرآن مجید کو تھوڑی مدت میں آسانی کے ساتھ پڑھانیکے لئے دو قاعدے عربی کے بہترین ترتیب دئے گئے جس سے چار پانچ برس کا بچہ چار مہینے میں قرآن مجید با آسانی پڑھ سکتا ہے۔

ہر حصہ باعتبار لکھائی چھپائی کاغذ اور ٹائٹل کی رنگینی اور جاذبیت نظر میں اپنی نظیر آپ ہے امید ہے کہ اپنے بچوں کو آپ اسی سلسلہ کو پڑھائینگے اور جلد از جلد فرمائش بھیجکر طلب فرمائینگے۔

قاعدہ گلدستہ تعلیم اسلام نمبر ۱ تین پیسے ـ/	گلدستہ تعلیم اسلام دوسرا حصہ ۵/		باقی حصے
" " نمبر ۲ ڈیڑھ آنہ ۱/	" " تیسرا حصہ ۶/		زیر طبع
گلدستہ تعلیم اسلام پہلا حصہ ۴/	" " چوتھا حصہ ۶/		ہیں۔

المعلن

ناظم کتبخانہ انصاریہ جالندھر شہر بازار شیخاں

انڈہ الیکٹرک پریس جالندھر شہر میں باہتمام لالہ کشب چند انڈہ بلی سے طبع ہوئی:

۱۱۲ DUE DATE ۲۹۷۵۰۱

URDU STACKS

۱۰۲۷۹۳ ۱۹۴ دی

۵۱۹

محمد علی سعد - دین و آشتی

DATE	No.	DATE	No.
	۱۰۰۹		